دورہ یورپ

(۱۹۲۴ء)

از
سیدنا حضرت میرزا بشیرالدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

امام جماعت احمدیہ کا عزم یورپ

(تحریر فرمودہ جون ۱۹۲۴ء)

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ ھُوَالنَّاصِرُ

اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ [۱]

احمدیہ جماعتوں سے مشورہ اور اس کا نتیجہ

برادران! اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ انگلستان کی مذہبی کانفرنس کی دعوت کے جواب کے متعلق میں نے آپ لوگوں سے مشورہ کیا تھا کہ مجھے اس دعوت کا جواب کیا دینا چاہئے؟ اس چٹھی کا جواب قریباً ایک سو گیارہ یا بارہ انجمنوں کی طرف سے آیا ہے جن میں سے سَو کے قریب تو اس امر کی تائید میں ہیں کہ مجھے خود جانا چاہئے۔ اور بارہ[۱۲] انجمنیں اس امر کی تائید میں ہیں کہ مجھے نہیں جانا چاہئے۔ جماعتوں میں سے اتنی بڑی تعداد کا جانے کا مشورہ دینا الٰہی تصرف کے ماتحت معلوم دیتا ہے۔

استخارہ

مگر میں نے مناسب سمجھا کہ کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے استخارہ بھی کر لیا جائے اور چالیس آدمیوں سے زیادہ کو استخارہ کے لئے مقرر کیا۔ بعد استخارہ جب ان لوگوں سے مشورہ لیا گیا تو اٹھارہ کے قریب آدمی جانے کے مخالف تھے اور چوبیس کے قریب جانے کی تائید میں تھے۔ دو تین کی رائے درمیان میں تھی اس کے بعد میں نے یہی مناسب سمجھا کہ مجھے خود ہی جانے کی تیاری کرنی چاہئے کیونکہ ہر ایک طریق مشورہ میں جانے کا مشورہ دینے والوں کا پہلو ان لوگوں پر جو نہ جانے کا مشورہ دیتے ہیں غالب رہا ہے۔ گو ابھی تک میری اپنی طبیعت یکسو نہیں ہے لیکن زیادہ دیر کرنے سے کوئی فیصلہ ہو ہی نہیں سکتا تھا کیونکہ ایسے سفروں کے لئے کافی عرصہ پہلے سے تیاریاں ضروری ہوتی ہیں۔

مشکلات

میرے لئے جو مشکلات ہیں ان میں سے ایک تو میں پہلے ہی بیان کرچکا ہوں یعنی میری مالی مشکلات جن کی موجودگی میں اور بوجھ کا اٹھانا طبیعت پر ایک حد تک گراں گذرتا ہے۔ دوسرے میری صحت بہت خراب رہتی ہے اور اتنے لمبے سفر اور اس کی مشقتوں کو برداشت کرنا میرے لئے شاید ایک بار گراں ثابت ہو کیونکہ اس قدر کثیر اخراجات کے برداشت کرنے کے بعد اگر وقت کو پوری طرح استعمال نہ کیا جائے اور زیادہ سے زیادہ کام نہ کیا جائے تو یہ ایک اسراف ہوگا جس کو میری طبیعت پسند نہیں کرتی۔ تیسرے قادیان سے اس قدر عرصہ تک اتنے فاصلہ پر رہنا کہ جو گویا ایک نئی دنیا ہے مجھے ناپسند ہے۔ چوتھے اپنی صحت کی خرابی اور عمر کی ناپائداری کا خیال کر کے طبیعت ایک تکلیف محسوس کرتی ہے۔ پانچویں میری دو بیویاں اس وقت حاملہ ہیں اور دونوں کو اسقاط کا مرض ہے اور بچے ان کو سخت تکلیف سے ہوتے ہیں یہاں تک کہ جان کی فکر پڑ جاتی ہے اور ان کے وضع حمل کا زمانہ وہی ہے جو اس سفر میں خرچ ہوگا۔ میری غیر حاضری کا خیال ان کی طبائع پر قدرتاً ایک بوجھ ہے۔

دینی فرائض سب سے مقدم ہیں

مگر باوجود ان مشکلات کے میں نے یہی فیصلہ کیا ہے کہ میرے نفس کے آرام پر اور میرے عزیزوں کی خواہشات پر میرے وہ فرائض جو دین اور ملت کے متعلق ہیں مقدم ہیں۔ میں جو کچھ جانتا ہوں وہ میں ظاہر نہیں کر سکتا اگر وہ آپ کو معلوم ہوتا تو شاید بہتوں کے دل رحم اور ہمدردی سے بھر جاتے۔ مگر میں ایک خدا پر ایمان لاتا ہوں جو عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْرٌ ہے اس نے باوجود میری کمزوریوں اور خطاؤں کے مجھے نہیں چھوڑا۔ وہ ہر میدان میں میرے ساتھ رہا اور ہر مشکل میں میری اس نے مدد کی۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ وہ اپنے رحم سے اپنی تقدیر کو بھی بدل دے گا اور اپنے فیصلہ کو بھی اُلٹ دے گا اور میری بے بسی پر رحم فرمائے گا اور میں تو کہتا ہوں کہ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ۔

روانگی کب ہوگی

اس کے بعد میں اس امر کی اطلاع دوستوں کو دینا چاہتا ہوں کہ اگر بعد میں خدا تعالیٰ کی مشیّت کسی اور رنگ میں ظاہر نہ ہوئی تو انشاء اللہ تعالیٰ ہمیں ۱۵۔ جولائی کو بمبئی سے روانہ ہونا ہوگا۔ قادیان سے روانگی کی تاریخ سے اور گاڑی سے بعد میں اطلاع دی جائے گی۔

رسول کریمؐ کی ایک پیشگوئی پورا کرنے کا ارادہ

ارادہ ہے کہ رسول کریم ﷺ کی اس پیشگوئی کو جو مسیح موعود کے زمانہ کے متعلق ہے اور جس کی تاویل حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ فرمائی ہے کہ مسیح موعود یا اس کا کوئی خلیفہ دمشق کو جائے گا اس سفر میں پورا کرنے کی کوشش کی جائے اور راستہ میں چند دن کے لئے دمشق بھی ٹھہرا جائے۔ گو اس کے لئے اپنے راستہ سے ہٹ کر جانا ہوگا مگر چونکہ ایسے مواقع روز بروز نہیں مل سکتے اس لئے جہاں تک ہو سکے اس سفر سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرنی ضروری ہے اور سلسلہ کی صداقت کا ایک نشان قائم کرنا تو عین سعادت مندی ہے۔

خلیفہ کا مرکز میں رہنا ضروری ہے

اس کے بعد میں احباب کو اس امر کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ بعض احباب نے اپنے مشورہ کی بناء اس امر پر رکھی ہے کہ مذہبی کانفرنس نے چونکہ بلایا ہے اس لئے وہاں ضرور جانا چاہئے اور یہ خیال کیا ہے کہ گویا اس سفر کے ساتھ ہی یورپ فتح ہو جائے گا اور ہزاروں لاکھوں آدمی اسلام میں داخل ہو جائیں گے۔ میرے نزدیک اس امر پر اور اس امید پر مشورہ دینا درست نہ تھا۔ میں نے پہلے بھی بارہا بیان کیا ہے کہ خلیفہ دورہ کرنے والا واعظ نہیں کہ وہ جس جگہ لیکچر دینے کی ضرورت ہو وہاں جائے۔ وہ ایک سپاہی نہیں کہ لڑنے کے لئے جائے بلکہ ایک کمانڈر ہے جس نے سپاہیوں کو لڑوانا ہے۔ کسی مذہبی کانفرنس کی درخواست پر اس کا باہر جانا یا محض لیکچر دینے کے لئے اس کا مرکز سے نکلنا درست نہیں۔ یہی طریق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا تھا اور یہی آپ سے پہلے امت محمدیہ کے خلفاء کا رہا ہے۔ پس میں طبعاً اس خیال کے مخالف ہوں کہ کسی مذہبی کانفرنس کے بُلاوے پر مرکز کو چھوڑوں۔ ایک دوست نے خوب لکھا ہے کہ اگر اگلے سال اس سے بڑی مذہبی کانفرنس ہو گئی تو پھر کیا ہم اپنے خلیفہ سے درخواست کریں گے کہ وہ اب وہاں جائے۔ یہ بات بالکل درست ہے مذہبی کانفرنسیں تو ہر سال ہو سکتی ہیں اور لوگوں کی توجہ اگر مذہب کی طرف پھر جائے تو بہت بڑے بڑے پیمانوں پر ہو سکتی ہیں مگر ان کی وجہ سے خلیفہ وقت اپنے مرکز کو نہیں چھوڑ سکتا ورنہ اس کے لئے مرکز میں رہنا مشکل ہو جائے گا۔ ایک مشہور جرمن مدبّر فلاسفر کا یہ قول مجھے نہایت پسند ہے اور بہت ہی سچا معلوم ہوتا ہے کہ ہر کام کے افسروں کو بالکل کام سے الگ اور فارغ رہنا چاہئے تاکہ وہ یہ دیکھتے رہیں کہ کام کرنے والے فارغ نہیں ہیں۔ اگر وہ خود

کام میں لگ جائیں گے تو دوسرے کام کرنے والوں کی نگرانی نہیں کر سکیں گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مرکزی کارکنوں کو صرف نگرانی کا کام کرنا چاہئے جزئی کاموں میں حصہ نہیں لینا چاہئے۔ یہ بات اور محکموں کے متعلق بھی درست ہوتی ہے مگر خلافت کے متعلق تو بہت ہی درست ہے۔ میں اپنے تجربہ کی بناء پر جانتا ہوں کہ خلافت ایک مردم کُش عہدہ ہے۔ اس کا کام اس قدر بڑھا ہوا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ کا فضل اس کے ساتھ نہ ہو تو یقیناً ایک قلیل عرصہ میں اس عہدہ پر متمکن انسان ہلاک ہو جائے مگر چونکہ خدا تعالیٰ اس عہدہ کا نگران ہے وہ اپنے فضل سے کام چلا دیتا ہے۔

غرضیکہ وعظوں اور لیکچروں کے لئے باہر جانا خواہ وہ کسی عظیم الشان مذہبی کانفرنس کی دعوت ہی پر کیوں نہ ہو خلفاء کے کام کے خلاف بلکہ مشکلات پیدا کرنے کا موجب ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ آئندہ امریکہ جاپان وغیرہ ممالک میں مذہبی کانفرنسیں ہوں اور وہاں کے لوگ دعوت دیں۔ اگر وہاں بھی جاویں تو ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور اگر نہ جاویں تو قومی تعصب کی وجہ سے ان ملکوں کے لوگ اس کو اپنی ہتک خیال کریں گے اور تبلیغ سلسلہ میں رکاوٹ پیدا ہو گی۔ مغربی ممالک کے لوگ قومی عزت کا اس قدر احساس رکھتے ہیں کہ جن امور کو ہم لوگ بالکل معمولی خیال کرتے ہیں وہ اسے اپنی زندگی اور موت کا سوال سمجھ بیٹھتے ہیں۔ پس میں مذہبی کانفرنس کی دعوت کے جواب میں جانے کے مخالف ہوں اور اس امر میں جو لوگ نہ جانے کا مشورہ دیتے ہیں ان سے متفق ہوں۔

سفر کے نتیجہ کے متعلق خیال

اسی طرح میں اس امر کا بھی قائل نہیں ہوں کہ ایک ایسے مختصر سفر کے نتیجہ میں کسی عظیم الشان فتح کی امید کی جائے۔ یورپ کے لوگ تو ہم سے ہر بات میں مختلف ہیں اور مذہب اور تمدن اور اخلاق اور عادات غرض کسی بات میں ہم سے نہیں ملتے۔ لاہور اور دہلی حضرت مسیح موعودؑ کو بھی جانے کا اتفاق ہوا ہے اور مجھے بھی۔ ان مقامات پر ہمارے چند روزہ قیام سے کونسا غیر معمولی تغیر پیدا ہو گیا۔ نہ ہزاروں آدمی سلسلہ میں داخل ہو گئے نہ لوگوں کے خیالات میں کوئی نمایاں تبدیلی ہوئی۔ رسول کریم ﷺ مختلف قوموں کے وفود سے تیرہ سال تک ملتے رہے اور انہوں نے کوئی اثر قبول نہ کیا۔ پس جب اپنے ہم قوم جو بیسیوں باتوں میں ہم سے متفق ہیں اس قدر جلدی متأثر نہیں ہوتے بلکہ ایک لمبی صحبت اور بار بار کی صیقل کے محتاج ہوتے ہیں تو اس قدر روحانی بُعد رکھنے والے لوگ کب ظاہری سامانوں کو دیکھتے ہوئے چند دن کی صحبت اور لیکچر سے اس قدر متأثر ہو سکتے ہیں

کہ فوراً سینکڑوں ہزاروں کی تعداد میں جماعت میں داخل ہو جائیں۔

غیر معمولی تغیرات خدا کی مشیّت کے ماتحت ہوتے ہیں

میں اس امر کا منکر نہیں کہ ایسے غیر معمولی تغیرات بھی ہوتے ہیں مگر وہ کسی انسان کی صحبت یا کسی لیکچر سے نہیں ہوتے بلکہ خدائے قادر کے زبردست ہاتھ سے ہوتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام دہلی اور لاہور اور لدھیانہ کئی کئی ہفتے رہے مگر وہاں کوئی اثر نہ ہوا لیکن جہلم کا سفر جو ایک مقدمہ کی وجہ سے پیش آیا تھا اس سے پہلے خدا تعالیٰ کی طرف سے الہام ہوا کہ تُو اس سفر میں خدا کی نصرت دیکھے گا اور تین دن کے سفر میں گیارہ سو آدمیوں نے بیعت کی۔ پس ایسے تغیرات تو پیدا ہوتے ہیں مگر وہ اللہ تعالیٰ کی مشیّت سے ہوتے ہیں نہ کہ کسی بڑے یا چھوٹے انسان کے جانے سے اور ہم اللہ تعالیٰ کی مشیّت پر حاکم نہیں کہ خود ہی فیصلہ کرلیں کہ وہ ضروریوں ہی چاہے گا اس لئے ہمیں فلاں کام کرلینا چاہئے۔ پس ہمیں اس امید پر بھی اپنے مشورہ کی بنیاد نہیں رکھنی چاہئے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی یہ مشیّت ہے کہ وہ اس وقت کوئی نشان دکھائے تو خود بخود کفر کی دیواریں ٹوٹنی شروع ہو جائیں گی ورنہ بظاہر حالات چند ہفتوں کی رہائش میں ایک شخص کا ہدایت پاجانا بھی ایک بہت بڑا کام معلوم ہوتا ہے۔

مغربی ممالک میں عظیم الشان تغیر ہوگا

اس میں کوئی شک نہیں کہ خدا تعالیٰ کا منشاء مغربی ممالک میں کوئی عظیم الشان تغیر پیدا کرنے کا ہے رسول کریم ﷺ کی پیشگوئی مغرب سے سورج کے نکلنے کی اس پر دلالت کرتی ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ کی رؤیا کہ مغربی ممالک کے لوگ اس جماعت میں خاص طور پر داخل ہوں گے اس پر شاہد ہے اور میں نے بھی دو رؤیا دیکھی ہیں جن کو میں اس تجویز سے بہت پہلے سنا چکا ہوں وہ بھی مغرب میں ہماری فتح پر دلالت کرتی ہیں۔

تغیرات یورپ کے متعلق ایک رؤیا

چنانچہ پہلی رؤیا تو کوئی تین چار سال کی ہے یا اس سے بھی زیادہ عرصہ کی جسے میں نے اسی وقت قادیان کے دوستوں کو سنا دیا تھا۔ اس رؤیا میں مَیں نے دیکھا کہ میں لنڈن میں ہوں اور ایک ایسے جلسہ میں ہوں جس میں پارلیمنٹ کے بڑے بڑے ممبر اور نواب اور وزراء اور دوسرے بڑے آدمی ہیں۔ ایک دعوتی قسم کا جلسہ ہے اس میں میں بھی شامل ہوں مسٹر لائیڈ جارج ۲؎ سابق وزیراعظم اس میں تقریر کر رہے ہیں۔ تقریر کرتے کرتے ان کی حالت بدل گئی اور انہوں نے ہال

میں ٹہلنا شروع کر دیا اور ایسی گھبراہٹ ان کی حرکات سے ظاہر ہوئی کہ سب لوگوں نے یہ سمجھا کہ ان کو جنون ہو گیا ہے۔ سب لوگ قطاریں باندھ کر کھڑے ہو گئے ہیں اور وہ جلد جلد ادھر سے ادھر ٹہلتے ہیں اتنے میں لارڈ کرزن ۳ صاحب نے آگے بڑھ کر ان کے کان میں کچھ کہا اور وہ ٹھہر گئے اور آہستہ سے لارڈ کرزن صاحب کو کچھ کہا۔ انہوں نے باقی لوگوں سے جو ان کے گرد تھے وہی بات کہی اور سب لوگ دوڑ کر ہال کے دروازے کی طرف چلے گئے اور باہر سڑک کی مشرقی جانب جھانکنا شروع کیا۔ ان کے اس طریق پر مجھے اور بھی حیرت ہوئی۔ قاضی عبد اللہ صاحب میرے پاس کھڑے ہیں میں نے ان سے پوچھا کہ انہوں نے کیا کہا ہے اور یہ لوگ دروازے کی طرف کیوں دوڑے اور کیا دیکھتے ہیں؟ قاضی صاحب نے مجھے جواب دیا کہ مسٹر لائڈ جارج نے لارڈ کرزن سے یہ کہا ہے کہ میں پاگل نہیں ہوں بلکہ میں اس وجہ سے ٹہل رہا ہوں کہ مجھے ابھی خبر آئی ہے کہ مرزا محمود احمدؓ امام جماعت احمدیہ کی فوجیں عیسائی لشکر کو دباتی چلی آتی ہیں اور مسیحی لشکر شکست کھا رہا ہے اور وہ ہٹتے ہٹتے اس جگہ کے قریب آگیا ہے اور یہ لوگ اس بات کو سن کر دروازے کی طرف اس لئے دوڑے تھے کہ تا دیکھیں کہ لڑائی کا کیا حال ہے۔ جب میں نے یہ بات ان سے سنی تو میں دل میں کہتا ہوں کہ ان کو اس قدر گھبراہٹ ہے اگر ان کو معلوم ہو کہ میں خود ان کے اندر موجود ہوں تو یہ مجھے گرفتار کرنے کی کوشش کریں گے یہ خیال کر کے میں بھی دروازے کی طرف اسی طرح بڑھا جس طرح وہ لوگ دیکھنے کے لئے گئے تھے اور وہاں سے خاموشی سے سڑک کی طرف نکل گیا۔ اس پر میری آنکھ کُھل گئی۔

دوسری رؤیا دوسری رؤیا اِسی سال کی ہے۔ مگر ولایت جانے کی تحریک سے دو تین ماہ پہلے کی ہے۔ یہ خواب بھی میں نے اسی دن دوستوں کو سنادی تھی جن میں سے ایک مفتی محمد صادق صاحب بھی ہیں۔ میں نے دیکھا کہ میں انگلستان کے ساحل سمندر پر کھڑا ہوں جس طرح کہ کوئی شخص تازہ وارد ہوتا ہے اور میرا لباس جنگی ہے۔ میں ایک جرنیل کی حیثیت میں ہوں اور میرے پاس ایک اور شخص کھڑا ہے اس وقت میں یہ خیال کرتا ہوں کہ کوئی جنگ ہوئی ہے اور اس میں مجھے فتح ہوئی ہے اور میں اس کے بعد میدان کو ایک مدبر جرنیل کی طرح اس نظر سے دیکھ رہا ہوں کہ اب مجھے اس فتح سے زیادہ سے زیادہ فائدہ کس طرح حاصل کرنا چاہئے۔ ایک لکڑی کا موٹا شہتیر زمین پر کٹا ہوا پڑا ہے ایک پاؤں میں نے اس پر رکھا ہوا ہے اور ایک پاؤں زمین پر ہے جس طرح کوئی شخص کسی دُور کی چیز کو دیکھتا ہے تو ایک پاؤں کسی اونچی چیز پر رکھ کر

اونچا ہو کر دیکھتا ہے اسی طرح میری حالت ہے اور جسم میں عجیب چستی اور سُبکی پاتا ہوں جس طرح کہ غیر معمولی کامیابی کے وقت ہوا کرتا ہے اور چاروں طرف نگاہ ڈالتا ہوں کہ کیا کوئی جگہ ایسی ہے جس طرف مجھے توجہ کرنی چاہیے کہ اتنے میں ایک آواز آئی جو ایک ایسے شخص کے منہ سے نکل رہی ہے جو مجھے نظر نہیں آتا مگر میں اسے پاس ہی کھڑا ہوا سمجھتا ہوں اور یہ بھی خیال کرتا ہوں کہ یہ میری روح ہے۔ گویا میں اور وہ ایک ہی وجود ہیں اور وہ آواز کہتی ہے "ولیم دی کنکرر" یعنی ولیم فاتح۔ ولیم ایک پرانا بادشاہ ہے جس نے انگلستان کو فتح کیا اس امر کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔ جب میں نے دوستوں کو یہ خواب سنائی تو مفتی صاحب نے ولیم کے معنے لغت انگریزی سے دیکھے اور معلوم ہوا کہ اس کے معنے ہیں پختہ رائے والا پکے ارادہ والا یا دوسرے لفظوں میں اُولُوا الْعَزْمِ۔ پس گویا ترجمہ یہ ہوا اُولُوا الْعَزْم فاتح۔

ان خوابوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغربی ممالک کے لئے ایک نیک ارادہ مقدر ہے اور یہ کہ غالباً وہ کسی میرے سفر کے ساتھ وابستہ ہے۔ غالباً اس لئے کہ بعض دفعہ خواب میں جس شخص کو دیکھا جائے اس کے قائم مقام مراد ہوتے ہیں۔ مگر باوجود ان خوابوں کے یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ نتائج اس سفر کے معاً ساتھ وابستہ ہیں بلکہ ہو سکتا ہے کہ بیج سفر میں بویا جائے نتیجہ بعد میں نکلے۔

فیصلہ کی بناء ظاہری حالات ہیں

خلاصہ یہ کہ گو ہم اللہ تعالیٰ کے فضل پر یقین کامل رکھتے ہیں مگر ہمیں کبھی خدا تعالیٰ کی مشیّت پر حکومت کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے اور شرک سے پاک رہنا چاہئے۔ کیونکہ یہ دونوں امور خدا تعالیٰ کی غیرت کو بھڑکاتے ہیں۔ ہمیں اپنے فیصلہ کی بنیاد تو ظاہری حالات پر رکھنی چاہئے پھر دعائیں کرنی چاہئیں کہ خدا تعالیٰ کی مشیّت اس فیصلے کو علاوہ اس ضرورت کے پورا کرنے کے جس کی وجہ سے وہ کیا گیا ہے دوسری برکات کا موجب بھی بنائے۔

اغراض سفر

میرے نزدیک جن اغراض کے لئے اس سفر کی ضرورت ہے ان میں سے ایک تو حضرت مسیح موعودؑ کی رؤیا کو پورا کرنا ہے آپ کا اپنے آپ کو وہاں دیکھنا چاہتا ہے کہ آپ کا کوئی جانشین ان علاقوں میں جائے۔ دوسرے یہ دینی ضرورت اس کی داعی ہے کہ ہماری جماعت کا کام ساری دنیا میں تبلیغ اسلام کرنا ہے اور چونکہ ساری دنیا کو اسلام کے حلقہ میں لانا ہمارا فرض ہے اس لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے متعلق ہم ایک مکمل نظام تجویز کریں

جس کے متعلق ہم دیانت داری سے یقین کر سکیں کہ یہ ہماری غرض کو پورا کر دے گا اور جو فرض ہم پر ہے وہ اس سے ادا ہو جائے گا- باقی رہا اللہ کا فضل سو وہ اس کے اختیار میں ہے اور جب ہم اپنا کام کر چکیں تو ہمیں امید کرنی چاہئے کہ وہ فضل بھی نازل ہو گا کیونکہ یہ کام اس کا ہے نہ ہمارا-

اس نظام کے مقرر کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ خلیفہ وقت مغربی ممالک کی حالت کو وہاں جا کر دیکھے کیونکہ اِس وقت سب سے زیادہ مقابلہ مغربی خیالات سے ہے اسلام اپنی دلیلوں میں سب مذاہب پر غالب ہے لیکن مغرب کی عادتوں اور اس کے تمدن نے ایک ایسی شکل اختیار کرلی ہے کہ وہ اسلام سے اسی قدر مختلف ہے جس قدر کہ دن رات سے مختلف ہے وہ دونوں ایک جگہ بالکل جمع نہیں ہو سکتے- یورپ اسلام کے عقائد کو تسلیم کرنے کے لئے تو آج تیار ہے لیکن وہ اپنی عادتوں کو چھوڑنے کے لئے بالکل تیار نہیں- اور نہ صرف یہ کہ وہ خود اس کام کے لئے تیار نہیں بلکہ وہ ایشیا اور افریقہ کو بھی اپنا ہم خیال بنا کر اسلام کو دنیا سے بالکل خارج کرنا چاہتا ہے- ان لوگوں کی طرز اور ان کی رہائش ہم سے ایسی جُدا گانہ ہے کہ گھر بیٹھے ان کے متعلق فیصلہ کرنا ایسا ہی ہے جیسے کہ زمین پر بیٹھے چاند کے حالات پر رائے زنی کی جائے بلکہ اس سے زیادہ مشکل- کیونکہ چاند کے حالات تو دُور بین سے نظر آ سکتے ہیں مگر یہاں ایک زندہ قوم کی اصلاح کا سوال ہے جس کی ظاہری شکلوں پر نہیں بلکہ اس کے دلی خیالات اور تعصبات کے متعلق ہم نے فیصلہ کرنا ہے-

مغرب کی تبلیغ پر خرچ

ہم اس وقت تک ڈیڑھ لاکھ سے زائد روپیہ مغرب کی تبلیغ پر خرچ کر چکے ہیں اور پندرہ سولہ ہزار روپیہ ہر سال خرچ کرتے ہیں- جو کچھ اس کثیر خرچ کا نتیجہ اس وقت تک نکلا ہے اس کی نسبت ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ وہ کچھ بھی نہیں کیونکہ ملکوں کی اصلاح دیر سے ہوتی ہے مگر ہم دیانت داری سے یہ بھی تو نہیں کہہ سکتے کہ اس تحریک کا آخر وہی نتیجہ نکلے گا جو ہم چاہتے ہیں- اور کم سے کم ایک کام کے متعلق ہم کو یہ یقین ہونا چاہئے کہ ہم صحیح راستہ پر چل رہے ہیں اور اس کا آخری نتیجہ ضرور اچھا ہی نکلے گا اِلَّامَاشَآءَ اللّٰہُ مگر بوجہ اس کے کہ خلیفہ وقت نے جو آخری کڑی ہے اس کام کو خود دیکھ کر اس سکیم کو تجویز نہیں کیا جس پر مغرب میں عمل ہونا چاہئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ہم نے ایک یقینی فیصلہ کر لیا ہے- پس مغربی ممالک میں تبلیغ کے کام کو اگر ہم نے جاری رکھنا ہے اور اگر اس پر جو روپیہ خرچ ہوتا ہے اس کی خدا تعالیٰ کو جواب دہی سے عہدہ برآ ہونا ہے تو ضروری ہے کہ خود خلیفہ وقت ان

علاقوں میں جاکر انکی مشکلات کو دیکھے اور وہاں کے ہر طبقہ کے لوگوں سے مشورہ کرکے ایک سکیم تجویز کرے جس پر چلنے کیلئے سب مبلغین کو مجبور کیا جائے۔ ہر اک دن جو اس سکیم کے بغیر گزرتا ہے وہ ہمارے روپیہ کو ضائع کر رہا ہے۔ آج سے دو سال بعد اگر ہم ایسی سکیم تیار کریں اور وہ سکیم موجودہ طریق عمل کے خلاف ہو تو گویا اس دو سال کا تیس چالیس ہزار روپیہ ضائع گیا۔ فروعی تغیرات تو ہوتے رہتے ہیں اور ہوتے رہیں گے لیکن اصول اگر طے ہو جاویں تو پھر چنداں خطرہ نہیں رہتا۔ اس وقت تو بارہا ایسا ہوتا ہے کہ ایک امر کے متعلق میں مبلغوں کو لکھتا ہوں اور وہ جواب دیتے ہیں کہ آپکو یہاں کے حالات معلوم نہیں ہیں اور اکثر ایسا ہوا ہے کہ بعد میں میری ہی رائے درست نکلی ہے۔ اگر مجھے وہاں کے حالات معلوم ہوتے تو نہ وہ اس طرح مجھے لکھ سکتے اور نہ میں ان کی بات کو قبول کرتا۔ پس ان ضروریات کو مد نظر رکھ کر میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ مذہبی کانفرنس کی تحریک کو ایک خدائی تحریک سمجھ کر اس وقت باوجود مشکلات کے اس سفر کو اختیار کروں۔ مذہبی کانفرنس میں شمولیت کی غرض سے نہیں بلکہ مغربی ممالک کی تبلیغ کیلئے ایک مستقل سکیم تجویز کرنے اور وہاں کے تفصیلی حالات سے واقف ہونے کے لئے، کیونکہ وہ ممالک ہی اسلام کے راستہ میں ایک دیوار ہیں جس دیوار کا توڑنا ہمارا مقدم فرض ہے۔ پس مذہبی کانفرنس کو میں جانے کا موجب نہ قرار دیتا ہوں اور نہ اس کے لئے جانے کو پسند کرتا ہوں ہاں یہ سمجھتا ہوں کہ اس دعوت کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ نے ہمیں ہمارا فرض یاد دلایا ہے۔

بڑے کام بڑی قربانیاں چاہتے ہیں

ہمارے دوستوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ بڑے کام بڑی قربانیاں چاہتے ہیں۔ وہ مذہب جو ایک ملک میں بند رہتے ہیں کبھی دنیا میں غالب نہیں آتے۔ ہندو تعداد میں دیکھ لو کہ چوبیس کروڑ ہیں یعنی ساری دنیا کے مسلمانوں کے برابر لیکن باوجود اس کے ان کو ہندوستان سے باہر کوئی عزت حاصل نہیں اور ہندو مذہب مذہبی حیثیت نہیں رکھتا۔ اس وجہ سے کہ یہ مذہب صرف ہندوستان میں ہے باہر نہیں۔ مذاہب کی ترقی کا راز ان کا دنیا میں پھیل جانا ہے۔ ایک تھوڑی تعداد رکھنے والے لیکن دنیا میں پھیلے ہوئے مذہب کے لئے زیادہ موقع ہے کہ وہ دنیا میں پھیل جائے بہ نسبت اس مذہب کے جس کی تعداد زیادہ ہے لیکن وہ ایک ملک سے تعلق رکھتا ہے۔ پس اگر ہم اپنا فرض اشاعت مذہب کے متعلق ادا کرنا چاہتے ہیں تو تمام ممالک کی تبلیغ ہمیں مد نظر رکھنی چاہئے اور اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ ایک ایسی مکمل سکیم ہم تجویز کریں جس میں تمام اصولی امور کو مد نظر رکھ لیا جائے ورنہ بہت سا روپیہ ضائع جائے گا اور بار بار اپنے انتظام کو بدلنا ہوگا۔

(الفضل ۲۴ جون ۱۹۲۴ء)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ
خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ ھُوَ النَّاصِرُ

مجمع البحرین

(تحریر فرمودہ ۲ تا ۹ جون ۱۹۲۴ء)
(اس مضمون کا انگریزی ترجمہ ۲۳ ستمبر ۱۹۲۴ء کو مذہبی کانفرنس ویمبلے لندن میں پڑھا گیا)

ضروری ہے کہ پہلے میں خدا کے لاانتہاء فضلوں کا اقرار کروں جس نے ہمیں وہ قویٰ بخشے جن کے ذریعے سے ہم اس کو پورے طور پر پالیتے ہیں اور اس سے ہم کلام ہوسکتے ہیں اور میں بے شمار بار اس کی حمد وثناء کرتا ہوں کہ اس نے ہمارے لئے علم کی ایسی راہیں کھول دی ہیں جو ہمیں اس کو پالینے کی طرف لے جاتی ہیں اور اس نے ہم کو ایسا راستہ بتایا جس پر چل کر ہم اس سے تعلق جوڑ سکتے ہیں۔

سلسلے کی بنیاد اور اس کی موجودہ طاقت

سلسلہ احمدیہ کوئی پرانا سلسلہ نہیں یہ صرف چونتیس سال کے عرصے کا ہے۔ ۱۸۸۹ء میں حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام نے خدا کے صریح حکم کے ماتحت اس کی بنیاد ڈالی۔ آپ وہ مہدی ہونے کا دعویٰ رکھتے ہیں جس کی بعثت کی خبر حضرت محمد ﷺ نے پہلے سے دی تھی اور مسیح ہونے کا دعویٰ فرماتے تھے جس کے متعلق انجیل اور بعض اسلامی کتب میں پیشگوئی ہے۔ اور پھر موعود مصلح کا جس کے آخری زمانے میں ظہور کے متعلق تقریباً تمام انبیاء نے پہلے سے بتا دیا تھا۔

آپ کو ابتداء ہی میں تمام فرقوں اور جماعتوں کی شدید اور زبردست مخالفت کا سامنا کرنا پڑا لیکن آپ کی آواز ثابت قدمی سے آگے نکلی اور اسے بڑھتی ہوئی کامرانی حاصل ہوئی۔ مسلمان جن کو اس اسلام کے جری کی بعثت پر خوش ہونا چاہئے تھا اس کے اشد ترین دشمن ہوئے اور ہیں۔ علمائے اسلام نے اس کے خلاف فتوے جاری کردیئے کہ یہ جھوٹا ہے اور ملحد ہے اس کی

کتابیں پڑھنا یا اس سے باتیں کرنا بلکہ یہاں تک کہ اس سے مصافحہ کرنا ایسے زبوں جرائم ہیں کہ ان کے مرتکب کو دائرہ اسلام سے خارج کر دینے کے لئے کافی ہیں۔

باوجود ہر قسم کی مخالفت کے لوگوں کے قلوب سلسلہ کے مقدس بانی کی طرف کھنچے جانے لگے اور جو کوئی بھی آپ سے ملتا یا آپ کی کتابیں پڑھتا وہ آپ کی صداقت سے بے حد متأثر ہوتا حتّٰی کہ اس وقت جبکہ ۱۹۰۸ء میں آپ نے وفات پائی (اپنے مسیحیت کے دعوے کے ۱۸ برس بعد) آپ کے پیرووں کی تعداد چالیس کس سے ہزاروں لاکھوں تک پہنچ گئی اور آپ کے سلسلے نے ہندوستان کے غیر ممالک مثلاً افغانستان' برما' سیلون اور افریقہ میں بھی پیرو پیدا کر لئے۔

آپ کی وفات کے بعد آپ کے پہلے جانشین استاذی المکرم حضرت مولوی نورالدین کے زمانہ میں سلسلہ بدستور ترقی کرتا چلا گیا اور پھر خلیفہ اول کی وفات کے بعد جبکہ (یہ مضمون) لکھنے والا اللہ کے فضل سے جماعت احمدیہ کا امام مقرر کیا گیا تو سلسلہ اور بھی سرعت سے پھیل رہا ہے۔ اس وقت انگلینڈ' جرمنی' اضلاع متحدہ امریکہ' مغربی افریقہ' گولڈ کوسٹ' مصر' فارس' بخارا' ماریشس اور آسٹریلیا میں باقاعدہ مشن کام کر رہے ہیں اور ہندوستان سے باہر افغانستان' بخارا' فارس' عراق' عرب حجاز' سیریا' مصر' الجیریا' زنجبار' کینیا' یوگنڈا' نٹال (جنوبی امریکہ) گولڈ کوسٹ (گھانا) سیرالیون' نائیجیریا' سیلون' برما' سٹریٹ سیٹلمنٹ' جزائر فلپائن' ماریشس' آسٹریلیا' فرانس' انگلینڈ' ہالینڈ' اضلاع متحدہ امریکہ' ٹرینیڈاڈ اور کوسٹاریکا میں احمدیہ جماعتیں پائی جاتی ہیں۔

ایک انگریزی رسالہ اور پانچ اردو اخبارات و رسائل سلسلہ کے مرکز سے شائع ہوتے ہیں۔ ایک بنگالی رسالہ بنگال سے نکلتا ہے ایک انگریزی اور ایک تامل اخبار سیلون سے شائع ہوتے ہیں ایک فرانسیسی اخبار ماریشس سے شائع ہوتا ہے اور ایک سہ ماہی رسالہ امریکہ سے شائع ہوتا ہے جماعت کی تعداد دس لاکھ کے قریب ہے اور اس میں تمام اقوام و مذاہب کے لوگ شامل ہیں۔ عیسائی' سکھ' ہندو' یہودی' زرتشتی اور اسلام کے مختلف فرقوں کے لوگ سلسلہ میں شامل ہو چکے ہیں اور ہو رہے ہیں۔ اضلاع متحدہ امریکہ میں تبلیغ کا کام صرف تین سال ہوئے شروع کیا گیا تھا اور اس قلیل عرصہ میں وہاں ایک ہزار سے کچھ اوپر افراد سلسلہ میں داخل ہو گئے۔

سلسلہ کا تعلق اسلام سے

احمدیت اسلام سے وہی نسبت رکھتی ہے جو کہ عیسائیت اپنی ابتداء میں یہودیت سے رکھتی تھی۔ جیسا کہ میں نے پہلے بیان

کیا ہے احمد علیہ السلام کے دعاوی میں سے ایک دعویٰ یہ تھا کہ آپ مسیح موعود ہیں اس بات کو ذہن میں رکھ کر ہر ایک شخص آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ احمدیت خود اسلام ہی ہے نہ کہ اس کی شاخ۔

مسیح موعود کسی نئے قانون یا شریعت کے حامل نہ تھے بلکہ صرف اسلام کی حقیقی تعلیم کے شارح تھے جس طرح یہودی مذہب کی تعلیم اس لئے متروک ہوگئی تھی کہ اس کو بدعات اور تحریفات سے پُر کرکے موسیٰ کی اصل تعلیم کہا جاتا تھا اسی طرح مسیح موعود کے زمانے میں اس تعلیم کو جسے اسلام کی طرف منسوب کیا جاتا تھا اصل اسلامی تعلیم سے کوئی مماثلت نہ تھی۔

مسیح موعود کے دعویٰ کی اصلیت

ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مسیح موعود کے دعوے کی اصل حقیقت کو بیان کردیا جائے چونکہ عیسائی اور مسلمان یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام ابھی تک آسمانوں میں کہیں زندہ بیٹھے ہیں اور وہ اس دنیا میں ایک مقررہ وقت پر واپس تشریف لاویں گے اس لئے جب انہیں مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق خبر دی جاتی ہے تو وہ یہ گمان کیا کرتے ہیں کہ احمدی مسئلہ تناسخ کے قائل ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ مسیح موعود علیہ السلام نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی روح آپ میں حلول کر آئی ہے۔ دعویٰ موعود مسیح سے آپ کی صرف یہ مراد تھی کہ آپ عیسیٰ علیہ السلام کی صفت (خصلت) و قوت کے حامل ہیں۔

اس نزول ثانی کے سوال کو خود عیسیٰ نے حل کردیا ہے یہودیوں کا یہ اعتقاد تھا کہ مسیح کے آنے سے پہلے الیاس (ایلیا) کا دوبارہ ظہور ہوگا اور یہ ملاکی نبی کی کتاب میں مذکور ہوچکا تھا کہ یہ (ایلیا) الیاس کا نزول ثانی مسیح کی آمد کی علامت ہے۔ لکھا تھا :-

"دیکھو خداوند کے بزرگ اور ہولناک دن کے آنے سے پیشتر میں ایلیا نبی کو تمہارے پاس بھیجوں گا"۔[۴]

مگر جیسا کہ ظہور پذیر ہوا عیسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوگئے لیکن کوئی الیاس آسمانوں سے نہ اترا جب عیسیٰ علیہ السلام کو اس کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے جواب دیا کہ۔

"کیونکہ سب نبیوں اور توریت نے یوحنا کے وقت تک آگے کی خبر دی اور الیاس جو آنے والا تھا یہی ہے۔ چاہو تو قبول کرو"۔[۵]

عیسیٰ علیہ السلام نے اس طرح تشریح کی کہ جب پیشگوئیاں کسی نبی کا آسمان سے دوبارہ نزول

بتائیں تو ایسے نزول کا در حقیقت یہ مطلب ہوتا ہے کہ اس نبی کا مثیل نبی۔ پس اسی طرح مسیح کی دوبارہ آمد کی تاویل کرنی پڑے گی۔ یہ تعبیر صرف اس نتیجہ پر مبنی نہیں ہے جو ایک خاص مثال لے کر نکالا گیا بلکہ اس کو ثابت کرنے کے لئے یہ صریح شہادت بھی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اپنی آمد ثانی سے ہمیشہ اپنے سوا کسی اور نبی کی آمد مراد لیتے رہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

"اب سے تم مجھے پھر نہ دیکھو گے جب تک کہ کہو گے مبارک ہے وہ جو خداوند کے نام پر آتا ہے[۶]"

یہ آیت صاف بتا رہی ہے کہ صرف وہی لوگ مسیح کو دوبارہ دیکھ سکیں گے جو یہ اعتقاد رکھیں کہ آنے والا اس کے نام پر ظاہر ہو گا لیکن جو اس عقیدہ سے وابستہ ہیں کہ وہی عیسیٰ دوبارہ آنا چاہئے وہ انتظار ہی کرتے چلے جائیں گے اور ان کا انتظار بے سود ہو گا۔

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ آیا مسیح کے نزولِ ثانی کے متعلق جو کچھ بھی لکھا گیا تھا احمد علیہ السلام کے زمانے اور آپ کے ہاتھوں پر پورا ہوا۔ یہ کہا گیا تھا کہ جنگیں ہوں گی۔ چنانچہ جنگیں کثرت سے ہوئیں اور ایسے پیمانے پر ہوئیں کہ پہلے کبھی نہ ہوئی تھیں خصوصاً آخری جنگِ عظیم۔ کہا گیا تھا کہ وبائیں پھیلیں گی اور باوجود دنیا کی عظیم الشان ترقی کے جو اس نے علم حفظِ صحت میں کی انفلوئنزا اور طاعون نے بے مثال تباہیاں برپا کیں۔ کہا گیا تھا کہ زلزلے آئیں گے اور ہم دیکھتے ہیں کہ اس صدی کے دوران میں جو زلزلوں کی کثرت اور شدت مشاہدہ کی گئی ہے اس سے دو چند زمانہ میں بھی پہلے نہ دیکھی گئی تھی۔ کہا گیا تھا کہ قحط پڑیں گے اور باوجود ذرائع ارسال و ترسیل کے اس قدر ترقی یافتہ ہونے کے زمین کے بعض حصوں کو شدید ترین قحط دیکھنے پڑے۔

پھر پیشگوئیوں کے مطابق آسمان کے اختیارات کمزور کئے گئے گویا روحانی حکومت اپنی انتہاء پر ہے اور لوگوں نے روحانی امور کے متعلق پروا کرنا بالکل ترک کر دیا۔ تمام یہ پیشگوئیاں جنہوں نے مسیح کی بعثت کی خبر دی صاف بتا رہی ہیں کہ موجودہ زمانہ ہی ہے جس میں مسیح کو ظاہر ہونا چاہئے۔

زمانے کی شہادت کہ یہی وقت ہے مسیح کے ظہور کا

متذکرہ بالا پیشگوئیوں کے علاوہ دنیا کی حالت خود ایک نبی کے نزول کا تقاضا کر رہی ہے کیونکہ آج ہم اس روشنی اور اس ایمان کو کہاں دیکھ سکتے ہیں جس کا

انبیاء علیہم السلام کے ساتھ تعلق ہوتا ہے۔ آج کون ہمیں وہ نشانات اور معجزات دکھا سکتا ہے جو لوگ انبیاء علیہم السلام اور ان کے صحابہ کے ہاتھوں پر دیکھا کرتے تھے۔ ہم ہر ایک مذہب کی کتابوں میں لکھا ہوا تو بہت کچھ پاتے ہیں لیکن اس کا علم ہم کو کہاں سے ملے۔ وہ غیب گوئی کا انعام کہاں ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے پیروؤں کو حاصل تھا۔ وہ نشان کہاں ہیں جو عیسیٰ علیہ السلام کے حواری دکھایا کرتے تھے۔ ہر ایک مذہب کی کتابیں زندہ خدا کا تذکرہ کرتی ہیں لیکن کیا وہ زندہ خدا آج بھی زندہ ہے کیا وہ آج بھی اپنے چاکروں سے وہی تعلقات رکھتا ہے جو یہوداہ (یہوا) موسیٰ کے پیروؤں کے ساتھ رکھا کرتا تھا۔ یا جو آسمانی باپ اپنے حواریوں سے رکھتا تھا' یا جو یزدان زرتشتیوں سے 'یا اللہ مسلمانوں سے رکھا کرتا تھا۔ اگر نہیں تو اس تبدیلی کی طرف کونسی وجہ منسوب کی جائے؟ اور کیا یہ تبدیلی خدا میں ہوئی ہے یا انسان میں؟ ہم دیکھتے ہیں کہ اس غرض سے کہ اس سوال کے حل سے اعراض کیا جائے اور یہ قبول کرتے ہوئے کہ یہ تبدیلی واقع ہوئی ضرور ہے مختلف مذاہب کی الہامی کتب کی عبارات کو ترمیم کرنے کی خواہش کی گئی ہے اور عبارات کی طرف ایسے معانی منسوب کئے گئے ہیں جن کے الفاظِ عبارت متحمل نہیں۔ لیکن ہم ان صداقتوں کا کیسے انکار کرسکتے ہیں جو متفق طور پر تمام مذاہب صدہا برسوں سے مانتے چلے آئے ہیں۔

اگر خدا اپنے خادموں سے پہلے وقتوں میں ہم کلام ہوا کرتا تھا تو آج وہ ان سے کیوں نہیں بولتا۔ اگر یہ اس کی عادت تھی کہ وہ تکلیف' شک یا غلطی کے وقت اپنی ہدایت بھیجا کرتا تھا تو وہ آج لوگوں کے لئے راہنمائی کا دروازہ کیوں نہیں کھولتا کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ تمام مذاہب باطل ہوگئے اور اب ان میں کوئی صداقت باقی نہیں مل سکتی کہ ان میں سے کسی پر عمل کرکے کوئی نتیجہ حاصل نہیں ہو سکتا یا یہ ممکن ہے کہ سچا مذہب تو دنیا میں موجود ہے لیکن لوگ اس پر عمل نہیں کرتے اور اس لئے وہ روحانیت میں کوئی ترقی نہیں کرسکتے۔ ان میں سے کوئی بھی خیال ہم قبول کریں یہ سوال اٹھے گا کہ کیوں خدا ایک نیا مذہب الہام نہیں کردیتا؟ اگر اس کے نزدیک ضرورت ہے کیوں وہ ایک مصلح نہیں مبعوث کردیتا جو لوگوں کو صحیح راستے کی طرف لے جائے تاکہ اس کا قرب حاصل کریں اور اپنی پیدائش کی غرض کو پورا کریں۔

یہ بات ناقابل قبول ہے کہ بنی نوع انسان کو گناہ اور دنیا پرستی کی طرف دوڑتے ہوئے دیکھ کر وہ رحیم و مشفق خدا بے پرواہ رہے اور ان کی راہنمائی اور ہدایت کے لئے کوئی انتظام نہ کرے۔

یقیناً خدا ایک باپ اور ایک ماں سے زیادہ مہربان و رحیم ہے کیونکہ ماں اور باپ صرف ایک ذریعہ ہوتے ہیں بچہ کی ولادت کا۔ لیکن خدا نہ صرف خالق ہے بلکہ انسانی زندگی کا مقصد و مدعا ہے بچہ اور والدین کا رشتہ عارضی ہے لیکن بندے اور خدا کا رشتہ ابد الاباد تک قائم رہنے والا ہے۔ بہرکیف اگر وہ اپنے خادموں کے لئے ان کی آزمائشوں میں دردمند و مہربان ہے اور پھر بھی ان کی راہنمائی کے لئے کوئی تدبیر نہیں کرتا تو ہمیں یا تو اس نتیجہ پر پہنچنا پڑے گا کہ اس میں بنی آدم کو صداقت کی طرف ہدایت دینے کی طاقت ہی نہیں اور یا یہ کہ خدا سے جوڑ پیدا کرنا انسانی پیدائش کی غرض ہی نہیں لیکن یہ ہر دو پہلو عقل تسلیم نہیں کرتی۔ یہ گمان کرنا کہ وہ جس نے اس کائنات کو پیدا کیا اس میں اتنی طاقت نہیں کہ وہ جنسِ بشر کی روحانی ہدایت کے سامان مہیا کر سکے بالکل بیہودہ خیال ہے۔ کُل کے خالق میں لازمی ہے کہ جزو کے خلق کی طاقت ہو۔ اگر ہم کسی خالق کا وجود قبول کرتے ہیں تو ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ وہ قطعی اور کامل قدرت والا ہے اور اس کے لئے کوئی چیز غیر ممکن نہیں اور وہ ہر چیز کو سوائے ایسی کے جو اس کے تقدس اور کمالیت کے متعارض ہو بنا سکتا ہے۔ نہ ہی ہم یہ گمان کر سکتے ہیں کہ انسان صرف اس دنیاوی زندگی کے لئے پیدا کیا گیا ہے کیونکہ اس صورت میں ہمیں مجبوراً یہ ماننا پڑے گا کہ اس کامل حکیم و علیم خدا نے اس کائنات عظیم کو لغو پیدا کیا۔ کبھی کوئی مشین اس غرض کے لئے نہیں بنائی گئی کہ وہ صرف اپنے آپ میں چلتی رہے ہر ایک مشین کسی خاص مطلب کے لئے تیار کی جاتی ہے۔ اگر پیدائشِ انسان کی غرض صرف کھانا پینا اور سونا ہوتی تو اس کا یہ مطلب ہے کہ انسان کو بس اس لئے پیدا کر دیا گیا ہے کہ وہ اپنے آرام و آسائش کو برقرار رکھے۔ اگر ایک فردِ بشر کی پیدائش کی کوئی غرض مدنظر نہیں تو پھر آپس میں ایک دوسرے سے تعاون زندگی کا مقصد قرار نہیں دیا جا سکتا۔ علاوہ بریں ہمیں فرض کرنا پڑے گا کہ جتنے راستباز سیریا' عرب' فارس' ہند میں خواہ کسی ملک میں بھی ظاہر ہوئے ہیں نَعُوْذُ بِاللّٰہِ تمام کاذب اور ملحد تھے۔ کیا ہم یہ مان سکتے ہیں کہ ایسے انسان جو بوجہ بنی آدم کی ذہنی' اخلاقی اور روحانی ترقی کے موجب ہونے کے واجب الاحترام ہیں اور جنہوں نے لوگوں کے قلوب پر ایسا اثر چھوڑا ہے کہ مرورِ زمانہ اسے نہیں مٹا سکا وہ سب مجنون تھے اور اپنے ہی خیالات کے ڈھکوسلوں کو ایسی چیزیں سمجھتے تھے جن میں زیست ہے اور جن کی عالم میں کچھ ہستی ہے۔ اگر ایسا نہیں اور یقیناً نہیں تو اس نتیجہ سے گریز کی کوئی راہ نہیں کہ دنیا میں کوئی مذہب ضرور چاہئے جو بندے کو خدا کی طرف لے جائے۔

اگر دوسری طرف ہم دیکھیں کہ تمام مذاہب ایسا کامل انسان پیدا کرنے سے قاصر ہیں جیسا کہ وہ گذشتہ زمانوں میں پیدا کرتے تھے اور یہ کہ اب وہ خدا اور بندے کے درمیان وہ رشتہ قائم کرنے سے عاجز ہیں جو پہلے وقتوں میں ان کے درمیان ہوتا تھا تو کیوں خدا دنیا کے سامنے وہ صحیح مذہب اس طور سے نہیں پیش کر دیتا کہ جسے اس کی قدرت وطاقت کا ثبوت شمار کیا جائے تا وہ مذہب لوگوں کے دلوں میں ایسی تبدیلی پیدا کر دے جس کا پیدا کر دینا مذہب کا واحد مقصد ہے۔ مختصر یہ کہ جس طور سے بھی ہم اس معاملہ پر نظر کریں ہمیں مجبوراً اس نتیجہ پر پہنچنا پڑے گا کہ دنیا کی موجودہ حالت بلند آواز سے کسی الٰہی ہدایت یافتہ معلم کو پکار رہی ہے اور کہ انسانوں کی روحیں مضطرب عاشقین کی مانند تمنّا و آرزو سے آسمان کی طرف دیکھ رہی ہیں اور وہ اپنے درد سے بھرے ہوئے دلوں اور پانی بہاتی ہوئی آنکھوں سے کمال عاجزی سے التجا کر رہی ہیں کہ ترس کھا اور ہم پر اپنے فضل اور رحم کے دروازے کھولدے اور ہمیں بھی وہ کچھ دے جو ہمارے اسلاف کو دیا اور ہماری روحانی تاریکی کو دور کرتے ہوئے اور ہماری آنکھوں کو نابینائی اور دلوں کو نجاست سے صاف کرتے ہوئے اس ابدی زندگی کی طرف راہنمائی کر جو پیدائشِ انسان کی غرض وغایت ہے۔

مسیح موعود نے اسلام کو دوبارہ زندہ کیا

میں یہ بیان کر چکا ہوں کہ مسیح موعود کسی نئے مذہب کے لانے والے نہ تھے بلکہ آپ اسلام کی خدمت کرنے، اس کو نئی زندگی دینے، اس کی اشاعت کرنے اور بنی آدم کو اسلام کی معرفت، خدا کی طرف لے جانے کے لئے بھیجے گئے تھے میں اب یہ بیان کروں گا کہ یہ کس طرح عمل میں لایا گیا۔

سب سے پہلا سوال جس کا مذہب کے ساتھ تعلق ہے توحید الٰہی ہے اگر کوئی مذہب خدا کے وجود کی کامل شناخت نہیں کروا سکتا تو وہ مذہب کہلانے کا ہی مستحق نہیں۔ مسیح موعود کی بعثت کے وقت توحید الٰہی پر تیقّن دنیا سے بکلّی نابود ہو چکا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ ہر ایک مذہب وحدتِ الٰہی بیان کرنے کا مدعی ہے لیکن اس مسئلہ کا صحیح مفہوم آج سے پہلے کبھی ضبط نہیں ہوا۔ لفظ توحیدِ الٰہی یا تو گوناگوں مشرکانہ خیالات پر حاوی تھا یا زیادہ سے زیادہ ایک خدا کی ہستی پر محض عقیدۃً استعمال کیا جاتا تھا لیکن ظاہر ہے کہ خدا نے انبیاء صرف اس واسطے نہیں مبعوث کئے تھے کہ وہ اس اصول کی اشاعت کر دیں کہ خدا ایک ہے اس کے سوا دوسرا نہیں کیونکہ صرف اس

اصل کو مان لینا انسان کی زندگی پر کوئی گہرا اثر نہیں ڈال سکتا۔ غرض یہ تھی کہ انسان اس طرح مسئلہ توحید الٰہی کے ماتحت اپنی زندگی کو مرتب کرے کہ وہ اسے اخلاقی اور روحانی تکمیل تک پہنچائے۔ یا یوں کہو کہ وہ کسی چیز یا ہستی کے ساتھ اس محبت سے بڑھ کر محبت نہ رکھے جو وہ خدا سے رکھتا ہے اور وہ کامل بھروسہ اور کامل اعتماد خدا پر رکھے اور اس کے ماسوا کسی چیز یا ہستی کو اپنے معاملات پر کسی قسم کا مختار نہ خیال کرے۔ ایسا شخص جو وحدت خدا پر ان معنوں سے اعتقاد رکھتا ہے اور اس پر کاربند ہوتا ہے لَاجَرَمْ ایک اخلاقی تغیر کو اپنے اندر دیکھے گا۔ وہ کبھی کسی اور چیز یا انسان کی محبت کو اس محبت پر ترجیح نہیں دے گا جو وہ خدا سے رکھتا ہے اور اس سے زیادہ وہ اور کسی شئے سے نفرت نہیں کرے گا جتنی کہ خدا سے دور ہو جانے کے خیال سے۔ ایسے انسان کے لئے گناہ کا ارتکاب غیر ممکن ہو جاتا ہے اور یہی وہ سچا مسئلہ توحید الٰہی ہے جو مذہب کی تعلیم کا اصل مقصد ہے نہ کہ خدا کی ہستی پر محض زبانی اقرار جو نہ تو خدا کو راضی کر سکتا ہے اور نہ ہی انسان کی زندگی پر کوئی عملی اثر ظاہر کر سکتا ہے۔ اس بنیادی اصل کو قائم کر دینے کے بعد مسیح موعود نے شرک کی تمام ان اقسام کو جڑ سے اُکھاڑ کر مٹا دیا جو مذہب میں داخل ہو گئی تھیں۔

مسئلہ توحید الٰہی کے بعد وہ سوال جو سب سے زیادہ انسانی زندگی پر اثر رکھتا ہے وہ بندے اور اس کے بنانے والے کے درمیان کے رشتہ سے متعلق ہے میں اپنے بنانے والے کے سامنے کیا ہوں اور اس کی میرے ساتھ اس ذاتی محبت کی کیا غرض ہے جو اس نے میری پیدائش کے لمحے سے میرے ساتھ رکھی ہوئی ہے یہ سوال ہیں جو انسان کی زندگی کے ہر شعبہ پر گہرا اثر ڈالتے ہیں ان سوالات کا صحیح فہم انسان کے لئے نیکی کے دروازے کھول دیتا ہے اور ان سوالات کے متعلق غلطی اس کے لئے ترقی کے دروازے بند کر دیتی ہے۔ ان سوالات کے متعلق مسیح موعود نے دیکھا کہ بنی آدم غلط رستے پر چل رہے ہیں اور آپ نے ان سوالات کا صحیح مفہوم بتا کر بنی نوع انسان کو بے حد ممنون احسان کر دیا ہے۔ آپ نے بتایا کہ انسانی پیدائش کی غرض لامحدود ترقی کرنا ہے اور اس لئے یہ امر غیر ممکن الفہم ہے کہ خدا نے خود ہی اس غرض کو باطل کر دیا ہو جس کے لئے انسان کو پیدا کیا تھا۔ انسان زنجیروں سے بندھا ہوا پیدا نہیں ہوا کہ وہ ان کو توڑ نہیں سکتا بلکہ خدا اس پر کبھی بھی ترقی کی راہیں بند نہیں کرتا۔ یہ خود انسان ہی ہے جو خود اپنے فعل سے ایسا کر لیتا ہے نہیں بلکہ انسان اس طرح اپنے آپ پر دروازے بند کر لیتا ہے تو خدا ایسے سامان کرتا ہے کہ وہ اس کے لئے پھر کھول دیئے جائیں۔ پھر آپ نے بتایا کہ تمام انسان خدا سے یکساں رشتہ

رکھتے ہیں اور وہ کسی کے ساتھ سوتیلے باپ والا سلوک نہیں کرتا۔ بڑے سے بڑے نبی اور مصلح بھی بلحاظ رشتۂ الٰہی بنی آدم میں سے کسی سے زیادہ نہیں اور کامیابی کے دروازے جوان کے لئے کُھلے تمام انسانوں کے لئے کھلے ہیں۔

تمام انبیاء راہبر کی حیثیت رکھتے ہیں لیکن ان میں سے ایک بھی خدا اور اس کی مخلوق کے درمیان بحیثیت توسط کے نہیں کیونکہ خدا کو انبیاء کی بہبودی اور ان کی جن کی طرف وہ بھیجے جاتے ہیں یکساں محبوب ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص بوجہ اپنے اخلاص اور نیکی کے دوسروں سے خدا کا زیادہ قرب حاصل کرلے لیکن وہ کتنا بھی قریب ہو جائے یا کتنا بھی امتیاز حاصل کرلے وہ دوسرے کے لئے ترقی کے دروازے بند نہیں کر سکتا۔ ہر فرد بشر کے لئے ہر وقت روحانی ترقی کے بلند ترین مقام تک پہنچنے کے لئے راہ کھلی ہے آسمان کے دروازے ہر شخص کے لئے جو کھٹکھٹاتا ہے کھلے ہیں۔

ازاں بعد آپ نے وہ غلط خیال دور کیا جو تمام لوگوں میں عام ہو چکا تھا کہ خدا کے فضل اور رحم کا انکشاف صرف گزشتہ زمانوں سے ہی وابستہ تھا اور اب اس کی عنایات کے دروازے لوگوں پر مسدود ہیں۔ آپ نے بتایا کہ ایسا خیال گناہ اور گستاخی کے مترادف ہے کہ خدا کی صفات میں سے کوئی صفت کسی زمانہ میں معطل بھی ہو جاتی ہے۔ ایک زندہ مشین کو زندگی کی علامات ظاہر کرنی چاہئیں جیسا کہ ایک مخلوق وجود کی یہ علامت ہے کہ وہ اپنے سسٹم کے اندر ہمیشہ زندگی بخش مواد جذب کرتا رہتا ہے ایسے ہی یہ ایک زندہ خالق کی نشانی ہے کہ وہ اپنی مخلوقات پر اپنی زندگی بخش صفات کا پَرتَو ڈالتا رہے۔ اگر کوئی زندہ خدا موجود ہے تو ضروری ہے کہ ہم اس کی صفات کا تیز اثر دنیا میں لگاتار مشاہدہ کر سکیں۔

ایک خطرناک غلطی جو مسیح موعود کی بعثت کے وقت دنیا میں موجود تھی اور جس نے تمام مذاہب کی بنیادوں کو ایسے کھالیا کہ مذہب کا مغز ہی بکلّی محرّف ہونے لگا اور جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ انسانی دماغ کے خیالات اور دہموں کو وحی الٰہی کی روشنی خیال کیا جانے لگا یہ وحی کی ایک بالکل نادرست تعریف کی گئی تھی جس کو عام لوگ ماننے لگ گئے۔

مسیح موعود نے اپنے ذاتی تجربہ کی بناء پر بتایا کہ وحی صاف الفاظ میں بھیجی جاتی ہے اور اس کے بھیجنے کا طریق ایسا یقینی اور بلاشُبہ ہے جیسے کہ ایک آدمی کا دوسرے سے کلام کرنا۔ آپ نے بتایا کہ جب تک وحی الفاظ میں نہ بھیجی جائے وہ شک سے پاک نہیں ہو سکتی اور وہ کامل یقین تک

نہیں لے جاسکتی کیونکہ اگر معمولی القاء ہی وحی ہے تو ہر ایک آدمی اپنے آپ کو ملہم خیال کر سکتا ہے چنانچہ مفہوم وحی میں اس غلطی کے بعد واقع میں کئی نظیریں ایسی ملتی ہیں۔

وحی کی اس تشریح سے مسیح موعود نے دنیا پر ایک بہت بڑا احسان کیا کیونکہ آپ نے اس طریقہ سے مذہب پر اس خطرناک حملہ کو روکنے کے لئے ذریعہ مہیا کر دیا جو تمام الہامی کتب کی سند کو ان غلط معنوں کی وجہ سے برباد کر رہا تھا کہ وحی صرف القاء ہے اور خدا کی کامل شناخت کے حصول کے لئے ایسی یقینی امید پیدا کر دی جو راہ میں بھٹکے پھرنے والوں کے قدموں کو لازماً تیز کر دیگی۔

ایک اور ضروری سوال جو خدا کی ذات کے ساتھ متعلق ہے اور جو اس رشتہ پر جو بندے اور خدا کے درمیان اور جو بندے اور بندے کے درمیان ہے یکساں اثر رکھتا ہے یہ ہے کہ کونسی قومیں وحی حاصل کرنے والی رہی ہیں اور کن اصولوں پر خدا نے انہیں وحی لینے کے لئے چُنا۔ اس سوال کے حل کے بغیر وہ اصلاح جو مسیح موعود نے الوہیت کی حقیقت کے متعلق دوسرے سوالوں کو حل کر کے کی ہے ادھوری رہتی ہے۔ اس سوال کے متعلق آپ نے بتایا کہ جب کہ خدا کُل کائنات کا آقا ہے تو اس کی ہدایت کسی خاص قوم میں محدود نہیں ہو سکتی۔ جب وہ تمام بنی نوع انسان کا مالک ہے اور ان تمام کو اس نے سوچنے کے لئے فہم بخشے ہیں تو ان میں سے کسی کو بھی وہ اپنی ہدایت سے محروم نہیں رکھ سکتا جیسا کہ قرآن پاک فرماتا ہے وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ [1] کوئی قوم نہیں جس کے اندر نذیر نہ آیا ہو۔

خدا نے اپنے رسول تمام اقوام میں بھیجے اور ہر زمانے میں بھیجے اور جس طرح کہ سورج تمام دنیا کو روشن کر دیتا ہے وحی کے نور سے بھی زمین کے تاریک سے تاریک کونے کو روشن رکھا۔ اس اصول کے ماتحت آپ نے ہندوستان کے انبیاء کرشن' رام چندر' بدھ اور فارسی نبی زرتشت کی صداقت ثابت کی اور ان کے دعاوی کے انکار کو خدا کی عالمگیر ربوبیت کے انکار کے مترادف قرار دیا۔

آپ نے قرآن کریم سے یہ ثابت کیا کہ نہ صرف وہ آدمی خدا کے نیک بندے تھے جن کی خدمات جو انہوں نے بنی آدم کی کیں تاریخ میں درج ہیں بلکہ خدا کی صفات اور اس کا کلام اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ ہر ایک قوم میں خواہ اس کی روایات محفوظ ہوں یا نہ ہوں نبی آئے اور یہ کہ انبیاء کی معرفت ہدایت کا ملنا انسانی حق ہے جو خدا کبھی بھی نظر انداز نہیں کر سکتا۔

یہ امر کہ کس حد تک اس اصول نے تمام قوموں کے لئے خدا کے ساتھ محبت کے دروازے کھول دیئے ہیں اور انسانوں کے اندرونی تعلقات کو اخوت ویگانگت کی بنیاد پر رکھ دیا ہے اور تمام مذاہب کے بانیوں اور راستبازوں کو ہتک واہانت سے محفوظ کردیا ہے کسی طویل بیان کو نہیں چاہتا کیونکہ ہریک عقلمند آسانی سے یہ بات سمجھ سکتا ہے۔

دوسری طرف مسیح موعود نے بتایا کہ انسانی عقل نے آہستہ آہستہ نشوونما پائی ہے اور اس کی ترقی کے مختلف مدارج ہیں۔ وہ کامل حکیم خدا ان درجات ترقی کے مطابق ہمیشہ اپنی تعلیم بھیجتا رہا حتیٰ کہ وہ وقت آگیا کہ جب انسانی عقل کامل نشوونما پاچکی اور بنی آدم کے مختلف فرقوں کے آپس میں میل جول کے ذرائع اس حد تک پایہ تکمیل کو پہنچ گئے اور دنیا اپنی ترقی میں اس درجہ کو جا پہنچی کہ تمام کی تمام واحد ملک اور واحد قوم ظاہر ہونے لگی اس درجہ پر خدا نے اس آخری اور مکمل الہامی شریعت یعنی قرآن کریم کے ساتھ آخری شرعی نبی یعنی محمد ﷺ کو بھیجا جو ہر زمانے کی ضرورت کے مطابق اپنے اندر تعلیم رکھتا ہے۔

مسیح موعود نے اس بات کی تشریح کردینے میں دوراندیشی سے کام لیا اور اس امر پر زور دیا کہ یہ مسئلہ کہ خدا کی بھیجی ہوئی شریعتوں سے قرآن سب سے آخری اور مکمل ہے اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ انسان عقلی ترقی کے آخری درجہ پر پہنچ چکا ہے اور آگے نہیں چل سکتا کیونکہ انسانی دماغ ترقی کے راستے پر ہمیشہ ہمیش ترقی کرنے والا ہے اس دنیا میں بھی اور آخری دنیا میں بھی۔ اس کے برخلاف آپ نے بتایا کہ کتاب جتنی مکمل ہوگی اتنا ہی اسے علمی ترقی میں زیادہ امداد دینی چاہئے۔ ایک الہامی کتاب کے مضامین کے پرکھنے کے لئے آپ نے جو حیرت انگیز کسوٹی پیش کی اور جس نے تمام ان لوگوں کے رویہ کو بدل دیا جو الہامی کتب کے متعلق صداقت کے متلاشی تھے وہ یہ تھی کہ خدا کا کلام خدا کے کام کی مانند ہونا چاہئے جس طرح اس کے کام ان لامحدود بھیدوں کا خزانہ ہیں جن کو ابتدائے آفرینش سے آج تک انسان نہیں پاسکا اسی طرح اس کا کلام بھی نہ ختم ہونے والے علم ودانائی کا خزانہ ہونا ضروری ہے۔ اس کے ماتحت آپ نے ثابت کیا کہ قرآن کریم مادی دنیا کے خزانوں سے کہیں زیادہ خزانے اپنی اندر رکھتا ہے اور وہ ان تمام پر کھولے جاتے ہیں جو ان کی تلاش کرتے ہیں۔

وہ کتاب جو اپنے اندر ایسی مکمل تعلیم رکھتی ہو' جو ہر زمانے کی ضرورتوں کے مطابق ہے اور جو تمام خرابیوں کا علاج مہیا کرے اور جو ہر زمانے میں اخلاقی و روحانی نشوونما کے ذرائع بہم

پہنچائے وہ خود خدا کی ارسال کردہ کتاب ہی ہو سکتی ہے کیونکہ وہ انسانی نشوونما کے فلسفہ کو بیان کرتی ہے اور یہ انسانی لیاقت سے بالا تر ہے کہ وہ ہر وقت تبدیل ہوتے رہنے والی ہستی کے نشوونما کے فلسفہ کا پورا پورا علم حاصل کر سکے۔

اسلام کی تعلیم پر اکثر حرف گیری ہوا کرتی ہے لیکن جیسا کہ مسیح موعود نے ثابت کر دکھایا تمام اعتراضات جو اسلام پر کئے جاتے ہیں یا تو قلت تدبر یا ذاتی خیالات کو معقولیت پر فوقیت دینے کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ اسلام ایک ایسا طریقۂ تعلیم پیش کرتا ہے کہ اگر اس کو ایسے عقل اور غور کے فیصلہ پر چھوڑ دیا جائے جو آبائی روایات یا ذاتی خیالات سے غیر متاثر ہوں تو ایک شخص معلوم کرے گا کہ انسان کی روحانی ترقی کے لئے اس سے بہتر اور کامل کوئی شریعت نہیں۔

یہ کہا جاتا ہے کہ اسلام مذہب کو بزور شمشیر پھیلانے کی اجازت دیتا ہے حالانکہ قرآن صاف کہہ رہا ہے

"دین میں کوئی جبر نہیں کیونکہ ہدایت کو گمراہی سے بالکل کھول دیا گیا ہے اور ہر شخص دونوں میں فرق کر سکتا ہے" [۸]

ہاں مسلمانوں کو صرف ان لوگوں سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے جو اسلام کو برباد کر دینے یا مسلمانوں کو اس سے جبراً مرتد کرنے کی غرض سے ان سے جنگ کرتے ہیں اور مسلمانوں کو جنگ کی صرف اتنے وقت تک اجازت ہے جب تک دشمن جنگ صرف اس غرض کو پیش نظر رکھ کر کرتا رہے جب دشمن جنگ کو ختم کر دینا چاہے تو انہیں بھی ختم کر دینی چاہئے اور ان کو پیغام صلح کبھی صرف غصہ کی وجہ سے نامنظور نہیں کرنے چاہئیں یا اس انتقام کی خواہش کی وجہ سے کہ ہم دشمن کو پیس دیں تا آئندہ بے فائدہ جان کا نقصان نہ ہو۔ تمام جنگیں جو نبی کریم ﷺ نے کیں دفاعی تھیں اور وہ ان دشمنوں کے ساتھ کی گئی تھیں جنہوں نے اپنے گھر اسلام کو نیست و نابود کر دینے کیلئے چھوڑ دیئے۔

غلامی اور اسلام

پھر یہ کہا جاتا ہے کہ اسلام غلامی کا مؤیّد ہے حالانکہ اسلام اس کا سب سے بڑا دشمن ہے اور اس نے غلامی کے ان تمام طریقوں کا خاتمہ کر دیا ہے جو ایامِ اسلام سے پہلے رائج تھے۔ اسلام ان لوگوں کو غلام بنا لینے سے منع کرتا ہے جو بلاوجہ پکڑ لئے جائیں یا صرف اس لئے کہ وہ دشمن کی قوم یا گروہ میں سے ہیں یا جو دنیاوی جنگوں میں قیدی لئے جائیں۔ اسلام صرف ایسے جنگی قیدیوں کو غلام بنانے کی اجازت دیتا ہے جو ایسی جنگ میں گرفتار

کئے جاتے ہیں جو دشمن نے اس غرض سے کی کہ تلوار کے زور سے ایک مذہب کی قبولیت کو روکا جائے یا اس سے مرتد ہونے پر مجبور کیا جائے۔ اور اس میں کیا شک ہے کہ ایسی کوشش ایک ایسا جرم ہے جو اس کے مرتکب کو دائرہ انسانیت سے خارج کر دیتا ہے وہ لوگ جو ایک شخص کی جسمانی آزادی کے چِھن جانے پر اظہار نفرت کرتے ہیں ان کو سوچنا چاہئے کہ جس کو سزا ملی ہے وہ بزورِ شمشیر اس بات کی کوشش میں تھا کہ لوگوں کو جبراً خدا کی عبادت سے روکا جائے اور انہیں مجبور کیا جائے کہ وہ اپنی روحیں شیطان کے اختیار میں دیدیں۔ اگر وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب ہو جاتا تو لکھوکھہا انسان صداقت کو چھوڑ دینے پر مجبور ہو جاتے اور ابدی تاریکی میں مبتلاء ہو جاتے کیا ایسا آدمی اس قابل ہے کہ اسے اس کی آزادی واپس کر دی جائے؟ یہاں تک کہ وہ اپنے جُرم پر نادم نہ ہو اور اپنے فعل پر سچے دل سے افسوس نہ کرے۔ کیونکہ غلامی کیا ہے؟ اس کا مطلب انسان کی آزادی کو اس وقت تک قید کر لینا ہے کہ وہ اپنے حصہ کی ذمہ داری اور اپنے حصہ کے اخراجاتِ جنگ کو ادا کر دے کیا کوئی اخلاقی یا ملکی وجہ ہے جو جنگی قیدیوں کو لینے سے روکے۔

اسلام اجازت دیتا ہے کہ ہر ایک جنگی قیدی کو جو غلام بنایا گیا ہے اختیار ہے کہ وہ جنگ کے مصارف کا اپنا حصہ ادا کر کے اپنی آزادی خرید لے۔ پس اگر ایک غلام اپنی غلامی کو اپنی آزادی سے بُرا سمجھتا ہے تو کیوں وہ خود یا اس کے رشتہ دار یا اس کے ہم وطن اس کی آزادی اس کے حصے کے ان اخراجات جنگ کو ادا کر کے نہیں خرید لیتے جو اس مظلوم قوم کو مجبوراً برداشت کرنے پڑے اور جس کا مذہب انہوں نے کوشش کی کہ جڑ سے اُکھاڑ دیا جائے۔

حُرمتِ سود پھر اسلام کی تعلیم پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہ سود لینے اور دینے سے منع کرتا ہے۔ حالانکہ سود دنیا کے اخوت و تمدن کی قدرتی بناء پر قائم نہیں بلکہ اس کو خود ایسا بنا لیا گیا ہے تھوڑا سا غور ظاہر کر دے گا کہ جیسے قرآن کریم کہتا ہے سود ہی موجودہ وقت کی کثرت سے جنگوں کا موجب ہے۔ اگر ایک گورنمنٹ سود پر قرض نہ لے سکے تو وہ کبھی جنگ میں شریک نہ ہو سکے کیونکہ کوئی جنگ روپے کے بغیر نہیں ہو سکتی خصوصاً اس زمانے میں ایک بڑی جنگ بہت بڑی مالی قربانیوں کو چاہتی ہے اور اگر ایک گورنمنٹ ضروری رقم روپیہ کی سود والے قرضے کے ذریعے سے نہ حاصل کر سکے تو وہ کبھی بغیر گہرے غور و فکر کے ایک ایسی کثیر مصارف والی اور تباہ کن جنگ میں حصہ نہ لے۔ انکم ٹیکس کا بوجھ فوراً لوگوں کو محسوس ہونے لگتا ہے اور

وہ ہر ایک ایسے ممکن ذریعے کو استعمال کرنے کے بغیر جس سے جنگ کی ضرورت ٹل جائے کبھی ایک بڑی جنگ میں پڑنے کے لئے اور اپنے اوپر اتنے کثیر مصارف ڈالنے کے لئے تیار نہ ہوں۔

اسی طرح اگر سود لینا اور دینا بند کر دیا جائے تو کسی ملک کی تمام دولت صرف چند ہاتھوں میں اکٹھی نہ ہو جائے بلکہ وہ یکساں اور عام طور پر ساری قوم میں منقسم رہے جیسا کہ اسلامی ممالک میں ہوا کرتا تھا۔ حرفت و تجارت کے منتظمین اور ڈائریکٹر پھر لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد سے نفع کے حصہ دینے کی شرط پر روپیہ لینے کے لئے مجبور ہو جائیں اور اس طرح دوسرے لوگوں کے لئے ان کے کام میں ایک قسم کی شرکت کی صورت پیدا ہو جائے۔

تعدّد ازدواج

پھر تعدد ازدواج کے متعلق اسلامی تعلیم کے اوپر اعتراض کئے جاتے ہیں لیکن بہت سے جو اخلاقی، ملکی، تمدنی، نسلی اور مالی سوالات اٹھتے ہیں ان کا تسلی بخش حل تعدد ازدواج ہی سے حاصل ہوتا ہے مثلاً وہ شخص کیا راہ اختیار کرے جس کی اتفاقاً ایسی عورت کے ساتھ شادی ہو جائے جو مجنون یا دائم المریض ہو۔ کیا وہ اسے اپنے بچوں کی ماں ہونے دے اور اس طرح تکلیف و مرض کا ایسا ترکہ پیچھے چھوڑے۔ جو نسل انسانی کی بدخواہی کے مترادف ہے یا کیا وہ بے اولاد رہے اور اس طرح اپنے ملک کو نقصان پہنچائے یا کیا وہ بدمعاشوں کی زندگی اختیار کر لے اور اپنے اور اپنی قوم کے اخلاق کو نقصان پہنچائے یا کیا اس کے لئے یہ مناسب ہے کہ وہ اپنی بیوی کو ایسے وقت میں طلاق دے دے جب اس کی تکلیف اور بے کسی اس کے ساتھ کمال مہربانی اور حفاظت کا مطالبہ کرتی ہے اور اس طرح رحم اور اخلاق کے جذبات سے بے حس ہو جائے؟

طلاق

اس طرح طلاق کے مسئلہ کے متعلق اسلام کے معترضین اس بات کو نہیں سمجھ سکتے کہ بعض حالات میں ایسا ہو سکتا ہے کہ میاں بیوی کے مزاج آپس میں ایسے بکلّی متعارض ہوتے ہیں کہ ان دونوں کو مل کر رہنے کے لئے مجبور کرنا گویا آگ اور پانی کے ملاپ کی کوشش کرنا ہے جو کہ یقیناً دونوں کی تباہی کا موجب ہے۔ اسلامی تعلیم پر ایسے اور تمام اس قسم کے اعتراضات لاعلمی کا یا کم فہمی کا نتیجہ ہیں کیونکہ اسلامی تعلیم کی بنیاد باقی تمام مذاہب کے مقابلہ میں بڑھ کر رحم اور حکمت پر مبنی ہے اور ہر زمانے کی ضرورتوں اور مشکلوں کا پورا اور مکمل حل پیش کرتی ہے۔

اخلاقی تعلیم

کوئی مذہب کامل ہونے کا مدعی نہیں ہو سکتا جب تک کہ انسانی اخلاق کے متعلق وہ اپنے اندر مفصل ہدایات نہ رکھے اس لئے کہ اگرچہ اخلاق روحانیت کا حصہ نہیں تاہم روحانیت کا وہ پہلا قدم ہیں اور کامل اخلاق کے بغیر انسان کامل روحانی ترقی حاصل نہیں کر سکتا مسیح موعود نے اخلاق کے متعلق حیرت انگیز اصل قائم کئے ہیں اور ان اصولوں کے مطالعہ سے ایک انسان چونک کر یہ ماننے کے لئے تیار ہو جاتا ہے کہ مسیح موعود سے پہلے دنیا اخلاقی قوانین کی تلاش میں محض تاریکی میں بھٹکی پھرتی تھی۔

پہلا اصل اخلاق کی تعریف سے متعلق ہے آپ پہلے شخص تھے جنہوں نے اس امر کی طرف توجہ دلائی کہ اخلاقی اوصاف کی حقیقت میں ایک غلطی کی گئی ہے جو انسان کو ایک خطرناک غلط فہمی کی طرف لے گئی ہے اور جو مذہبی کتب میں طویل لیکن بے سود بحثوں کی موجب ہے۔ لوگ اس بات کو نہیں سمجھ سکتے رہے کہ حیوانیت اور اخلاق کے درمیان ایک وسطی حالت بھی ہے۔ حیوانیت انسان کی اس حالت کا نام ہے جس میں وہ بوجہ ناقص تربیت' مرض' عادت' لاعلمی یا بدمزاجی کے خالص نفسانی خواہشات کے ماتحت خالص ذاتی اغراض کے لئے عمل پیرا ہوتا ہے اور دوسروں کے احساسات کا اسے کچھ خیال نہیں ہوتا لیکن یہ انسان کی طبعی حالت نہیں کیونکہ انسان کو بہت سے طبعی احساسات بخشے گئے ہیں جو اسے دوسروں کے ساتھ نیکی کرنے کی تحریک کرتے ہیں اور جن کو لوگ غلطی سے اعلیٰ اخلاق خیال کرتے ہیں۔ مثلاً دوسرے لوگوں کو مصیبت میں پا کر ایک شخص طبعاً درد محسوس کرتا ہے اور ہمدردانہ سلوک کی طرف مائل ہوتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ انسان کو متمدن پیدا کیا گیا ہے اور یہ جذبات ایک سوسائٹی کے جزو کے لئے ضروریات میں سے ہیں۔ محبت اور نفرت ہر دو یکساں طبعی احساسات ہیں اور اس لئے ان میں سے کسی کو بھی ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ اچھا ہے اور یہ بُرا۔ کیونکہ اگر اس میں سے ایک کو اچھا کہیں اور دوسرے کو بُرا تو ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ خدا نے بدی ہماری فطرت میں جبلّی طور پر رکھدی ہے۔ علاوہ بریں ہمارا تجربہ اس قاعدہ کی تردید کرتا ہے کیونکہ بعض چیزوں مثلاً ظلم یا بدکاری کے خلاف جذباتِ نفرت ایک بڑی قابل تعریف بات ہے لیکن اگر ہر ایک جذبۂ نفرت کو بدی تصور کر لیا جائے تو بدی سے نفرت کرنا بجائے خود ایک گناہ ہو جائے گا اور یہ صریح بیہودگی ہے۔ اس لئے مسیح موعود نے بیان کیا کہ مذہب کا پیروؤں کو صرف مہربانی کرنے یا درگزر کرنے یا محبت کرنے یا احسان کرنے یا فضول خرچی سے پرہیز کرنے کی ترغیب دینا تو ہمارے طبعی جذبات کو محض گن دینا ہے اور یہ کسی

قسم کی اخلاقی ہدایت نہیں کہلا سکتی۔ صرف وہی مذہب اخلاقی ہدایت دینے کا مدعی ہو سکتا ہے جو ایسے قوانین بتائے جن سے طبعی جذبات کے استعمال پر پورا اختیار حاصل ہو سکے یا یوں کہو کہ بعض طبعی جذبات کو استعمال میں لانے اور بعض کو دبا لینے کو اخلاق نہیں کہا جا سکتا بلکہ مناسب موقع پر تمام طبعی جذبات کا ارادتاً اور قصداً استعمال اور نامناسب موقع پر ان کا دبا لینا اصل میں اخلاق ہیں۔

دوسرا اصل جو آپ نے کسی مذہب کی اخلاقی تعلیم کے متعلق رکھا ہے یہ ہے کہ ہر ایک اخلاقی قوت کے استعمال کے لئے مناسب موقع بتا دینے کے علاوہ مذہب کو بُرے اور اچھے اخلاق کے مختلف مدارج کی تشریح کرنی چاہئے جو کہ ہر طبعی جذبہ کے مناسب یا غیر مناسب استعمال کا نتیجہ ہو سکتے ہیں کیونکہ اگر وہ ایسا کرنے کو چھوڑتا ہے تو بہت سے لوگ گمراہ ہو جائیں گے یا وہ ایسے رستوں پر گامزن ہونگے جو انہیں کبھی بھی مقصد کی طرف نہیں لے جا سکتے۔ ان کی مثال اس طالب علم کی سی ہوگی جو اس خواہش سے کہ انگریزی زبان آجائے آکسفورڈ ڈکشنری کو حفظ کرنے لگ جائے۔

تیسرا اصل جو آپ نے رکھا یہ تھا کہ مذہب کو ان وجوہ کی تشریح کرنی چاہئے جن پر اس کے احکام اخلاق کی بناء ہے کیونکہ بغیر ان کے سمجھنے کے ایک شخص اس ذوق کو اپنے اندر محسوس نہیں کرے گا جو اعلیٰ اخلاقی حالت کے حصول کے لئے اس کو ضروری کوشش قائم رکھنے میں درکار ہے۔

چوتھی بات جو آپ نے قائم کی یہ تھی کہ مذہب کے لئے نیکی اور بدی کے منبع کا علم دینا ضروری ہے اور لوگوں کو یہ سکھانا چاہئے کہ بدی کی طرف میلان کی راہوں کو کیسے بند کر دیا جائے؟ اور کس طرح نیکی کی راہوں کو کھولا جائے کیونکہ بدی نہیں نابود ہو سکتی جب تک کہ بدی کے میلان کو نابود نہ کیا جائے۔ اور اس وقت تک کہ مذہب اپنی اخلاقی تعلیم کے پہلو کے متعلق تفصیل بیان نہیں کرتا، نامکمل رہے گا۔ محض قواعد کا مجملاً بیان کچھ امداد نہیں دے سکتا جب تک کہ ان کا عملی استعمال نہ بیان کیا جائے۔ مسیح موعود نے اخلاقی تعلیم کے متعلق یہ قواعد نہ صرف قائم کر دیئے ہیں بلکہ آپ نے تفصیل سے ثابت کر دیا کہ قرآن کریم انسان کی اخلاقی نشوونما کی ان تمام صورتوں کی توضیح کرتا ہے اور اس طرح یہ ثابت کیا کہ اسلام ہی صرف انسان کا صحیح اخلاقی رہنما ہے۔

کامل مذہب کا ایک یہ کام بھی ہے کہ وہ ایسے اصول بتائے جو انسان کی زندگی کے تمدنی شعبوں کی تنظیم کریں اور جن پر عمل پیرا ہونے سے انتظامِ ملک اور تہذیب پایۂ تکمیل کو پہنچے اور تمام دنیا میں امن وانتظام قائم ہو جائے۔ مسیح موعود علیہ السلام نے اسلامی تعلیم کے اس شعبہ کو بھی بیان کیا اور اس میں دنیا کے لئے وہ حیرت انگیز صداقتیں ظاہر کر دیں جو اس میں چھپی ہوئی تھیں اور اس تعلیم کے متعلق جو غلط فہمیاں تھیں ان کی تصحیح کر دی۔

اسلام بادشاہ اور رعایا کے حقوق و فرائض' انصاف کی آزادی' انسان کے حقوق کا احترام' آقا اور نوکر کے تعلق اور ان کے جھگڑوں کا طریق فیصلہ' ایک مسلمان شہری کے فرائض غرباء کے حقوق اور مختلف مذاہب اور مختلف قوموں کے آپس میں تعلقات کی نسبت بڑی تفصیل سے بحث کرتا ہے۔

بادشاہ اور رعایا کے تعلقات کی بابت مسیح موعود نے بیان کیا کہ (۱) گورنمنٹ پبلک کی خادم ہوتی ہے اور اس کو ہمیشہ اپنے آپ کو ایسا ہی خیال کرنا چاہئے آپ خود روحانی حکومت کے مالک تھے اور آپ اپنے متعلق فرماتے ہیں "میرے واسطے کرسی مت رکھو کیونکہ میں تو خدمت کے لئے کھڑا کیا گیا ہوں"[۹] ان الفاظ میں آپ نے حکومت کے دو بڑے اصولوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے ایک یہ کہ وہ جو حکومت کرنے کے لئے مقرر کئے جاتے ہیں وہ پبلک کے خادم ہوتے ہیں اور یہ کہ اپنے فرض کی بجا آوری میں ان پر لازم ہے کہ وہ اپنا آرام قربان کر دیں اور اپنا تمام وقت رعایا کی خدمت میں صرف کر دیں۔ آپ یہ عربی ضرب المثل عموماً فرمایا کرتے تھے کہ قوم کا امیر قوم کا خادم ہوتا ہے[۱۰] یعنی یہ اس کا فرض ہے کہ وہ اپنے آرام کو قربان کر کے دوسروں کے آرام کے لئے ذرائع بہم پہنچائے (۲) جیسا کہ قرآن کہتا ہے ملک کا طرز حکومت ضروری ہے کہ رعایا کے مشورے کے ساتھ چلایا جائے مسیح موعود تمام امور میں اپنے پیروؤں سے مشورہ لیا کرتے تھے اور ان میں سے ہر ایک کو اپنی رائے دینے کی خوشی سے اجازت ہوتی تھی گو بعض اوقات آپ ان سے اختلاف رکھتے تھے۔ یہ اس لئے کہ آپ کے پیرو مشورہ کی اہمیت کو سمجھیں اس طرح آپ نے اس صحیح جمہوریت کی روح کو تازہ کیا جس کو دنیا میں سب سے پہلے پیش کرنے والا اسلام تھا۔ (۳) آپ نے یہ بتایا کہ حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ ایسے قومی جھگڑوں کا ثالث ہو کر فیصلہ کرے جن کی وجہ سے بدنظمی پیدا ہونے کا احتمال ہو اور وہ امن عامہ میں خلل انداز ہوں۔ آپ اکثر قومی فسادات کی طرف گورنمنٹ کو متوجہ فرمایا کرتے تھے اور آپ نے ان کو فرو

کرنے اور امن عامہ اور ضبط بر قرار رکھنے کی غرض سے گورنمنٹ کو ثالثوں کے ذریعے جھگڑے کے امور کو بحث میں لاکر فیصلہ کرنے کی تجویز پیش کی۔ لیکن آپ کبھی بھی ضمیر کی آزادی یا لوگوں کے حقوق میں کسی قسم کی دخل اندازی پسند نہیں فرماتے تھے۔ واقعہ میں اسلام افراد کے حقوق کا اس حد تک احترام کرتا ہے کہ وہ حکومت کو حکم دیتا ہے کہ ایک مزدور کو اس کے کام کی پوری پوری اُجرت دینا اس پر فرض ہے۔

جہاں ایک طرف مسیح موعود نے غرباء کے حقوق پر خاص زور دیا اور تعلیم دی کہ ہمیں ان کو اپنے بھائی خیال کرنا چاہئے دوسری طرف آپ نے یہ بھی سکھایا کہ ایک آدمی کو اپنے آپ کو اس سے محروم نہیں کر دینا چاہئے جو اس نے اپنے قویٰ کو استعمال کر کے حاصل کیا۔ آپ سمجھتے تھے کہ مقابلہ کی روح جو کہ لیاقتوں یا قابلیتوں میں اختلاف کا نتیجہ ہے دنیا کی ترقی کے لئے ضروری ہے لیکن دوسری طرف امراء پر واجب قرار دیا کہ وہ ایک خاص حصہ اپنے اموال کا جو کہ اسلام نے مقرر کر دیا ہے حکومت کے سپرد کریں جسے حکومت غرباء کی بہبودی میں صرف کرے اور انہیں اپنی ذاتی خواہشات کو پورا کرنے کی بجائے فاضلہ روپیہ ایسے کاموں میں لگانا چاہئے جو عوام کے لئے نفع رساں ہوں یا یوں کہو ان کو اس سرور کے مقابلہ میں جو دولت کے اکٹھا کرنے میں حاصل ہوتا ہے اس سرور کو ترجیح دینی چاہئے جو اس کو بانٹ دینے سے حاصل ہو اس لحاظ سے اسلام کی تعلیم بے نظیر ہے۔ اسلام پرائیویٹ ملکیتِ مال کے اصول کا حامی ہے لیکن وہ یہ بھی سمجھتا ہے کہ کوئی شخص بغیر ان سرچشموں کی امداد کے جو تمام انسانوں کی یکساں ملکیت ہیں امیر نہیں ہو سکتا اور اس واسطے اسلام صاف طور پر حکم دیتا ہے کہ امراء کی دولت کا ایک خاص حصہ علیحدہ کر لیا جائے اور وہ حکومت کی معرفت غرباء کی بہبود کے لئے بطور اس امداد کے معاوضے کے خرچ ہو جائے جو تمام ایسے منبعوں سے حاصل کی گئی تھی۔ اسلام حکومت کا یہ فرض قرار دیتا ہے کہ وہ غرباء کو ان کی ضروریات زندگی اور ذرائع تعلیم بہم پہنچائے۔

ملکوں کے باہمی تعلقات کے متعلق آپ نے بیان کیا کہ وہ کبھی اطمینان بخش بناء پر قائم نہیں ہو سکتے جب تک کہ یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ اقوام اور حکومتیں بھی ایسے ہی اخلاق کی پابند ہیں جیسے کہ افراد۔ واقعہ میں قومی خساروں کی کثرت اس تمام غلط اصول کا نتیجہ ہے کہ حکومتوں کو ان اخلاق پر عمل پیرا ہونے کی ضرورت نہیں ہے جو ایک فرد کے لئے ضروری ہیں۔

دنیا کے امن کے لئے آپ اس کو بھی ضروری خیال فرماتے تھے کہ ہر ایک حکومت کی رعایا

اپنی حکومت سے تعاون کرے۔ لوگوں کو اپنے حقوق کے مطالبہ یا ان کی حفاظت کے لئے تدابیر کرنے کے خلاف کسی قسم کا اعتراض نہیں ہو سکتا لیکن ایسا کرنے میں انہیں ایسی روش اختیار نہیں کرنی چاہئے جو امن عامہ میں نقص پیدا کرنے والی ہو یا گورنمنٹ کی طاقت کو صدمہ پہنچانے والی ہو یا جو اخلاقی نقطہ نگاہ سے قابل اعتراض ہو۔

پھر آپ سمجھتے تھے کہ تاوقتیکہ ایسے لوگ دنیا میں موجود ہیں جو سچے دل سے کسی مذہب کے معتقد ہیں مذہبی اختلافات لامحالہ پیدا ہونگے اس لئے آپ کا دعویٰ تھا کہ دنیا میں امن لانے کے لئے خدا نے آپ کو بھیجا ہے تا انسان آپ کی معرفت انجام کار ایک ہی مذہب کے نیچے جمع ہو جائیں اور اس طرح ظاہری اور باطنی امن قائم ہو جائے موجودہ حالات کے سنوارنے کے لئے آپ نے مندرجہ ذیل تجاویز کیں۔

۱- مختلف مذاہب کے بانیوں کو یا لیڈروں کو اس طریقہ سے یاد نہ کیا جائے جو ان کے پیروؤں کے احساسات کو صدمہ پہنچائے۔

۲- مذہب کی تبلیغ میں ہر ایک مذہب کے مبلّغ کو اپنے مذہب کی صرف خوبیاں بیان کرنے تک محدود رہنا چاہئے اور کسی دوسرے مذہب پر حملہ نہیں کرنا چاہئے۔ دوسرے مذاہب کے نقص بیان کر دینا کسی کے اپنے مذہب کی صداقت کی دلیل نہیں۔ مذہب کی صداقت صرف اپنی خوبیوں کے ظاہر ہونے سے معلوم ہو سکتی ہے نہ کہ دوسرے مذاہب کے نقائص کے بیان سے۔

۳- کسی مذہب کے پیروؤں کو اپنے مذہب کی طرف ایسا مسئلہ یا تعلیم منسوب نہیں کرنی چاہئے جس کا ان کے نوشتوں سے براہ راست استنباط نہیں کیا جا سکتا۔ دعویٰ اور دلیل ہر دو' مذہب کو اپنی الہامی کتاب سے پیش کرنے چاہئیں۔ اس اصل کی سختی سے پابندی کے بغیر کسی مذہب کی خوبیوں کے متعلق صحیح فیصلہ کرنا غیر ممکن ہے کیونکہ ایسی قید کی غیر موجودگی میں دنیا یہ معلوم نہیں کر سکتی کہ وہ تعلیم جو کسی مذہب کی طرف منسوب کی گئی ہے وہ خود اس کے نوشتوں سے لی گئی ہے یا وہ دوسرے مذاہب کے مطالعہ سے حاصل کر لی گئی ہے یا وہ زمانے کے موجودہ رویۂ خیال سے نکال لی گئی ہے۔

۴- مختلف مذاہب کے حامیوں کو چاہئے کہ وہ اپنے مذہب کی تعلیم کو مجمل بیان تک محدود نہ رکھیں بلکہ اس پر تجربہ کر کے وہ نتائج واضح کرنے چاہئیں جو اس پر عمل پیرا ہونے سے حاصل ہوتے ہیں تا لوگ فیصلہ کر سکیں کہ وہ تعلیم کسی نتیجہ پر لے جاتی ہے یا نہیں۔

حیات بَعْدَ الْمَوْت جب سے انسان پیدا کیا گیا ہے وہ موت کے بعد ایک زندگی کا معتقد چلا آیا ہے اور ہر ایک مذہب نے انسان کی زندگی کا علم دیا ہے۔

پہلا سوال جو اس امر کے متعلق ہے وہ یہ ہے کہ بَعْدَ الْمَوْت زندگی کس طرح ظہور پذیر ہوگی؟ اس کا جواب جو مسیح موعود نے دیا تھا کہ زندگی بعد الموت میں انسان مادی جسم کے ساتھ نہیں ہوگا کیونکہ حشر جسم کا نہیں بلکہ روح کا ہوگا۔ مادی جسم صرف اس دنیا کے لئے ہے اور یہاں ہی ختم ہو جائے گا اگلے جہان میں روح کو ایک روحانی جسم دیا جائے گا جو روحانی سُرور اور روحانی تکلیف کی حِسّ رکھے گا۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ موت کے بعد زندگی کب شروع ہوگی؟ اس کا جوب جو مسیح موعود نے دیا یہ تھا کہ موت کے بعد زندگی معاً موت کے بعد شروع ہو جاتی ہے نہ کہ ہزارہا سال کے وقفہ کے بعد کسی مقررہ دن پر۔ بلکہ یہ زندگی تین درجوں پر منقسم ہے پہلا درجہ قبر کا درجہ کہلاتا ہے اور اس کی انسان کی زندگی کے اس درجہ سے مشابہت ہے جو کہ رحم میں گذرتی ہے اس درجہ میں روح کئی صوری تبدیلیوں کے نیچے گذرتی ہے اور اس کی نئی طاقتیں اور قویٰ نشوونما پانے لگتے ہیں۔ حتیٰ کہ رحم میں ایک بچہ کی طرح جس کی روح ایک خاص حد تک نموّ حاصل کرلیتی ہے وہ ایک اور روح میں جگہ پالیتی ہے اور خود اس نئی روح کے لئے جسم کا کام دینے لگ جاتی ہے یا یوں کہو کہ روح ایک نئی پیدائش حاصل کرتی ہے۔ اور دوسرا درجہ شروع ہوتا ہے جس کو حشر (قیامت) کے نام سے پکارا جاتا ہے اور جس کو بچہ کی ولادت سے مشابہت دی جاسکتی ہے اور اس درجہ میں روح دوسری زندگی کی حالتوں کا مشاہدہ کرنے لگتی ہے لیکن ابھی اس کا ان حالتوں کا احساس بچہ کی طرح غیر مکمل ہوتا ہے۔ جب یہ درجہ ختم ہو جاتا ہے تو تیسرا درجہ شروع ہوتا ہے جسے ایک بچہ کی بلوغت سے مشابہت دی جاسکتی ہے۔ اس درجہ میں روح زندگی بعد الموت کی حالتوں کو پورے طور پر محسوس کرنے کے قابل ہو جاتی ہے اور تب وہ بہشت یا دوزخ میں رکھ دی جاتی ہے۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ بہشت و دوزخ کی کیا حقیقت ہے؟ آپ کا جواب یہ تھا۔ بہشت و دوزخ دونوں ایک وجود کے دو پہلو ہیں جن میں آدمی موت سے قبل کی زندگی مطابق سرور اور غم کا مشاہدہ کرتا ہے۔ یہ مادی نہیں ہیں کیونکہ یہ ہمارے مادی اجسام سے محسوس نہیں کئے جاسکتے نہ ہی انہیں کلی طور پر غیر مادی کہا جاسکتا ہے کیونکہ اس زندگی میں بھی آدمی ایک روحانی جسم رکھے گا جو

اس کی نئی ترقی یافتہ روح کے لئے جسم کا کام دے گا اس لئے زندگی بعد الموت کے سرور اور غم اس روحانی جسم کے ان قویٰ کے مطابق ہوں گے جو انسان کو اس زندگی میں دیئے جائیں گے۔

چوتھا سوال یہ ہے کہ کیا بہشت و دوزخ ابدی ہیں یا ایک مقررہ میعاد تک؟ آپ کا جواب یہ تھا کہ روح کو ابدی زندگی دی جائے گی اور بہشت انسان کے لئے لامحدود ترقی کے دروازے کھولے گا۔ لیکن چونکہ انسان کو کامل کرنے کی غرض سے پیدا کیا گیا ہے اس لئے دوزخ کی سزا ابدی نہیں ہوگی کیونکہ اگر دوزخ ابدی ہو تو انسان کی پیدائش کی غرض باطل ہوتی ہے اس لئے کہ بعض لوگ ہمیشہ کے لئے غیر مکمل حالت میں رہیں گے۔ اصل بات یہ ہے کہ دوزخ ایک ہسپتال کی مثال ہے جہاں انسان ان روحانی امراض سے صحت یاب کیا جاتا ہے جو اس کو اس دنیا کے اعمال کے نتیجے میں لاحق ہوگئیں اور جن کی وجہ سے وہ بہشت کے سرور کا حظ اٹھانے کے ناقابل ہو گیا تھا۔

مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کا ثبوت

مختصر یہ کہ مسیح موعود علیہ السلام نے اسلام کے ہر پہلو کی ان تمام غلطیوں کو دور کر دیا جو اس میں داخل ہو گئی تھیں اور دنیا کے سامنے قرآن کی اصل تعلیم پیش کی جس میں کسی نقص کا امکان نہیں ہو سکتا۔

اس جگہ جائز طور پر ایک سوال کیا جا سکتا ہے کہ مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کے ذاتی ثبوت کیا ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مسیح موعود کے لئے تمام وہ ثبوت موجود ہیں جن سے گذشتہ انبیاء کی صداقت منوائی جاتی تھی۔ اور آپ نے وہ تمام معجزات دکھائے جو پہلے انبیاء نے دکھائے تھے۔

ایک نبی کی صداقت کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ اس کی اپنی زندگی کمال درجہ کی خالص اور پاک ہو۔ اس سے میری یہ مراد نہیں کہ صرف لوگوں کو اس کے عیوب کا علم نہ ہو کیونکہ ہزارہا لوگ ایسے ہوں گے جن کے متعلق کوئی بدی ثابت نہیں کی جا سکتی بلکہ میری مراد ایسی نیکی ہے جس کی لوگ شہادت دیں اور جس کی بناء پر وثوق سے نہ صرف یہ اقرار ہو سکے کہ وہ شخص کبھی کسی بدی کا مرتکب نہیں ہوا بلکہ یہ کہ اس سے کسی بدی کا سرزد ہونا ممکن ہی نہیں۔ یسوع مسیح اپنی صداقت کے ثبوت میں فرماتے ہیں

"کون تم میں سے مجھ پر گناہ ثابت کرتا ہے اگر میں سچ کہتا ہوں تو تم مجھ پر ایمان کیوں

نہیں لاتے"۔[۱۱]

اس سے مسیح کی صرف یہ مراد نہیں تھی کہ میری نسبت کوئی جھوٹ ثابت نہیں کیا جاسکتا بلکہ یہ تھی کہ تم خوب جانتے ہو کہ میری زندگی ایسی ہے کہ ایسی بات کا کہنا میرے لئے ناممکن ہے جو سچی نہ ہو۔

مسیح موعود نے اس سے زیادہ صاف اور زیادہ پُرزور دعویٰ فرمایا ہے خدا نے آپ کو کہا کہ اپنے دشمنوں سے پوچھ کہ میری تمام زندگی کو دیکھتے ہوئے بھی تم کیوں مجھے ملحد کہنے سے نہیں رُکتے۔ اور پھر تنبیہہ کے طور پر خدا فرماتا ہے انہیں کیا ہو گیا ہے کہ یہ لوگ (تجھے) دیکھتے ہیں اور پھر بھی دیکھنے کے لئے آنکھیں نہیں رکھتے۔[۱۲] یعنی تیری زندگی کی حیرت انگیز پاکیزگی کو دیکھتے ہوئے یہ کس طرح تیرے دعویٰ میں شک کرتے ہیں۔

اس وحی کے موافق مسیح موعود نے اپنے دشمنوں کو ایک چیلنج دیا لیکن کسی کو آگے بڑھنے کی ہمت نہ ہوئی آپ کے اشدّ ترین دشمنوں نے بھی اقرار کیا کہ آپ کی زندگی برابر نیکی اور پاکیزگی سے مملوّ تھی۔ آپ کے سب سے بڑے دشمن مولوی محمد حسین بٹالوی جس نے آپ کے خلاف علماء سے فتویٰ کفر حاصل کرنے کے لئے تمام ہندوستان کا دورہ کیا اور جس نے گورنمنٹ اور لوگوں کو آپ کے خلاف اکسانے میں تمام انسانی اخلاق کو بالائے طاق رکھ دیا اپنے رسالہ اشاعۃ السنّہ میں آپ کے متعلق لکھتا ہے۔

"میں اس کو (یعنی مسیح موعود کو) بچپن سے جانتا ہوں اس نے اپنے وقت سے 'مال سے' قلم سے' زبان سے اور اپنے نمونے سے ایسے استقلال سے اسلام کی امداد اور خدمت کی ہے کہ اس کی مثال اس اسلام کی آخری تیرھویں صدی میں ملنی ناممکن ہے۔[۱۳]

یہ زندگی اور اخلاق کی بے مثال پاکیزگی آپ کے دعویٰ کی صداقت کی ایک زبردست دلیل ہے۔

آپ کے دعویٰ کی صداقت کا ایک اور زبردست ثبوت یہ ہے کہ تمام الہامی کتب اس بات پر متفق ہیں کہ ایک کاذب کبھی ترقی نہیں کر سکتا۔ بائبل کہتی ہے۔

"لیکن وہ نبی جو میرے نام پر کوئی لفظ ایسا کہے گا جو میں نے اسے کہنے کا حکم نہیں دیا۔ یا وہ دوسرے خداؤں کے نام پر بات کرے گا تو وہ نبی بھی مارا جائے گا"۔[۱۴]

ایسے ہی قرآن کریم بھی فرماتا ہے لَوْتَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ O لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ O ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ۔ [۱۵] "اگر وہ اپنی کسی بات کو ہماری طرف منسوب کرے جو ہم نے اسے نہیں کہی تو ہم اس کا داہنا ہاتھ پکڑلیں اور اس کی رگِ جان کاٹ دیں۔ یہ آیات بتاتی ہیں کہ اگر ایک آدمی کچھ اقوال خود بنالے اور پھر دنیا کے سامنے ان کو خدا کی طرف سے آئی ہوئی وحی کے نام سے پیش کرے تو وہ کبھی ترقی نہیں پاسکتا اور قبل اس کے کہ اس کی تحریک دنیا میں مضبوط قدم پکڑلے وہ اُکھاڑ کر پھینک دیا جاتا ہے۔

اس کسوٹی سے مسیح موعود کے دعویٰ کو دیکھ کر ہمیں آپ کی صداقت کا یقین ہو جاتا ہے کیونکہ آپ نے پہلی وحی کا دعویٰ چالیس سال کی عمر میں کیا اور اس دعویٰ کی اشاعت کے بعد چونتیس یا پینتیس سال زندہ رہے۔ آپ کو ایک بڑھتی ہوئی جماعت دی گئی اور آپ عام عرصۂ زندگی سے زیادہ زندہ رہے۔

بہنو اور بھائیو! کیا عقل یہ تسلیم کر سکتی ہے کہ وہ زندہ خدا ایک شخص کو عمداً اجازت دے کہ وہ کچھ اقوال خود بنائے اور ان کو خدا کی طرف سے آئی ہوئی وحی کہہ کر لوگوں میں شائع کرے اور وہ اس طرح بلا روک بغیر سزا پانے کے مخلوق کو گمراہی کی طرف لے جائے۔ اگر ایسا ہو تو پھر ایمان کی کونسی حفاظت ہو سکتی ہے اور نیکی کا بچاؤ کیسے کیا جا سکتا ہے؟

مسیح موعودؑ کے نشان

پھر آپ کے دعویٰ کے ثبوت میں وہ حیرت انگیز نشان بیان کئے جاسکتے ہیں جو خدا نے آپ کے ہاتھوں پر اسی طرح ظاہر کئے جس طرح کہ پہلے نبیوں کے ہاتھوں پر ظاہر کیا کرتا تھا۔ یہ نشان لاکھوں کی تعداد میں ہیں لیکن میں یہاں مثال کے طور پر صرف چند ان میں سے پیش کرتا ہوں جن کے ثبوت کے لئے کسی ظاہری شہادت کی ضرورت نہیں۔ پہلی مثال مَیں آپ کے علمی معجزہ کی لیتا ہوں۔ باوجود اس بات کے کہ آپ پنجاب کے ایک چھوٹے سے غیر معروف گاؤں کے باشندے تھے اور کبھی کسی سکول یا مکتب میں نہیں بیٹھے تھے آپ نے یہ اعلان کیا کہ خدا نے مجھ کو عربی زبان کا غیر معمولی علم اور کامل ملکہ عطا کیا ہے جس کا وہ لوگ بھی مقابلہ نہیں کر سکتے جن کی مادری زبان عربی ہے۔ اس اعلان کے مطابق آپ نے عربی زبان میں کئی کتابیں لکھیں اور شائع کیں اور اپنے مخالفین کو جن میں عرب، مصر اور سیریا کے لوگ بھی شامل تھے چیلنج دیا کہ اگر تم کو میرے دعویٰ کی صداقت پر شک ہے تو تم بھی عربی کی ایسی کتابیں لکھ کے دکھاؤ جو علمی طرزِ فصاحت حسنِ انشاء اور بلاغت کے نقطہ خیال سے

میری کتابوں کا مقابلہ کر سکیں لیکن آج تک کسی کو یہ چیلنج قبول کرنے کی ہمت نہیں پڑی۔

پھر آپ کی پیشگوئیاں ہیں جو آپ نے اپنے مشن اور انجام کار اپنی فتح کے متعلق شائع کیں اور جو ایسے طور پر پوری ہوئیں کہ انسان کے ذہن میں نہیں آسکتا۔ جب آپ نے اپنا دعویٰ شائع کیا تو آپ بالکل گمنام تھے اس میں شک نہیں کہ آپ ایک معزز خاندان سے تھے لیکن جدّی جائیداد کا بڑا حصہ آپ کے والد کی وفات کے وقت ضائع ہو چکا تھا۔ قادیان جو آپ کا مسکن تھا ایک چھوٹا سا اور گمنام گاؤں تھا اس گاؤں میں خلوت کی زندگی بسر کرتے ہوئے آپ نے اعلان کیا کہ خدا نے مجھے خبر دی ہے کہ وہ میرے نام کو عزت دے گا اور میرے سلسلے کو پھیلائے گا اور وہ لوگوں کے دلوں میں میری ایسی محبت ڈال دے گا کہ بہت سے لوگ اپنے وطن چھوڑ کر چلے آئیں گے اور قادیان میں ہی بود و باش اختیار کر لیں گے اور یہ کہ میرے دشمن نیست و نابود کر دیئے جائیں گے اور میرے ماننے والوں کی تعداد تمام ممالک میں بڑھتی چلی جائے گی حتّٰی کہ تین صدیوں کے اندر اندر بنی آدم کا کثیر حصہ میری جماعت میں داخل ہو جائے گا۔ آپ نے یہ پیشگوئیاں اس وقت کیں جبکہ آپ کا ایک مرید بھی نہ تھا اور گورنمنٹ اور رعایا ہر دو آپ کے مخالف تھے ایک شخص ان پیشگوئیوں کے پورا ہونے کی صحیح اہمیت کا اندازہ نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ ان وجوہات کو نہ دیکھے جو عموماً کسی مذہب کی ترقی کا باعث ہو سکتی ہیں اور ان مشکلات پر نظر نہ کرے جو احمدیت کو درپیش تھیں اور ابھی تک ہیں۔

وہ اسباب جو عام طور پر کسی مذہب کی کامیابی کے ممد ہو سکتے ہیں یہ ہیں۔ اول وہ مذہب ایسے لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے جو پہلے کسی مذہب کے معتقد نہ ہوں۔ دوم اس کو ایسے لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے جو پیری مریدی کے شدائد سے تنگ آگئے ہوں۔ سوم اس کی رائج الوقت خیالات سے مطابقت ہو۔ چہارم یہ امر کہ اس مذہب کا بانی پہلے ہی قوم میں ممتاز حیثیت رکھتا ہو یا وہ ایسے خاندان سے ہو جو بوجہ اپنی دینداری کے لوگوں کی نظروں میں محترم ہو۔ پنجم یہ کہ اس مذہب کی جائے پیدائش کوئی بڑا پایۂ تخت ہو۔ ششم یہ امر کہ لوگوں کو اس کی پیروی میں کوئی دنیوی فوائد کے حصول کی امید ہو۔ ہفتم اپنی شریعت کے قوانین پر وہ سختی سے پابندی نہ کرواتا ہو۔ ہشتم وہ ایسی رسوم و عادات کی تائید کرے جو اس کے پیروؤں کو اس کی تعلیم کا صحیح اندازہ کرنے سے روکیں۔

مسیح موعود ایسی حالت میں نہ تھے کہ آپ نے ان اسباب میں سے کسی سے بھی فائدہ اٹھایا

ہو۔ آپ کے مخاطب وہ لوگ تھے جو اپنے آپ کو پہلے ہی کسی مذہب کی طرف منسوب کرتے تھے اور وہ اپنے اپنے مذہب کے کامل ہونے پر فخر کرتے تھے۔

دوئم جیسا کہ پیری مریدی کا سلسلہ عموماً لوگوں کے اوپر اختیارات کھو چکا تھا مختلف مذاہب کے لوگ اپنے اپنے مذہب پر پورے طور سے مطمئن تھے۔

سوئم آپ کی تعلیم رائج الوقت خیالات کے خلاف تھی۔

چہارم۔ آپ اپنے دعوے سے پہلے قوم میں کوئی ممتاز حیثیت نہ رکھتے تھے نہ ہی آپ ایسے خاندان سے تھے جس کو لوگ اس کی گذشتہ دینداری کی وجہ سے عزت کی نظر سے دیکھتے ہوں یا جسکے متعلق کسی دینداری یا روحانیت کی امیدیں لوگوں کے دلوں میں موجزن ہوں۔

پنجم آپ ایک ایسے صوبے کے چھوٹے اور ایک گمنام گاؤں میں بستے تھے جس میں کوئی تمدنی' عقلی' تاریخی یا مذہبی کشش کی بات نہ تھی۔

ششم آپ ہر قسم کی پولیٹیکل تحریک سے الگ رہتے تھے اور وہ لوگ جو آپ کے پیرو بنے انہیں کسی دنیوی فائدہ کی امید نہیں ہو سکتی تھی بلکہ برخلاف اس کے انکو کئی قسم کی قربانیاں کرنی پڑتی تھیں اور ان کو کئی مصائب کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

ہفتم۔ آپ اپنے پیرووں کی زندگیوں میں ایک مکمل تبدیلی کرنا چاہتے تھے اور صرف زبانی اقراروں سے مطمئن نہیں ہوتے تھے گویا صرف نام کا مرید بن جانا قبول نہیں ہوتا تھا۔

ہشتم۔ آپ نے کبھی کسی ایسی چال کو اختیار نہیں کیا جس کے استعمال سے لوگوں میں قبولیت حاصل کی جائے اس لئے باوجود ان باتوں کے وہ ترقی جو آپ کے سلسلے نے کی آپ کی قبل از وقت شائع شدہ پیشگوئیوں کے موافق آپ کی صداقت کا آخری ثبوت ہے۔

ان تمام مشکلات کے ہوتے ہوئے ایسی پیشگوئیوں کی اشاعت کرنا جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے ظاہر کرتا ہے کہ بلحاظ ان حالات کے جن میں یہ پیشگوئیاں شائع کی گئیں وہ خارقِ عادت تھیں اور اگر ہمیں یہ یقین ہو جائے کہ وہ پوری ہو گئیں تو یہ ہمارے لئے آپ کی صداقت کا نہایت زبردست ثبوت ہے۔ ان پیشگوئیوں میں سے اکثر پوری ہو چکی ہیں اور جو باقی ہیں وہ اپنے وقت پر پوری ہونے والی ہیں۔ قادیان جو اُس وقت ایک گمنام گاؤں تھا اب تمام دنیا میں مشہور ہے۔ وہ جو صدی کا ثلث پہلے تنہا تھا اب تمام ملکوں میں اور تمام اقوام میں اپنے پیرو ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہے جو ہر فرقہ اور نسل سے کھنچے چلے آئے ہیں۔ آپ کا نام بلند کیا گیا اور آپ کے دشمن بھی اس کو

احترام سے یاد کرتے ہیں۔ آپ نے اسلام کو دوبارہ ایسا زندہ کیا کہ آج کسی مذہب یا کسی تحریک کے حامل اپنی خوبیاں دکھا کے اسلام کو شرمندہ نہیں کر سکتے اور اسلام آج تمام دنیا کے مذاہب میں عزت اور جلال کے ساتھ اپنا سر اٹھاتا ہے احمدیہ مشن قائم ہو رہے ہیں اور احمدی جماعت کے لوگ دنیا کے تمام حصوں میں مل سکتے ہیں۔ مسیح موعود کی صداقت خدا کی زبردست نشانیوں کے ذریعے قائم ہو رہی ہے' قادیان اب ہر ملک سے زائرین کا مرجع ہے' ایک ہزار پانچسو سے اوپر آدمی دنیا کے مختلف حصوں سے وہاں جاکر آباد ہو چکے ہیں' تقریباً تین سو سے زیادہ مہمان روزانہ مسیح موعود کے دسترخوان پر کھانا کھاتے ہیں۔

کیا دنیا میں کسی سلسلے کی ایک بھی ایسی مثال ہے جس نے ان مشکلات اور ان حالات میں جن کی اوپر تفصیل کی گئی ہے ایسی تیز اور حیرت انگیز ترقی کی ہو اور جس کی ترقی کی اس کے بانی نے ایسی صاف صاف پہلے سے خبر دی ہو۔ مذاہب نے ترقیات حاصل کی ہیں اور ان کو مشکلات سے لڑنا پڑا ہے لیکن ان میں سے ایک کو بھی خواہ وہ سچا ہو یا جھوٹا ایسی مشکلات میں جن کا اس سلسلہ کو سامنا کرنا پڑا ایسی کامیابی کبھی حاصل نہیں ہوئی جیسی کہ سلسلہ احمدیہ نے حاصل کی۔ سلسلہ ابھی اپنی طفولیت میں ہے اور وہ جو اس وقت تک حاصل کیا گیا ہے وہ صرف اس کا سایہ ہے جو آگے آرہا ہے۔

علاوہ بریں مسیح موعود نے لکھوکھہا ایسے نشانات دکھائے کہ مُردے زندہ کئے گئے' بہرے سننے لگے' اندھے دیکھنے لگے' لنگڑے چلنے لگے' مجذوم چنگے کئے گئے اور وہ جنکے حواس ٹھیک نہ تھے تندرست کئے گئے اور وہ خدا کے سامنے عاجز بچوں کی طرح ہو گئے۔

آپ نے جنگ عظیم' زار کے مصائب' ترکوں کی شکست' انفلوئنزا کا پھوٹ نکلنا' زلزلوں کی کثرت اور بہت سے اور حادثات کی پہلے سے خبر دی جو تمام اپنے مقررہ وقت پر پورے ہو چکے ہیں۔ ایک طرح سے خود یہ کانفرنس آپ کی پیشگوئیوں میں سے ایک پیشگوئی کو پورا کرتی ہے ۱۸۹۲ء میں آپ نے اپنی کتاب ازالہ اوہام شائع کی جس میں آپ نے اپنی ایک رؤیا بیان کی جس میں آپ نے دیکھا کہ آپ لندن میں ایک سٹیج پر کھڑے ہیں اور اسلام پر ایک تقریر فرمارہے ہیں اور بعد ازاں آپ نے چند پرندے پکڑے آپ نے اس کی یہ تعبیر کی کہ آپ کی تعلیم کی لنڈن میں تبلیغ کی جائے گی اور آپ کی معرفت لوگ اسلام میں داخل ہونگے۔[16]

مضمون ختم کرنے سے پہلے یہ کہدینا چاہتا ہوں چونکہ بعض لوگوں کو روایت پر خواہ اس کے

ثبوت کے لئے کتنی ہی قاطع شہادت کیوں نہ ہو کبھی اطمینان نہیں ہوتا اس لئے خدا نے ایسے لوگوں کی تسلی اور یقین کے لئے بھی ذرائع مہیا کئے ہیں ان میں سے ایک جیسا کہ مسیح موعود نے بیان فرمایا یہ ہے کہ ایسا شخص مسلسل چالیس روز تک دل کو تعصب سے بالکل خالی کر کے ہر روز سونے سے قبل خدا سے مندرجہ ذیل دعا کرے۔

"اے خدا یہ شخص جو دعویٰ کرتا ہے کہ خدا نے مجھے اس غرض کے لئے بھیجا ہے کہ دینِ الٰہی اسلام کو اس کی صحیح شکل میں پیش کرے اور اس طرح لوگوں کو اس کے قبول کرنے کی ترغیب دلا کر دنیا میں اس کو برقرار کروں اگر واقعی تیرا بھیجا ہوا ہے تب میں جو بوجہ حالات سے لاعلمی کے اس کی صداقت کے متعلق صحیح فیصلہ کرنے کے ناقابل ہوں تجھ سے التجا کرتا ہوں کہ اے برحق! جو تمام صداقتوں کا سرچشمہ ہے اور اے ہادی! جو تمام ہدایتوں کا منبع ہے اور اے رحیم! جو اپنی مخلوق کو تکلیف میں دیکھنا گوارا نہیں کر سکتا تو مجھ پر اس کی صداقت روشن کر دے"۔ [۱۷]

اگر ایک شخص چالیس دن اس طرح سچے دل سے دعا کرتا رہے تو خدا یقیناً اس چالیس روز کے عرصہ کے اندر اندر اس کا دل صداقت کے لئے کھول دے گا اور مسیح موعود کی صداقت کے لئے اسے کوئی نشان دکھادے گا۔ چونکہ یہ اطمینان کرنے کا ایک ایسا طریقہ ہے جو کہ تمام تر خدا کے ہاتھ میں ہے اور دعا کے جواب میں ہے یقیناً ایک تلاش کرنے والے کے دل کو کامل یقین اور ایمان کی طرف لے جائے گا۔

میں مغرب میں سچ سے پیار کرنے والوں سے امید کرتا ہوں کہ وہ اس نہایت ہی ضروری امر کے فیصلہ کرنے کے لئے اس معقول اور درست طریق کو خوشی سے اختیار کریں گے کیونکہ ایسی صورت میں اس شبہ کی گنجائش نہیں ہو سکتی کہ ایک شخص کا دل دوسرے آدمی کی خوش کلامی یا ہوشیاری سے مرعوب ہو گیا کیونکہ یہ ایک اپیل ہے جو مخلوق کی طرف سے اپنے خالق کی خدمت میں کی گئی ہے اور اس کا فیصلہ اس اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ منصف کے ہاتھ میں ہے جس کے فیصلہ کے بعد اور کوئی زیادہ سچا اور زیادہ معقول فیصلہ نہیں۔

مختلف مذاہب کے قائم مقاموں (لیڈروں) کے لئے آپ نے ایک اور طریقہ پیش کیا وہ یہ کہ بیس آدمی جو مہلک امراض میں مبتلاء ہوں تجربہ کے لئے چن لئے جائیں پھر وہ قرعہ اندازی سے آپ کے اور کسی ایک مذہب کے وکیل کے درمیان تقسیم کر دیئے جائیں اور پھر وہ دونوں اپنے

اپنے حصہ کے مریضوں کی صحت کے لئے دعا کریں۔ آپ کا دعویٰ تھا کہ اگر یہ طریق فیصلہ اختیار کیا جائے تو آپ کو اپنے مخالف پر یقیناً کھلی کھلی ایسی فتح دی جائے گی کہ دنیا اس اقرار کے لئے مجبور ہو جائے گی کہ آپ کے ساتھ خدا کی نصرت کا ہاتھ تھا۔[۱۸]

لیکن یہ سوال ہو سکتا ہے کہ مسیح موعود تو وفات پا چکے ہیں اب اس طریق کو استعمال کر کے آپ کے دعاوی کے متعلق فیصلہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ اس کے جواب میں مَیں یہ مزید بتائے دیتا ہوں کہ نبی ایک نمائش کے لئے نہیں بھیجا جاتا وہ تمام دنیا کے لئے رحمت ہوتا ہے اور نہ صرف خوشی کی خبر کا بلکہ فیوض و برکات کا لانے والا ہوتا ہے۔ آپ کی صداقت کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ آپ نے اپنے بعد ایک ایسی جماعت چھوڑی جس کی معرفت خدا اب بھی اپنے نشان ظاہر کرتا ہے۔ پس اگر ایک ایسی قوم جس کے حق کو قبول کرنے سے حق کی مزید اشاعت ہو سکتی ہو نشان دیکھنا چاہتی ہے تو گو مسیح موعود وفات پا چکے ہیں مجھے کامل یقین ہے کہ خدا آپ کے پیروؤں کے ہاتھوں پر ایسا نشان دکھا دے گا کیونکہ وہ اپنے چاکروں سے شفقت کرنے والا ہے اور ہمیشہ ان کو تاریکی سے روشنی کی طرف لے جانا پسند کرتا ہے۔ احمدیت کے ان اصولوں کی اس ضروری کیفیت کے بیان کر دینے کے بعد میں ان کو جو موجود ہیں اور ان کی معرفت ان تمام کو جو مشرق اور مغرب میں رہتے ہیں یہ پیغام پہنچا دینا چاہتا ہوں بہنو اور بھائیو! خدا کی روشنی تمہارے لئے چمک اٹھی ہے اور وہ جس کو دنیا بوجہ مرورِ زمانہ ایک عجیب فسانہ خیال کرنے لگی تھی تمہاری عین آنکھوں کے سامنے ظاہر ہو گیا ہے۔ خدا کا جلال ایک نبی کے ذریعے تم پر ظاہر کیا گیا ہے ہاں ایسا نبی جس کی بعثت کی خبر نوحؑ سے لے کر محمد ﷺ تک تمام انبیاء نے پہلے سے دی تھی خدا نے آج تمہارے لئے پھر یہ امر ثابت کر دیا کہ میں صرف انکا خدا نہیں جو مر چکے ہیں بلکہ ان کا بھی خدا ہوں جو زندہ ہیں۔ اور نہ صرف ان کا خدا ہوں جو پہلے گزر چکے ہیں بلکہ ان کا بھی خدا ہوں جو آئندہ آئیں گے۔ پس تم اس روشنی کو قبول کرو اور اپنے دلوں کو اس سے منور کر لو۔ بہنو اور بھائیو! یہ زندگی عارضی ہے لیکن یہ خیال کرنا غلطی ہے کہ اس کے بعد فنا ہے۔ فنا تو کوئی چیز ہی نہیں۔ روح کو فنا کے لئے نہیں بلکہ ابدی زندگی کے لئے پیدا کیا گیا ہے اپنی پیدائش کے لمحے سے لے کر انسان ایک نہ ختم ہونے والے رستے پر چلنا شروع کر دیتا ہے اور سوائے اس کے کہ موت اس کی رفتار کی تیزی کا ذریعہ ہو اور کچھ نہیں۔ یہ کیا بات ہے کہ تم جو چھوٹے چھوٹے مقابلوں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی لگاتار کوشش میں لگے رہتے ہو اس بڑے مقابلہ کو نظر انداز

کررہے ہو جس میں ماضی، حال اور مستقبل کی تمام پشتوں کو لازماً حصہ لینا پڑے گا۔ کیا تم کو معلوم نہیں کہ مشرق میں ایک فرستادہ مبعوث کیا گیا اور خدا نے اس کے ذریعے سچائی کو تمہارے دروازوں تک پہنچا دیا ہے۔ تم سچے دل سے اس فضل کا شکریہ ادا کرو جو تم پر کیا گیا تا تم پر زیادہ فضل نازل کئے جائیں اور تم اس کی رحمت کو لینے کے لئے آگے دوڑو تا تمہارے لئے اس کی محبت ایک جوش مارے۔ یہ کیا بات ہے کہ تم جو تمام ان نیند آور چیزوں کو جو دماغ میں سستی پیدا کریں نفرت سے دیکھتے ہو کس طرح ایسی چیز سے مطمئن ہو جو نفع رساں نہیں اور روح کی خواہشات کو دبانے والی ہے۔ تم بتوں کے سامنے جھکنے سے تو انکار کرتے ہو پھر کس طرح تم ایسے بت کے آگے جھکتے ہو جس میں زندگی کی کوئی علامت نہیں۔ آؤ اور اس ربانی شرابِ زندگی کو پیو جو خدا نے تمہارے لئے مہیا کی یہ ایسی شراب ہے جو عقل کو ہلاک کرنے والی نہیں بلکہ اس کو مضبوط کرنے والی ہے۔

خوش ہو جاؤ۔ اے دُلہن کی سہیلیو اور خوشی کے گیت گاؤ کیونکہ دولہا آ پہنچا ہے۔ وہ جس کی تلاش تھی مل گیا ہے۔ وہ جس کا انتظار کیا جا رہا تھا یہاں تک کہ انتظار کرنے والوں کی آنکھیں مدھم پڑ گئی تھیں اب تمہاری آنکھوں کو منور کر رہا ہے۔ مبارک ہے وہ جو خدا کے نام پر آیا۔ ہاں مبارک ہے جو خدا کے نام پر آیا۔ وہ جو اس کو پا لیتے ہیں سب کچھ پا لیتے ہیں اور وہ جو اس کو نہیں دیکھ سکتے وہ کچھ بھی نہیں دیکھ سکتے۔ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

پاکیزگی اختیار کرو تا تمہارے ذریعہ خدا اپنا قدس ظاہر کرے

عدن کے قریب جہاز سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا پہلا مکتوب جماعت احمدیہ کے نام

(تحریر فرمودہ ۲۲ جولائی ۱۹۲۴ء)

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ - ھُوَالنَّاصِرُ

برادرانِ جماعت! اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ آج جہاز عدن کے قریب ہو رہا ہے۔ صبح چار بجے خشکی پر جہاز لگے گا۔ طوفان کے علاقہ سے جہاز خدا کے فضل سے نکل آیا ہے۔ اور اب ہموار پانیوں میں چل رہا ہے۔ مسافر جو کئی دنوں سے کمروں میں بند تھے اب باہر نکل کر سیر کر رہے ہیں اور خوشگوار ہوا اور عمدہ موسم کے لطف اٹھا رہے ہیں۔ کچھ تو تاش میں مشغول ہیں جس کے ساتھ جوئے کا شغل بھی ہے' کچھ شراب کے گلاس اُڑا رہے ہیں' کچھ صحن میں بنچوں پر لاتیں پھیلا کر ہوا کھا رہے ہیں' کئی سو بھی گئے ہیں' رات کا وقت ہے اور رات بھی خاصی گذر گئی ہے۔ مجھے لوگ کہتے ہیں کل رات آپ کم سوئے تھے اب سو جائیے ۔ مگر عدن قریب آ رہا ہے اور جہاز وہاں تھوڑی دیر ٹھہرے گا۔ اگر میں اس وقت اپنا قلم رکھ دیتا ہوں تو پھر مجھے عدن کے بعد ہی کچھ لکھنے

کا موقع ملے گا- اس لئے میں ان دوستوں کی نصیحت کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے اور ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے یہی کہتا ہوں کہ خط نصف ملاقات ہوتی ہے- میں خدا کی مشیّت کے ماتحت اپنے دوستوں کی پوری ملاقات سے تو ایک وقت تک محروم ہوں پس مجھے آدھی ملاقات کا تو لطف اُٹھانے دو- مجھے چھوڑو کہ میں خیالات و افکار کے پَر لگا کر کاغذ کی ناؤ پر سوار ہو کر اس مقدس سرزمین میں پہنچوں جس سے میرا جسم بنا ہے اور جس میں میرا ہادی اور رہنما مدفون ہے- اور جہاں میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کی راحت دوستوں کی جماعت رہتی ہے- ہاں پیشتر اس کے کہ ہندوستان کی ڈاک کا وقت نکل جائے' مجھے اپنے دوستوں کے نام ایک خط لکھنے دو تا میری آدھی ملاقات سے وہ مسرور ہوں اور میرے خیالات تھوڑی دیر کے لیے خالص اسی سرزمین کی طرف پرواز کرکے مجھے دیارِ محبوب سے قریب کردیں- لوگوں کو آرام کرنے دو' کھیلنے دو' شراب پینے دو' میری کھیل اپنے آقا کی خدمت ہے اور میری شراب اپنے مالک کی محبت ہے اور میرا آرام اپنے دوستوں کا قرب ہے' خواہ خیال سے ہی کیوں نہ ہو-

کہتے ہیں کہ کسی چیز کی قدر اس کے کھوئے جانے سے ہی ہوتی ہے میں نے اس سفر میں یہ نظارہ اپنی آنکھوں سے دیکھا- وہ دوست جو پہلے اس خیال کے اثر کے نیچے کہ اِدھر میں ولایت گیا اور اُدھر یورپ فتح ہوا' اصرار کر رہے تھے کہ ضرور میں خود ولایت جاؤں اور اس فتح کے دن کو ان کے قریب کردوں- جس دن کہ میں روانہ ہو رہا تھا' ماہی بے آب کی طرح بے تاب ہو رہے تھے اور کئی افسوس کر رہے تھے کہ ہم نے جانے کا مشورہ کیوں دیا- میں بھی جس نے باوجود اس امر کے علم کے کہ موسم سخت ہے اور طوفان کے دن ہیں ارادہ کرلیا تھا کہ اس موقع پر ضرور مغرب کا سفر کروں اور اسلام کی اشاعت کی سکیم تجویز کروں' دل میں محسوس کرتا تھا کہ جدائی کا ارادہ کرلینا تو آسان ہے مگر جدا ہونا خواہ چند دن کے لیے ہی ہو سخت مشکل ہے- آہ! وہ اپنے دوستوں سے رخصت ہونا' ان دوستوں سے جن سے مل کر میں نے عہد کیا تھا کہ اسلام کی عظمت کو دنیا میں قائم کروں گا اور خدا تعالیٰ کے نام کو روشن کروں گا- ہاں ان دوستوں سے جن کے دل میرے دل سے اور جن کی روحیں میری روح سے اور جن کی خواہشات میری خواہشات سے اور جن کے ارادے میرے ارادوں سے بالکل متحد ہوگئے تھے حتّٰی کہ اس شعر کا مضمون ہم پر صادق آتا تھا کہ

من تُو شدم تُو من شدی من تن شدم تُو جاں شدی
تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تُو دیگری

کیسا اندوہناک تھا' کیسا حیرت خیز تھا وہ دل جو اس محبت سے ناآشنا ہے جو مجھے احمدی جماعت سے ہے اور وہ دل جو اس محبت سے ناآشنا ہے جو احمدی جماعت کو مجھ سے ہے وہ اس حالت کا اندازہ نہیں کر سکتا-اور کون ہے جو اس درد سے آشنا ہو جس میں ہم شریک ہیں کہ وہ اس کیفیت کو سمجھ سکے - لوگ کہیں گے کہ جدائی روز ہوتی ہے اور علیحدگی زمانے کے خواص میں سے ہے۔ مگر کون اندھے کو سورج دکھائے اور بہرے کو آواز کی دلکشی سے آگاہ کرے-اس نے کب لِلّٰہ اور فی اللہ محبت کا مزہ چکھا کہ وہ اس لطف اور درد کو محسوس کرے-اس نے کب اس پیالہ کو پیا کہ وہ اس کی مست کر دینے والی کیفیت سے آگاہ ہو-دُنیا میں لیڈر بھی ہیں اور ان کے پیرو بھی' عاشق بھی ہیں اور ان کے معشوق بھی' محب بھی ہیں اور ان کے محبوب بھی مگر

ہر گُلے را رنگ و بُوئے دیگر است

کب ان کو اُس ہاتھ نے تاگے میں پرویا جس نے ہمیں پرویا- آہ! نادان کیا جانیں کہ خدا کے پروئے ہوؤں اور بندوں کے پروئے ہوؤں میں فرق ہوتے ہیں- بندہ لاکھ پروئے پھر بھی سب موتی جدا کے جدا رہتے ہیں مگر خدا کے پروئے ہوئے موتی کبھی جدا نہیں ہوتے - وہ اس دنیا میں بھی اکٹھے رہتے ہیں اور اگلے جہان میں بھی اکٹھے ہی رکھے جاتے ہیں-پھر ان کے دلوں کے اتّصال اور ان کے قلوب کی یگانگت پر کسی اور جماعت یا اور تعلق کا قیاس کرنا نادانی نہیں تو اور کیا ہے-

غرض کہ اس سفر نے اس پوشیدہ محبت کو جو احمدی جماعت کو مجھ سے تھی اور جو مجھے ان سے تھی نکال کر باہر کر دیا اور ہمارے چھُپے ہوئے راز ظاہر ہو گئے-اور ان کا ظاہر ہونے کا حق بھی تھا۔

نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا

اے عزیزو! میں آپ سے دور ہوں' جسم دور ہے مگر روح نہیں- میرا جسم کا ذرّہ ذرّہ اور میری روح کی ہر طاقت تمہارے لیے دعاءمیں مشغول ہے اور سوتے جاگتے میرا دل تمہاری بھلائی کی فکر میں ہے- میں اپنے مقصد کے متعلق جہاز میں ہی ایک حصہ کا فیصلہ کر چکا ہوں اور اپنے وقت پر اس کو ظاہر کروں گا- مگر میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ مجھے جس قدر ہندوستان میں یقین تھا کہ اگر اسلام پھیل سکتا ہے تو آپ لوگوں کے ذریعہ سے-اب اس سے بہت زیادہ یقین ہے- آہ! تم ہی وہ خدا کا عرش ہو جس پر سے خدا تعالیٰ حکومت کر رہا ہے-تم کو خدا نے نور دیا ہے جبکہ دنیا اندھیروں میں ہے' تم کو خدا نے ہمت دی ہے جبکہ دنیا مایوسیوں کا شکار ہو رہی ہے' تم کو خدا تعالیٰ نے برکت دی ہے جبکہ دنیا اس کے غضب کو اپنے پر نازل کر رہی ہے-اور کیوں نہ ہو تم خدا کی

پاک جماعت ہو تمہارے دل اس کے عرش ہیں۔ آہ! اندھی دنیا کو کیا معلوم ہے کہ جب ایک احمدی ان کے محلّہ میں پھرتا ہے تو وہ خدا تعالیٰ کا سورج ہے جو اس کے ظلمت کدہ کو منور کر رہا ہے مگر اندھے کو روشنی کون دکھائے۔ خوبصورت چہرہ بدصورت کے مقابلہ پر ہی زیادہ بھلا معلوم ہوتا ہے اور میں دنیا کو دیکھ کر اس جماعت کی خوبصورتی کو دیکھتا ہوں۔ کاش! لوگ میری آنکھیں لیتے اور پھر دیکھتے۔ کاش! لوگوں کو میرے کان ملتے اور پھر وہ سنتے۔ تب وہ تم میں وہ کچھ دیکھتے جس کے دیکھنے اور سننے کی انہیں امید نہ تھی۔ مگر ہر امر کے لئے ایک وقت ہوتا ہے۔ وہ دن آتے ہیں کہ جب مسیح موعود کی قوت قدسیہ کو لوگ دیکھیں گے۔ کاش! ہم بھی اس دن کو جو خدا کے پہلوان کی فتح کا دن ہوگا دیکھیں۔

اے عزیزو! اب میں اپنے خط کو ختم کرتا ہوں مگر یہ کہنا چاہتا ہوں کہ صاف کپڑے کی نگہداشت کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ میلے پر اور میل بھی لگ جائے تو اس کا پتہ نہیں لگتا۔ پس اپنے آپ کو صاف رکھو تا قدوس خدا تمہارے ذریعہ سے اپنے قدس کو ظاہر کرے۔ اور اپنے چہرہ کو بے نقاب کرے۔ اتحاد، محبت، ایثار، قربانی، اطاعت، ہمدردی بنی نوع انسان، عفو، شکر، احسان اور تقویٰ کے ذریعہ سے اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ خدا تعالیٰ کا ہتھیار بننے کے قابل بناؤ۔

یاد رکھو! تمہاری سلامتی سے ہی آج دین کی سلامتی ہے اور تمہاری ہلاکت سے ہی دین کی ہلاکت۔ دنیا تم کو تباہ کرنے کی کوشش کرتی ہے مگر مجھے اس کا فکر نہیں۔ اگر تم خدا کو ناراض کر کے خود اپنے آپ کو ہلاک نہ کر لو تو دنیا تم کو ہلاک نہیں کر سکتی۔ کیونکہ خدا نے تم کو بڑھنے کے لئے پیدا کیا ہے نہ ہلاک ہونے کے لئے۔ لکھنے کو تو بہت کچھ جی چاہتا تھا مگر اب دو بجنے کو ہیں۔ پس میں اس خط کو ختم کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کے ساتھ بھی ہو اور ہمارے ساتھ بھی۔ آمین۔

خاکسار

مرزا محمود احمد

۲۲ جولائی ۱۹۲۴ء

(الفضل 9۔ اگست ۱۹۲۴ء)

اغراض سفر کی اہمیت و مشکلات

پورٹ سعید کے قریب جہاز سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا دوسرا مکتوب گرامی

(تحریر فرمودہ ۲۸ جولائی ۱۹۲۴ء)

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ - ھُوَالنَّاصِرُ

برادرانِ جماعت احمدیہ! اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ- حَفِظَکُمُ اللّٰہُ عَنْ کُلِّ شَرٍّ وَنَصَرَکُمُ اللّٰہُ فِیْ کُلِّ مَوْطِنٍ وَزَادَکُمْ مَجْدًا وَکَثَّرَکُمْ عَدَدًا- مَا زِلْتُمْ تَحْتَ ظِلِّ حِمَایَتِہٖ وَشَمْسِ عِنَایَتِہٖ-

افراتفری میں سفر کی تیاری

آج ہمیں قادیان سے چلے چودہ(۱۴)دن ہوگئے ہیں یعنی پورے دو ہفتے گزر چکے ہیں۔ مگر ابھی تک معلوم نہیں ہوسکا کہ ہم کس حال میں ہیں۔ جس افراتفری میں اس سفر کی تیاری ہوئی ہے شاید اس کی مثال پہلے دنیا میں نہ ملتی ہو۔ چھ ہزار میل کا سفر اور صدیوں کی تبلیغ کے لئے سکیم بنانے کی تجویز' اور حالت یہ ہے کہ سفر کے شروع ہونے تک کسی بات کے سوچنے کا موقع نہیں ملا۔ مذاہب کانفرنس کے

متعلق ہمیں مئی میں علم ہوا ہے۔ اسکے بعد میں نے مشورہ کیا اور فیصلہ کیا کہ اس میں مضمون بھیجنا چاہیئے۔ اطلاع نامکمل تھی اس لئے سیکرٹری کو تار دی گئی اور اس کا جواب ۱۲ مئی کے قریب ملا۔ پھر مشورہ کیا گیا اور بعض لوگوں کی اس تجویز پر بھی غور کیا گیا کہ مجھے خود جانا چاہیئے۔ اس مشورہ کے نتیجہ کے بعد میں نے باہر کے دوستوں سے بھی مشورہ پوچھا اور چونکہ مسلم لیگ کا اجلاس تھا اور اس میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے تعلقات کا سوال پیش تھا جس کا اثر خود ہماری جماعت پر اور اسلام کی ترقی پر بھی پڑتا تھا اس لئے میں اس کام میں مشغول ہو گیا۔ تیئس تاریخ تک میں اس کام سے فارغ ہوا۔

مذہبی کانفرنس کے لئے مضمون لکھنا

اور چوبیس کو میں نے مضمون لکھنا شروع کیا۔ جو اس قدر وسیع ہو گیا کہ اس کا وہم و گمان بھی نہ تھا۔ یعنی ساڑھے چار سو کالم تک پہنچ گیا۔ دو دن میں بیمار رہا، کُل بارہ دن میں چھ جون تک یہ مضمون ختم ہوا۔ چونکہ میں مضمون اردو میں لکھتا ہوں اور دوسرے دوست اسے انگریزی میں ترجمہ کرتے ہیں۔ اس لئے میرے لئے ایسے مضامین کے متعلق کئی کام ہوتے ہیں۔ اول مضمون کا لکھنا، دوسرے اس کی نظر ثانی کرنا اور غلطیوں کا درست کرنا، حوالوں کا لگانا وغیرہ۔ تیسرے جو ترجمہ انگریزی میں ہوا ہو اس کو سننا اور اس کا اُردو کے مضمون سے مقابلہ کر کے دیکھنا کہ آیا ترجمہ صحیح بھی ہو گیا ہے یا نہیں اور مطلب کو واضح کرتا ہے یا نہیں۔ ساتھ ساتھ دوسرے ساتھی جو انگریزی کے واقف ہوتے ہیں، مضمون کی انگریزی زبان میں بھی مناسب اصلاح کرتے چلے جاتے ہیں بالعموم یہ اصلاح اور مقابلہ بھی اتنا ہی وقت لیتا ہے جتنا کہ اصل مضمون کی تصنیف۔ نظر ثانی بھی بہت سا وقت لیتی ہے۔ اس قدر لمبے مضمون کے متعلق جو دقّت ہو سکتی تھی وہ سمجھ میں آسکتی ہے۔ مضمون لکھنے کے دنوں میں بھی مجھے بسا اوقات رات کے بارہ بارہ بجے تک اور بعض دفعہ تو دو دو بجے تک بیٹھنا پڑتا تھا۔ اس شدید گرمی کے موسم میں جبکہ دن کو کام بھی مشکل ہوتا ہے، رات کے وقت لیمپ کی روشنی میں بارہ بارہ بجے تک کام کرنا سخت مشکل کام ہے اور میرے جیسے کمزور صحت کے آدمی کے لئے تو ناممکن معلوم ہوتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے ہمت بخش دی اور کام ہو گیا۔ اس کے بعد نظر ثانی کا کام شروع ہوا اور پھر ترجمہ کے مقابلہ اور اصلاح کا۔ چونکہ مضمون کے لکھنے کے دنوں میں ملاقاتوں اور ڈاک کے کام کو ہلکا کر دیا تھا۔ اس لئے اب وہ کام بھی جمع ہو گیا۔ پس نصف دن اس کے لئے لگانا پڑتا اور نصف مضمون کے لئے۔ اور اسوجہ سے یہ نظر

ثانی کا کام لمبا ہو گیا اور میرے لئے آرام کا کوئی موقع باقی نہ رہا- مجھے ان دنوں میں بالکل معلوم نہ ہوتا تھا کہ دن کب ہوتا ہے اور رات کب' کیونکہ میرے لئے یہ دونوں چیزیں برابر تھیں اور اس وجہ سے مجھے سفر کے لئے پروگرام بنانے کا بھی کوئی موقع نہیں ملتا تھا- نظر ثانی اور ترجمہ اور اس کی اصلاح کا کام جس میں چوہدری ظفراللہ خان صاحب' مولوی شیر علی صاحب اور عزیزم مرزا بشیراحمد صاحب نے رات اور دن کو ایک کردیا- فَجَزَاهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ الْجَزَاءِ ۲ جولائی کو جاکر ختم ہوا-

دوسرا مضمون لکھنے کی تجویز

اور اس عرصہ میں یہ فیصلہ ہوا کہ جو مضمون لکھا گیا ہے وہ اس طرز کا ہے کہ اس کا کوئی حصہ پڑھ کر سنانا مناسب نہیں اور سارا مضمون کسی صورت میں بھی پڑھا نہیں جاسکتا- اس لئے ایک نیا مضمون لکھا جائے جو مختصر ہو اور پہلے مضمون کو بطور کتاب شائع کردیا جائے- اس فیصلہ کا یہ نتیجہ ہوا کہ دو تاریخ کو فارغ ہوتے ہی مجھے نئے مضمون کی تصنیف میں مشغول ہونا پڑا- دو سے نو(۹) جولائی تک یہ مضمون لکھا گیا- اس کی نظر ثانی ہوئی اور اس کا ترجمہ ہوا اور اس کی صحت ہوئی- یہ مضمون بھی سَو کالم کا تھا اور اس سے دوست اندازہ کرسکتے ہیں کہ ان سات دنوں میں ہمیں ہرگز ایک منٹ کی بھی فرصت نہیں مل سکتی تھی-

دو دن

نو اور دس کی درمیانی رات کے گیارہ بجے یہ مضمون ختم ہوا اور ۱۲ تاریخ کو ہم نے جانا تھا- پس دس اور گیارہ دو تاریخیں تھیں جو مجھے فراغت کی ملیں- ان تاریخوں میں بھی مجھے کسی سکیم پر غور کرنے یا گھر کے کاموں کے لئے فرصت نہیں مل سکتی تھی- اپنے بعد قادیان میں انتظام کا فیصلہ کرنا' لائبریری میں سے بعض کتب کا نکالنا جو سفر کے لئے ضروری تھیں' دوسرے لوگوں کی کتب کو واپس کرنا' اس کام پر یہ دو دن خرچ ہو گئے-

مزار مسیح موعودؑ اور تڑپا دینے والے خیالات

جس دن صبح کے وقت چلنا تھا اس دن رات کے ایک بجے میں اپنے بعد کام کے چلانے کے متعلق ہدایات لکھنے سے فارغ ہوا- اور صبح عزیزم عبدالسلام ولد حضرت خلیفہ اول کو جو بیمار تھے دیکھ کر اس آخری خوشی کو پورا کرنے چلا گیا جو اس سفر سے پہلے میں قادیان میں حاصل کرنی چاہتا تھا- یعنی اُقَائِیْ وَ سَیِّدِیْ وَرَاحَتِیْ وَ سُرُوْرِیْ وَحَبِیْبِیْ وَمُرَادِیْ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مزار مبارک پر دعا کرنے کے لئے- ایک بے بس عاشق

اپنے محبوب کے مزار پر عقیدت کے دو پھول چڑھانے اور اپنی ٹوٹی پھوٹی زبان میں دعا کر دینے کے سوا اور کیا کر سکتا ہے۔ سو اس فرض کو ادا کرنے کے لئے میں وہاں گیا۔ مگر آہ! وہ زیارت میرے لئے کیسی افسردہ کن تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مُردے اس مٹی کی قبر میں نہیں ہوتے بلکہ ایک اور قبر میں رہتے ہیں۔ مگر اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اس مٹی کی قبر سے بھی ان کو ایک تعلق رہتا ہے اور پھر اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ انسانی دل اس قُرب سے بھی جو اپنے پیارے کی قبر سے ہو ایک گہری لذت محسوس کرتا ہے۔ پس یہ جدائی میرے لئے ایک تلخ پیالہ تھا اور ایسا تلخ کہ اسکی تلخی کو میرے سوا کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ میری زندگی کی بہت بڑی خواہشات میں سے ہاں ان خواہشات میں سے جن کا خیال کر کے بھی میرے دل میں سرور پیدا ہو جاتا تھا' ایک یہ خواہش تھی کہ جب میں مرجاؤں تو میرے بھائی جن کی محبت میں مَیں نے عمر بسر کی ہے اور جن کی خدمت میرا واحد شغل رہا ہے' حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عین قدموں کے نیچے میرے جسم کو دفن کر دیں تا کہ اس مبارک وجود کے قرب کی برکت سے میرا مولا مجھ پر بھی رحم فرماوے۔ ہاں شاید اس قرب کی وجہ سے وہ عقیدت کیش احمدی جو جذبہ محبت سے لبریز دل کو لے کر اس مزار پر حاضر ہو میری قبر بھی اس کو زبان حال سے یہ کہے کہ

؎ اے خانہ برانداز چمن کچھ تو ادھر بھی

اور وہ کوئی کلمہ خیر میرے حق میں بھی کہہ دے جس سے میرے رب کا فضل جوش میں آکر میری کوتاہیوں پر سے چشم پوشی کرے اور مجھے بھی اپنے دامن رحمت میں چھپالے۔

آہ! اس کی غنا میرے دل کو کھائے جاتی ہے اور اس کی شان احدیت میرے جسم کے ہر ذرہ پر لرزہ طاری کر دیتی ہے۔ پس میں سمجھتا تھا کہ شاید یہ جسمانی قرب رُوحانی قرب کا موجب بن جائے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل تو سب ہی کچھ کر سکتا ہے۔ مگر اپنی شامت اعمال اور صحت کی کمزوری دل کو شکارِ اوہام بنا دیتے ہیں۔ پس میری جدائی حسرت کی جدائی تھی کیونکہ میں دیکھ رہا تھا کہ میری صحت جو پہلے ہی کمزور تھی' پچھلے دنوں کے کام کی وجہ سے بالکل ٹوٹ گئی ہے۔ میرے اندر اب وہ طاقت نہیں جو بیماریوں کا مقابلہ کر سکے۔ وہ ہمت نہیں جو مرض کی تکلیف سے مستغنی کر دے۔ ادھر ایک تکلیف دہ سفر درپیش تھا جو سفر بھی کام ہی کام کا پیش خیمہ تھا اور ان تمام باتوں کو دیکھ کر دل ڈرتا تھا اور کہتا تھا کہ شاید کہ یہ زیارت آخری ہو۔ شاید وہ امید حسرت میں تبدیل ہونے والی ہو۔ سمندر پار کے مُردوں کو کون لا سکتا ہے۔ ان کی قبر یا سمندر کی تہہ اور مچھلیوں کا پیٹ ہے یا

دیارِ بعیدہ کی وہ سرزمین جہاں مزارِ محبوب پر سے ہو کر آنے والی ہوا بھی تو نہیں پہنچ سکتی- اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ایک وہم تھا- کون کہہ سکتا ہے کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے ہم اللہ تعالیٰ کے فضل کے ہی امیدوار ہیں اور میں تو کبھی اس سے مایوس نہیں ہوا- کیونکہ میں اس کا بندہ ہوں اور میرا یہ حق ہے کہ میں اس سے مانگوں اور وہ میرا رب ہے اور اس کی شان ہے کہ وہ مجھے دے- مگر "عشق است و ہزار بدگمانی" - عشق اور محبت وہم پیدا کیا ہی کرتے ہیں- اور خصوصاً اس قدر لمبا سفر اور ایسی تکلیف کا سفر اور صحت کی خرابی' ایسے قوی موجبات ہیں کہ جن کے سبب سے ایسے وہم بالکل طبعی ہیں-

روانگی کی گھڑی

غرض حسرت واندوہ سے میں اس مقام سے جدا ہوا اور گھر پہنچا- صرف ایک ایک دو دو منٹ مجھے اپنی بیویوں سے ملنے کے لئے ملے- اور اتنا ہی وقت حضرت والدہ مکرمہ اور ہمشیرگان سے ملاقات کے لئے- چلتے ہوئے اپنے بعض بچوں کی شکل بھی نہیں دیکھ سکا- میں یہ بھی نہیں دیکھ سکا کہ میرے ساتھ کیا اسباب ہے- آیا کوئی ضروری چیز رہ تو نہیں گئی- خود فرصت نہ دیکھ کر اپنے دو عزیزوں کو اس کام کے لئے مقرر کیا تھا کہ وہ ایک نظر ڈال لیں اور فہرست بنالیں مگر کام کی کثرت کی وجہ سے ان سے فہرست لینا بھی بھول گیا- راستہ میں دو دن دوستوں کی ملاقاتوں میں صرف ہوئے اور ان دنوں میں بھی آرام کا موقع نہیں ملا- بمبئی پہنچے تو معلوم ہوا کہ جہاز دوسرے دن صبح ہی چلنا ہے اس رات بھی دو بجے تک کام کیا اور صبح سوار ہو گئے-

سمندر کا شدید طوفان

جہاز بندر سے نکلا ہی تھا کہ ایسا شدید طوفان آیا کہ الامان! ہمارے سب ساتھی سوائے بھائی جی اور چوہدری فتح محمد صاحب کے بیمار ہو گئے- اور کسی قدر طاقت چوہدری علی محمد میں رہی- باقی ہم سب صاحب فراش تھے- مجھے قے نہیں آئی' باقی اکثر کو قیئیں بھی بہت سی آئیں اور بعض کو کم -اکثر ساتھی تین دن تک پاخانہ 'پیشاب کے لئے بھی اُٹھ کر نہیں جاسکے- سر بستر پر سے اٹھانا مشکل تھا-

کھانے کی مشکلات

اور ادھر یہ مصیبت کہ بہت سے ٹکٹ بے خوراک کے تھے- اور بمبئی میں شام کو پہنچنے کی وجہ سے کھانے کا سامان نہیں خریدا جاسکا تھا- پس بیماری پر مزید تکلیف کھانے کا سامان نہ ہونے کی تھی -جن کے ٹکٹ کھانے کے بھی تھے وہ بھی معذور تھے یا تو کھایا نہ جاتا تھا اور اگر کھانے لگتے تو خوراک مناسب نہ تھی- گوشت عام طور

پر یا سؤر کا یا گردن مروڑے ہوئے مرغ کا ہوتا تھا یا ایک تھالی گائے کے گوشت کی جو وہ بھی ہندوستانی طریق خوراک کے خلاف- یہ گوشت چونکہ بمبئی کا خریدا ہوا تھا اس کا کھانا تو جائز تھا مگر وہ عام طور پر کھٹاس میں پکایا ہوا ہوتا تھا- جس کی وجہ سے ہمارے لئے کھانا اس کا بہت مشکل تھا- باقی اُبلے ہوئے آلو اور اُبلی ہوئی مچھلیاں تھیں- جن کو بِلا اعتراض کے کھایا جاسکتا تھا- ان حالات میں جو تکلیف تمام قافلہ کو پہنچی اس کا اندازہ ہمارے دوست نہیں کرسکتے-

دوستوں کی حالت اور دل توڑ دینے والا نظارہ

بعض کمزور طبیعت دوست تو رو پڑے اور بعض کو میں دیکھتا تھا کہ ان کے چہروں پر جُھریاں پڑ گئیں اور بوڑھے معلوم ہونے لگے- میں کسی وقت ہمت کرکے دوستوں کی ہمت بڑھانے کے لئے کمرے سے نفس پر زور کرکے باہر چلا جاتا تو سب دوست خوشی سے میرے گرد اکٹھے ہوجاتے- مگر جس طریق سے وہ اکٹھے ہوتے تھے وہ خود دل کو توڑ دینے والا تھا- وہ دوست جو میرے ساتھ تین چار دن پہلے اچھے بھلے اور تندرست سوار ہوئے تھے جب میں دیکھتا کہ وہ گھُٹنوں کے بل گھِسٹتے ہوئے جس طرح اپاہج چلتا ہے میری طرف آتے تھے اور آکر میرے پاس اس طرح لیٹ جاتے جس طرح زخمی پڑے ہوئے ہوتے ہیں تو میرا خدا ہی جانتا ہے کہ میرے دل پر اس نظارہ کا کیا اثر ہوتا تھا- یہ حالت چار دن تک تو بہت شدت سے رہی اور پانچویں دن بھی کافی سخت تھی گو زور کم ہونا شروع ہوگیا تھا- طوفان ان پانچ دنوں میں ایسا سخت رہا کہ جہاز کے عادی ملاح بھی نصف کے قریب بیمار ہوگئے اور افسر اس قدر گھبرا گئے کہ جب کپتان جہاز سے پوچھا گیا کہ عدن کب پہنچیں گے- تو اس نے ہاتھ جوڑ کر آسمان کی طرف اٹھا دیئے اور آنکھیں آسمان کی طرف اٹھا دیں جس کا مطلب یہ تھا کہ خدا ہی پہنچائے گا- لہر اتنی اونچی تھی کہ میں جہاز کی اوپر کی چھت پر لیٹا ہوا تھا اور کمرے کے اندر تھا کہ ایک لہر بارہ گز اونچی اُٹھ کر چھت پر آگری- اور کمرہ کے اندر مجھ پر آکر گری جس سے میں تر بہ تر ہوگیا' کئی تختے ٹوٹ گئے-

میری طبیعت پر پہلی سخت اور بعد کی تکلیف کا یہ اثر ہوا کہ میرا حلق بالکل بیٹھ گیا دن میں تین دفعہ دوائی لگائی جاتی ہے اور کئی دفعہ پلائی جاتی ہے مگر کوئی اثر نہیں- گلے میں شدید درد ہے اور ساتھ ہی بخار بھی شروع ہوگیا ہے- ہلکا ہلکا بخار دن بھر رہتا ہے - سر میں بھی درد رہتا ہے اور طبیعت روز بروز گھُلتی جاتی ہے اور آگے کام کا پہاڑ نظر آتا ہے اور سفر کی شدائد ابھی باقی ہیں- حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں:-

؎ جو صبر کی تھی طاقت اب مجھ میں وہ نہیں ہے

اور میں دیکھتا ہوں کہ:۔

؎ جو کام کی تھی طاقت اب مجھ میں وہ نہیں ہے

اغراض سفر

جس کام کے لئے میں جارہا ہوں وہ اپنی نوعیت میں بالکل نرالا ہے۔ ایسا نرالا کہ اب تک ہمارے بعض دوست بھی اس کو نہیں سمجھے۔ میں نے سنا کہ ایک دوست ریل میں ایک غیر احمدی کو سمجھا رہے تھے کہ ان کے ولایت جانے کی غرض تبلیغ اسلام ہے ۔حالانکہ گو تبلیغ اسلام ہر اک کا فرض ہے اور میرا بھی مگر جیسا کہ میں نے بوضاحت لکھا ہے تبلیغ کے لئے باہر جانا خلیفہ کے لئے درست نہیں۔ اس کا اصل کام تبلیغ کی نگرانی ہے۔اس کا مبلّغ کے طور پر باہر جانا سلسلہ کے لئے ایسی خطرناک مشکلات پیدا کرسکتا ہے جن سے باہر نکلنا مشکل ہوجائے۔ پس یہ سفر تبلیغ کے لئے نہیں ہے بلکہ تبلیغ کی مشکلات کو معلوم کرنے اور ایسا مقامی علم حاصل کرنے کے لئے ہے جو آئندہ مغربی ممالک میں تبلیغ کرنے کے لئے مُمِدّ ہو - اور ان خطرناک آفات کو معلوم کرنے اور ان کا علاج دریافت کرنے کے لئے ہے جو مغربی ممالک میں اسلام کے پھیلنے کے ساتھ ہی پیدا ہونے والی ہیں ۔اور جن کو اگر پہلے سے مدنظر نہ رکھا گیا تو اسلام کا مغرب میں پھیلنا ہی اسلام کی تباہی کا موجب ہوگا۔

کام کی مشکلات

ان مشکلات کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ وہ ممالک جو اسلامی کہلاتے ہیں وہ بھی یورپ کی تہذیب کے اثر کے نیچے پردہ کو چھوڑ بیٹھے ہیں٬عورت اور مرد کے اکٹھے ناچ کا ان میں رواج پایا جاتا ہے٬سود عام ہوچکا ہے۔ جب یہ اثر یورپ کے لوگوں نے صرف ملاقات سے ان مسلمان قوموں پر ڈال دیا ہے جو نسلاً بعد نسل مسلمان چلی آتی ہیں اور جو اس سے پہلے اسلامی احکام کی عادی ہوچکی تھیں تو کس طرح امید کی جاسکتی ہے کہ یہ قومیں مسلمان ہوکر ان عادات کو چھوڑ دیں گی۔ لیکن اگر یہ مسلمان ہوکر ان عادات کو قائم رکھیں تو یقیناً دوسری اسلامی دنیا جو اس وقت تک اسلامی احکام پر قائم ہے ان کو مسلمان بھائی خیال کرکے اپنی پہلی حالت کو بدل دے گی۔ کیونکہ یورپ کو دنیا کے خیالات پر ایسی حکومت ہے کہ وہ مسمریزم سے مشابہ معلوم ہوتی ہے۔ جب یورپ مسلمان ہوا تو مسلمانوں پر اس کے خیالات کا اثر اور بھی بڑھ جائے گا اور جس بات کو یورپ معمولی کہے گا وہ بھی معمولی سمجھنے لگیں گے۔

وجاہت کا اثر

وجاہت کا دنیا میں بڑا اثر ہوتا ہے اپنے اندر ہی دیکھ لو خواجہ کمال الدین صاحب اور مولوی محمد علی صاحب کو وجاہت حاصل تھی ۔ جماعت کے ایک حصہ کو انہوں نے کس طرح تباہ کردیا۔بعض لوگ واقعہ میں مخلص تھے اور حضرت مسیح موعود کے دعووں پر ایمان رکھتے تھے ۔ مگر ان کی وجاہت کے اثر کے نیچے جن باتوں کو انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہیں انہوں نے بھی کہہ دیا ٹھیک ہے۔ اگر یورپ کے مالدار اور فلاسفر مسلمان ہوگئے اور دنیا کی شان وشوکت نے مسلمانوں کی آنکھوں کو چُندھیادیا۔تو اس وقت اگر یورپ کے نو مسلموں نے کہا کہ پردہ سے مراد خدا تعالیٰ کی یہ پردہ نہیں ہو سکتا تھابلکہ اس سے مراد صرف اس وقت کی ضرورتوں کا پورا کرنااور بعض فسادوں سے بچنا تھاتو تمام عالم اسلام کہے گا کہ سبحان اللہ کیا نکتہ نکالا ہے۔ اور اگر اس نے یہ کہا کہ سود سے مراد بھی صرف وہ قرض ہے جو مصیبت زدہ لیتا ہے اس کو بے شک سود کہہ دینا چاہیئے۔ لیکن جو روپیہ لوگ تجارتوں اور جائدادوں کے بڑھانے کے لئے لیتے ہیں اس پر کیوں روپیہ قرض دینے والا نفع نہ لے یہ سود نہیں ۔تو سب لوگ کہیں گے کہ واہ واہ نہایت پُر حکمت بات نکالی ہے۔ پس ہم دو آگوں میں ہیں ۔اگر ہم یورپ کو مسلمان نہیں کرتے تب اسلام خطرہ میں ہے اور اگر ہم اسے مسلمان کرتے ہیں تب بھی اسلام خطرہ میں ہے۔ پس ہمارا فرض ہے کہ اس مسئلہ پر جس قدر بھی غور کیاجائے عقل حیران ہوتی جاتی ہے۔ہر ممکن پہلو سے غور کریں اور کوئی ایسی تدبیر نکالیں جس سے یہ دقّتیں دور ہوں۔ اور مغربی ممالک اسلام کو قبول بھی کرلیں اور اسلام کی اصلی شکل کو بھی نقصان نہ پہنچے۔

کام کے نظام اور کام میں فرق

چونکہ مسلمانوں میں سے عموماً اور ہندوستان سے خصوصاً حکومت جاتی رہی ہے۔ اور اس وجہ سے ہی حکومت کی روح بھی نہیں رہی اس لئے لوگ ان باتوں کے سمجھنے کے قابل ہی نہیں رہے۔ وہ اس امر کو تو سمجھ سکتے ہیں کہ کوئی کام عارضی طور پر کر کے ہم اس سے فائدہ اٹھالیں لیکن وہ اس امر کو نہیں سمجھ سکتے کہ ایک کام یہ بھی ہوتا ہے کہ کام کے کرنے کے طریق کا فیصلہ کیا جائے۔ ان کے نزدیک یہ بات ہر شخص فوراً سمجھ سکتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ایشیائی لوگ ہمیشہ اپنی کوششوں میں ناکام رہتے ہیں۔مغربی لوگ جو کام شروع کرتے ہیں پہلے اس کام کے سب پہلوؤں پر نظر ڈالتے ہیں اور اس کی مشکلات کو حل کرنے کی تدبیریں سوچتے ہیں پھراس کام کو کرتے ہیں اور اس وجہ سے اکثر کامیاب بھی ہوتے ہیں جب تک یہ مرض ایشیائیوں کے دل سے دُور نہ ہوگی کہ

ایک منٹ کے فکر کے بعد جو خیال ان کے دل میں آجائے وہ سکیم نہیں کہلاتی- بہت سی باریک باتیں ہوتی ہیں جو لمبے غور اور بڑے تجربہ سے معلوم ہوتی ہیں اس وقت تک وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے-

ایک عام بیماری

ہمارے ملک میں یہ عام بیماری ہے کہ ایک شخص جو عمر بھر کسی کام میں صرف کر دیتا ہے' اس کی رائے کے مقابلہ میں ایک ناتجربہ کار آدمی جھٹ اپنی رائے کو پیش کر دے گا اور سمجھ لے گا کہ دو منٹ بات سن کر میں نے سب باتیں معلوم کر لی ہیں- اور یہ بیماری اسی خیال کا نتیجہ ہے کہ وہ کام کے نظام اور کام میں فرق نہیں سمجھ سکتے- کام معمولی آدمی بھی کر سکتے ہیں مگر کاموں کا نظام صرف بہت بڑے ماہر بہت غور کے بعد تجویز کر سکتے ہیں- ایک عمارت کا نقشہ ایک ماہر فن تجویز کرتا ہے اور بنا ایک مستری بھی لیتا ہے-

سفر کی غرض پر انگریزوں کو تعجب

خلاصہ یہ کہ ہمارے کام کی مشکلات میں سے ایک یہ مشکل ہے کہ اس کی اہمیت کو لوگ نہیں سمجھ سکتے- حتّٰی کہ ابھی اپنی جماعت کے بعض لوگ بھی اس کو نہیں سمجھ سکتے- مگر یورپ کے لوگ فوراً سمجھ جاتے ہیں کیونکہ وہ ان کاموں کے عادی ہیں- اس قدر عرصہ سے ہم یورپ میں تبلیغ کر رہے ہیں کبھی اس پر انگریزوں نے تعجب نہیں کیا- لیکن میرے سفر کی غرض معلوم کر کے تمام تعجُّب کر رہے ہیں- مکرمی ذوالفقار علی خاں صاحب ایک کام کے لئے پچھلے دنوں شملہ گئے تھے وہاں گورنمنٹ کے مختلف انگریز وزراء سے ان کی گفتگو ہوئی' وہ شوق سے اس سفر کی غرض دریافت کرتے اور جب غرض کو معلوم کرتے تو سخت حیرت کا اظہار کرتے اور میری نسبت پوچھتے کہ کیا وہ اس کام کو ممکن خیال کرتے ہیں بلکہ ایک وزیر نے تعجب سے کہا کہ کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ یورپ مسلمان ہو کر پردہ کو بھی تسلیم کر لے گا یہ کبھی نہیں ہو سکتا- جہاز پر جو انگریز اس کو سنتا ہے' سخت تعجب کرتا ہے- ایک انگریز سے بعض دوستوں کی گفتگو ہوئی جب اس نے سفر کی وجہ سنی تو حیران ہو کر پوچھنے لگا کہ کیا آپ کو "کے نیوٹ" کا قصہ معلوم ہے؟ انہوں نے کہا- ہاں! تو کہنے لگا یہ ویسی ہی بات ہے

ایک بادشاہ کا قصہ

کے نیوٹ ایک انگریز بادشاہ تھا- اس کو خدا تعالیٰ نے بہت اقبال دیا تھا- ایک دن سمندر کے کنارے بیٹھا تھا اس کے درباریوں نے خوشامد کے طور پر کہنا شروع کیا کہ تمہاری حکومت تو زمین اور سمندر بھی مانتے ہیں- وہ دانا بادشاہ

تھا اس نے اپنی کُرسی سمندر کے کنارے پر بچھائی اور وہاں بیٹھ گیا۔ وہ وقت مَد کا تھا جس وقت سمندر جوش میں آتا ہے اور وہ میل میل خشکی پر چڑھ جاتا ہے۔ لہریں اٹھنے لگیں اور پانی کُرسی کے گرد اونچا ہونے لگا۔ کے نیوٹ ظاہر میں غصہ کی شکل بنا کر لہروں کو حکم دیتا کہ پیچھے ہٹ جاؤ مگر پانی بڑھتا چلا گیا یہاں تک کہ بادشاہ کے ساتھیوں کو جان کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ اس وقت بادشاہ اٹھ کر خشکی کی طرف آیا اور درباریوں سے کہا کہ دیکھا تم کس قدر جھوٹ کہتے تھے۔

قصہ کا مطلب

اس کا یہ مطلب تھا کہ جس طرح "کے نیوٹ" بادشاہ کے حکم سے باوجود اس کے اقتدار کے سمندر پیچھے نہیں ہٹا تھا اسی طرح یورپ کو ایشیائی طریق کا مسلمان بنانا ناممکن ہے۔ وہ کسی تدبیر سے اس کو قبول نہیں کر سکتا۔ مگر ادھر تو اس سفر پر انگریزوں کو اس قدر تعجب ہے ادھر ہم دیکھتے ہیں کہ محض تبلیغ پر انہوں نے کبھی تعجب نہیں کیا۔ وجہ یہی ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ منہ سے اسلام کا اقرار کرا کے اسلام سے ایک ظاہری تعلق تو یورپ کا پیدا کرایا جا سکتا ہے مگر اسلام کے تمدن کا ان کو عادی بنا دینا ناممکن ہے۔

یورپ کے اسلامی تمدن کو قبول نہ کرنے کا خطرہ

مگر جیسا کہ میں بتا چکا ہوں اگر یہی بات ہو کہ یورپ اسلام کو قبول کر لے مگر اس کے تمدن کو قبول نہ کرے تو یہ کیسی خطرناک بات ہو گی۔ اسلام جو تیرہ سو سال سے بالکل محفوظ چلا آیا ہے اس کی شکل کس طرح بدل جائے گی۔ اور مسیح موعود علیہ السلام کی آمد کی غرض کس طرح باطل ہو جائے گی۔ تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ پھر یورپ میں تبلیغ کے کام کو چھوڑ دو۔ کیونکہ یورپ کسی غیر معروف بے کس آدمی کا نام نہیں جو اپنے گھر میں بیٹھا رہتا ہے۔ اس کو اگر ہم اکیلا چھوڑ دیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ یورپ ایک زندہ طاقت کا نام ہے جس کی مثال اس ریچھ کی ہے جسے چھوڑنے کے لئے مسافر تو تیار تھا مگر وہ مسافر کو چھوڑنے کے لئے تیار نہ تھا۔ یورپ کا مذہب 'یورپ کا تمدن' یورپ کا علم دنیا کو کھا رہا ہے اور کھاتا چلا جا رہا ہے۔ ہمارا اسکو چھوڑ دینا یہ مطلب رکھتا ہے کہ ہم اسے چھوڑ دیں کہ وہ اسلام کا جو کچھ باقی رہ گیا ہے اسکو بھی کھا جائے اور ہماری ترقی کا میدان بالکل تنگ ہو جائے۔ ہم جس قدر آدمیوں کو ایک سال میں احمدی بناتے ہیں اس سے کئی گُنا لوگوں کو یورپ اپنا شکار بنا لیتا ہے اور پھر یورپ کی تصنیف کردہ کُتب ہمارے بچے بھی پڑھتے ہیں اور ان سے متاثر ہونے کے خطرہ میں ہیں پس یہ بالکل ناممکن ہے کہ ہم یورپ کو چھوڑ دیں۔

یوروپین تمدن چھوڑنے میں مشکلات

اب دوسری صورت یہ ہے کہ ہم یورپ میں سرنگ لگانی شروع کردیں اور اس کے بغیر ہمارے پاس کوئی چارہ نہیں- مگر یہ تو ہو نہیں سکتا کہ ایک دن میں چار پانچ کروڑ لوگ مسلمان ہو جائیں- اور ان کا الگ انتظام قائم ہو جائے وہ الگ اپنی سوسائٹی قائم کرلیں- لیکن اگر ایک ایک دو دو کر کے لوگ مسلمان ہوں تو وہ یورپ میں رہ کر یورپ کے تمدن کو چھوڑنا چاہیں بھی تو نہیں چھوڑ سکتے- مثلاً پردہ ہے- اول تو وہاں برادری اور دوستوں کے طنز کی برداشت ہی نَو مسلم کے لئے ناممکن ہے اور اگر وہ تیار ہو تو پھر وہاں کے حالات روک ہیں- پردہ کرنے والے ملکوں میں مکان ایسے بنائے جاتے ہیں کہ عورتیں گھر میں رہ کر بھی ہوا کھا سکیں' صحن ضرور ساتھ ہوتے ہیں مگر یورپ میں الگ صحن کا رواج نہیں' صرف کمروں میں لوگ رہتے ہیں- اب یہ خیال کرنا کہ ایک نَو مسلمہ رات اور دن ایک کمرہ میں بیٹھی رہے بالکل عقل کے خلاف ہے- پھر ایک اور سوال یہ ہے کہ وہاں گذارہ اس قدر گراں ہے کہ مرد کو سارا دن محنت کرنی پڑتی ہے اور وہ گھر کے کام میں عورت کی مدد نہیں کر سکتا- عورت اگر سودا نہ لائے تو گھر کا کام چل نہیں سکتا- وہ پردہ کرے تو گھر کا سودا کس طرح لائے- بے شک وہ نقاب سے کام لے سکتی ہے اور عورت کو سودا خریدنا منع نہیں ہے مگر پھر ایک اور دقّت ہے اور وہ یہ کہ یورپ ہندوستان کی طرح نہیں- وہاں گلیوں میں اس قدر موٹر چلتا رہتا ہے کہ جب تک آنکھیں پھاڑ کر اور ہوشیار ہو کر آدمی نہ چلے' اس کی جان ہر وقت خطرہ میں ہے- ایک ایک شہر میں سینکڑوں آدمی ہر سال موٹروں کے نیچے آکر مر جاتے ہیں- پس نقابیں پہن کر عورتوں کا پھرنا نہایت خطرناک اور موجب ہلاکت ہے- چند مسلمان ہونے والی عورتوں اور مردوں کے لئے حکومتیں اپنے قانون نہیں بدلیں گی' مکانوں والے اپنے مکان نہیں توڑ ڈالیں گے' پھر وہ لوگ کریں تو کیا کریں- یہ تو ایک چھوٹی سی مثال ہے ورنہ سینکڑوں دقّتیں ہیں جو مغرب کی تبلیغ کے راستہ میں ہیں اور جن میں سے بہت سی ایسی ہیں کہ ان میں مغربی نَومسلم مجبور ہوتا ہے- پس یہی ہو گا کہ وہ اسلام کو قبول کر کے بھی اپنی رسموں کو نہیں چھوڑے گا اور مسلمان ہونے کے بعد جب وہ وہی کام کرتا رہے گا جو وہ پہلے کرتا تھا تو آہستہ آہستہ اس میں یہ خیال پیدا ہو جائے گا کہ اس میں کوئی حرج نہیں' اور نتیجہ یہ ہو گا کہ اسلام ایک بدلی ہوئی صورت میں یورپ میں قائم ہو جائے گا اور ان سے آگے وہ اسلام ساری دنیا میں پھیل جائے گا- جس طرح یورپ نے مسیحیت کو تباہ کیا تھا' اَلعِیَاذُ بِاللّٰہِ ' وہ اسلام کو بھی دوستی

کے جامہ میں تباہ کردے گا۔

پس ہم دو آگوں میں ہیں -اور ہماری مثال وہی ہے کہ "نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن"- اس مشکل کا علاج سوچنے کے لئے یا وہاں کے مقامی حالات معلوم کرنے کے لئے تا کہ مُبلّغوں کی سختی سے نگرانی ہوسکے اور جہاز کو چٹانوں میں سے بہ حفاظت گذارا جاسکے اس سفر کی ضرورت پیش آئی ہے- اور غالباً اب آپ لوگ سمجھ گئے ہوں گے کہ کیسی مشکل غرض ہے- سوائے خدا تعالیٰ کی مدد کے ہم اس مشکل کو حل نہیں کرسکتے - مسلمان بنانا آسان ہے مگر اسلام کو ان سے بچانا مشکل ہے اور اس وقت میرے سفر کی یہی غرض ہے-

یورپ میں اشاعت اسلام کے متعلق خطرہ

یورپ کے واقف کہتے ہیں کہ یہ ناممکن ہے یورپ ضرور اسلام لائے گا مگر وہ ساتھ ہی اسلام کو بگاڑ دیگا اور اس کی شکل کو بالکل مسخ کردے گا- بالکل ممکن ہے کہ یورپ میں چاروں طرف سے اللہ اکبر کی آوازیں آنے لگیں اور سب جگہ گرجوں کی جگہ مساجد بن جائیں لیکن یہ فرق ظاہر کا ہوگا-لوگ تثلیث کی جگہ توحید کو دعویٰ کریں گے' مسیح کی جگہ رسول کریم ﷺ کی عزت زیادہ کریں گے' مسیح موعود پر ایمان لائیں گے' گرجوں کی جگہ مسجدیں بنائیں گے' مگر ان میں وہی ناچ گھر وہی عورت اور مرد کا تعلق' وہی شراب' وہی سامانِ عیش نظر آئیں گے- یورپ یہی رہے گا' گو وہ بجائے عیسائی کہلانے کے مسلمان کہلائے گا- میری عقل یہی کہتی ہے کہ حالات ایسے ہی ہیں مگر میرا ایمان کہتا ہے کہ تیرا فرض ہے کہ تُو اس مصیبت کو جو اگر اسلام پر نازل ہوئی تو اس کو کچل دے گی' دور کرنے کی کوشش کر- غور کر اور فکر کر اور دعا کر- پھر غور کر اور فکر کر اور دعا کر-اور پھر غور کر اور فکر کر اور دعا کر- کیونکہ تیرا خدا بڑی طاقتوں والا ہے-شاید وہ کوئی درمیانی راہ نکال دے اور اس تباہی کو جو اسلام کے سامنے ایک نئے رنگ میں کھڑی ہے دور کر دے- غیر احمدیوں کے لئے یہ دِقّت ہے کہ یورپ اپنی مخالفت سے ان کو تباہ کردے گا- ہمارے لئے یہ مشکل ہے کہ یورپ اپنی دوستی سے ہمارے دین کو برباد کردے گا- وہ تو اپنی حالت پر خوش ہیں' ہم لوگ خوش نہیں ہوسکتے- ان کو حکومتوں کی فکر ہے اور ہمیں اسلام کی-پس ہمارا فرض ہے کہ اس مصیبت کے آنے سے پہلے اس کا علاج سوچیں اور یورپ کی تبلیغ کے لئے ہر قدم جو اٹھائیں اس کے متعلق پہلے غور کرلیں- اور یہ ہو نہیں سکتا جب تک کہ وہاں کے حالات کا عینی علم حاصل نہ ہو- پس اسی وجہ سے باوجود صحت کی کمزوری کے میں نے اس سفر کو اختیار کیا ہے-

جماعت کے لئے انذار

اگر میں زندہ رہا تو میں اِنْشَاءَ اللّٰہُ اس علم سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کروں گا-اگر میں اس جدوجہد میں مرگیا تو اے قوم! میں ایک نذیر عُریان کی طرح تجھے متنبہ کرتا ہوں کہ اس مصیبت کو کبھی نہ بھولنا-اسلام کی شکل کو کبھی نہ بدلنے دینا- جس خدا نے مسیح موعود کو بھیجا ہے وہ ضرور کوئی راستہ نجات کا نکال دے گا- پس کوشش نہ چھوڑنا' نہ چھوڑنا' نہ چھوڑنا' آہ نہ چھوڑنا- میں کس طرح تم کو یقین دلاؤں کہ اسلام کا ہراک حکم ناقابل تبدیل ہے' خواہ چھوٹا ہو' خواہ بڑا -جو چیز سنت سے ثابت ہے وہ ہرگز نہیں بدلی جاسکتی- جو اس کو بدلتا ہے وہ اسلام کا دشمن ہے وہ اسلام کی تباہی کی پہلی بنیاد رکھتا ہے کاش وہ پیدا نہ ہوتا- مگر اس کے یہ معنے نہیں کہ تم دنیا کے حالات سے آنکھیں بند کرلو اور بعض نادانوں کی طرح کہہ دو کہ پھر یورپ کی تبلیغ پر لاکھوں روپیہ صرف کرنے کی کیا ضرورت ہے- یورپ سب سے بڑا دشمن اسلام کا ہے- وہ مانے نہ مانے تمہاری کوشش کا کوئی اثر ہو یا نہ ہو تم کو اسے نہیں چھوڑنا چاہئے- اگر تم دشمن پر فتح نہیں پاسکتے تو تمہارا یہ فرض ضرور ہے کہ اس کی نقل و حرکت کو دیکھتے رہو تا وہ تمہاری غفلت سے فائدہ اٹھا کر تم پر فتح نہ پالے- اور پھر میں کہتا ہوں کہ یہ کسی کو کس طرح معلوم ہوا کہ یورپ آخر اسلام کو قبول نہیں کرے گا- یورپ کے لئے تو اسلام کا قبول کرنا مقدر ہو چکا ہے-

ہمارا فرض یہ ہے کہ ہم دیکھیں کہ وہ ایسی صورت سے اسلام کو قبول کرے کہ اسلام ہی کو نہ بدل دے- پس ہم اگر یورپ کو چھوڑ دیتے ہیں تو ہماری مثال اس کبوتر کی ہوگی جو بلی کو دیکھ کر آنکھیں بند کرلیتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اب میں محفوظ ہوگیا ہوں- یہ ہو سکتا ہے کہ ہم کو جب تک صحیح راستہ معلوم نہ ہو ان لوگوں کے مسلمان بنانے پر زیادہ زور نہ دیں- مگر یورپ میں ایسے مشن رکھنے جو ہروقت حالات کو تاڑتے رہیں اور موقع کے منتظر رہیں نہایت ضروری ہے- قرآن کریم حکم دیتا ہے وَرَابِطُوْا ہمیشہ دشمن کی سرحد پر اپنے آدمی رکھو جو اسکی نقل و حرکت کو دیکھتے رہیں-جس دن مسلمانوں نے اس حکم سے غفلت کی اسی دن سے وہ تباہ ہونے لگے اور اگر تم بھی روپیہ کے خرچ سے ڈر کر یا کسی اور سبب سے ایسا کرو گے تو تم بھی تباہ ہوگے-خدا تم کو بچائے اور تمہارا حافظ و ناصر ہو-

مسیح موعود کے قائم مقام کے سفر یورپ کا ذکر قرآن میں

میں آخر میں اس امر کے بیان کرنے

سے بھی نہیں رک سکتا کہ یورپ کی طرف مسیح موعود یا آپ کے کسی جانشین کا اس غرض سے سفر کرنا جس غرض سے میں نے سفر کیا ہے' قرآن کریم میں بھی مذکور ہے۔ پس معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے سفر کے بغیر اسلام کی حفاظت کامل نہیں ہو سکتی۔ یہ ذکر سورۃ کہف میں ہے جس میں اللہ تعالیٰ ذوالقرنین کی نسبت فرماتا ہے۔

فَاَتْبَعَ سَبَبًا حَتّٰٓی اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِیْ عَیْنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا قُلْنَا یٰذَا الْقَرْنَیْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِیْهِمْ حُسْنًا قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ یُرَدُّ اِلٰی رَبِّهٖ فَیُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨالْحُسْنٰی وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا یُسْرًا[۱۱] پس ذوالقرنین ایک راستہ کی طرف چلا یہاں تک کہ وہ مغرب کے ملکوں میں پہنچ گیا۔ اور دیکھا کہ یہ ممالک جہاں سورج ڈوبتا ہے ایک گدلے چشمے کی طرح ہیں جس میں پانی تو ہے مگر بُودار اور گندہ جو استعمال کے قابل نہیں رہا۔ اور اس نے اس چشمہ کے پاس ایک قوم دیکھی جس کی نسبت ہم نے ذوالقرنین سے کہا کہ تُو ان کے متعلق کوئی فیصلہ کر۔ یا تو یہ فیصلہ کر کہ یہ تباہ کر دیئے جائیں اور یا تو ان سے ایسا سلوک کر کہ ان کی حالت اچھی ہو جائے۔ ذوالقرنین نے جواب میں کہا کہ جو ظلم کرنے والا ہو گا اس کو تو میں عذاب دوں گا اور پھر وہ خدا کی طرف لوٹایا جائے گا یعنی مر جائے گا۔ اور اس کو ایسا سخت عذاب ملے گا جو کسی کو کم ہی ملا ہو گا۔ اور جو شخص ایمان لائے اور نیک عمل کرے گا' پس اس کو نیک جزا ملے گی اور ہم اسے اپنے احکام سہولت کے ساتھ آسانی کے ساتھ سمجھائیں گے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام لکھتے ہیں کہ ذوالقرنین آپ کا نام ہے۔ اور گدلے چشمہ سے مراد مسیحی تعلیم ہے۔ جو ہے تو خدا تعالیٰ کی طرف سے مگر اب وہ خراب ہو گئی ہے اور استعمال کے قابل نہیں۔ مغرب کے لوگ اس چشمہ کے پاس ہیں۔ یعنی اس گندی تعلیم کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور قرآن کریم کی طرف توجہ نہیں کرتے۔

پس جب کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریر کے مطابق ذوالقرنین آپ ہیں اور مغربی ممالک سے مراد یورپ و امریکہ کے لوگ ہیں جو مسیحیت کے چشمہ پر ڈیرے ڈالے ہوئے ہیں۔ تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ مسیح موعودؑ یا ان کے کسی جانشین کو مغربی ممالک کا سفر کرنا ہو گا۔

کیونکہ قرآن کریم میں لکھا ہے کہ فَاَتْبَعَ سَبَبًا۔ حَتّٰٓی اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ۔ ذوالقرنین ایک ملک کی طرف گیا جو مغرب میں تھا۔ پس یہ سفر قرآن کریم کی اس پیشگوئی کے

مطابق ہے- نبیوں کے جانشین چونکہ نبیوں کے قائم مقام ہوتے ہیں ان کا کام نبیوں کا کام ہی کہلاتا ہے -پس خلیفۂ مسیح موعود کا جانا ایسا ہی ہے جیسے کہ خود مسیح موعود کا جانا-

پس یہ سفر درحقیقت ایک پیشگوئی کے ماتحت ہے جو ایسی اہم ہے کہ قرآن کریم میں اس کو بیان فرمایا گیا ہے- ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ سفر تبلیغ کے لئے نہیں بلکہ تبلیغ کے متعلق اصول طے کرنے اور علم حاصل کرنے کے لئے کیا جائیگا- کیونکہ اگر تبلیغ کے لئے سفر ہوتا تو یہ نہ کہا جاتا کہ اب خواہ ان کو ہلاک کر' خواہ ان کی بھلائی کی تدبیر کر- کیونکہ جو شخص تبلیغ کے لئے جاتا ہے یہ سمجھ کر جاتا ہے کہ یہ لوگ بچائے جانے کے قابل ہیں - نہ کہ وہ جاتا تو تبلیغ کے لئے ہے اور سوچنے لگ جاتا ہے کہ میں ان کو ہلاک کردوں- پس صاف ظاہر ہے کہ مسیح موعودؑ یا آپ کا جانشین خالی الذہن ہو کر جائے گا اور وہیں جاکر فیصلہ کرے گا کہ ان لوگوں سے کیا کیا جائے- اور اللہ تعالیٰ اسکو اختیار دے گا کہ وہ کامل غور اور فکر کے بعد جو چاہے کرے- خواہ تو ان کو اپنے کفر میں چھوڑ دے تاکہ اس دنیا میں کفر کے عذاب میں مبتلا رہیں اور اگلے جہان میں دوزخ اور خدا تعالیٰ سے بُعد کے عذاب میں مبتلا ہوں- اور یا پھر ان میں تبلیغ کو جاری کرنے کا فیصلہ کرے اور ان کی بہتری کی تجویز کرے- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس نتیجہ پر وہ پہنچے گا' وہ بَیِّن بَیِّن ہوگا- اور اس میں مختلف حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے مختلف تدابیر کو اختیار کیا جائے گا- وہ فیصلہ کیا ہوگا' اسے اللہ تعالیٰ نے مخفی رکھا ہے- اور چونکہ ابھی وقت نہیں آیا' وہ مجھ پر ظاہر نہیں ہے' اس لئے میں اس کا اعلان نہیں کرسکتا- ہاں اصول اللہ تعالیٰ نے بتادیئے ہیں اور میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھ سے یہ کام لے اور اس پیشگوئی کا ظِلّی طور پر مجھے مصداق بننے کا موقع دے-

غرض اے بھائیو! مسیح موعود یا ان کے کسی جانشین کا مغربی ممالک میں جانے اور وہاں جاکر ان کے متعلق آئندہ تبلیغ کے متعلق رائے قائم کرنے کی خبر قرآن کریم میں دی گئی ہے- اور گویا تمام سفر کا نقشہ کھینچ دیا گیا ہے جو اس وقت پیش آیا ہے-

سفر یورپ مسیح موعودؑ کی صداقت کا نشان

اور یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کا ایک عظیم الشان ثبوت ہے- کیونکہ یہ سفر بالکل خدا تعالیٰ کی مشیت کے ماتحت ہوا ہے- کسے چند ماہ پہلے اس سفر کا خیال بھی تھا اور پھر کس کو معلوم تھا کہ اس تحریک کے ہونے کے بعد باوجود سخت طبیعت میں بیزاری ہونے کے میں اس سفر پر جانے پر راضی ہو جاؤں گا- اور جماعت کی نوے فیصدی رائے یعنی ہر دس

انجمنوں میں سے نو(۹) انجمنیں اس امر کی رائے دیں گی کہ مجھے ولایت جانا چاہئے۔ اور پھر کس کو یہ خیال ہو سکتا تھا کہ اس قدر جلد سامان بھی جمع ہو جائے گا۔ پس احباب کو چاہئے کہ سفر کی جو غرض ہے اور جسے قرآن کریم نے بیان کیا ہے' اس کو یاد رکھیں - کیونکہ اس کے یاد رکھنے میں ہی اسلام کی نجات ہے اور اس کے بُھلا دینے میں اسلام کی تباہی۔ اگر آپ لوگ اس کام کی اہمیت کو جو میں نے اوپر بیان کی ہے یاد رکھیں گے تو اس کے خطرات کے ازالہ کی طرف بھی آپ کو توجہ رہے گی - اور اگر آپ صرف زید اور بکر کے مسلمان کرنے کی خوشی میں رہیں گے تو سخت خطرہ ہے کہ ایمان برباد ہو جائے اور اسلام مٹ جائے اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ -

سفر کی غرض کو پورا کرنا خدا ہی کا کام ہے

اے بھائیو! اصل غرض سفر کی تفصیل سے بیان کر دینے کے بعد میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا اس غرض کو پورا کرنا انسان کا کام ہے؟

اس انگریز نے سچ کہا جس نے اس سفر کو سمندروں کی لہروں پر حکومت کرنے کے خیال کے مترادف بتایا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ کام ایسا ہی ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ مشکل ہے۔ اور اس کے کئی نتائج بظاہر کم سے کم ایک صدی کا وقت چاہتے ہیں - سوائے اس کے کہ خدا تعالیٰ رحم کر کے ہماری زندگیوں میں یہ نظارہ ہمیں دکھا دے کہ مغرب میں اسلام پھیلے اور اسلام اس طرح پھیلے کہ وہ لوگ اسلام کو اپنے مطابق نہ بنائیں بلکہ اسلام کے مطابق خود بن جاویں۔ اور ایسی سکیم تیار ہو جائے کہ جس کے بعد اس بات کا خطرہ نہ رہے کہ مغربی تمدن اسلام کے اندر تغیّر کر سکے گا۔ پس اس کام کے لئے آپ لوگ جس قدر دعائیں کریں تھوڑی ہیں - بے شک آپ لوگ یہ دعا کریں کہ اس سفر میں تبلیغ کا بھی کوئی پہلو پورا ہو جائے تو کچھ حرج نہیں۔ مگر اصل زور دعا میں اس امر پر ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ وہ تدبیریں سمجھا دے کہ جن کی مدد سے یورپ کو حقیقی طور پر اسلام میں داخل کیا جا سکے۔ اور اسلام یورپ کے تمدن کے ایسے اثر سے جو اسلام کی حقیقت کے خلاف ہو محفوظ رہے۔

دعا کی تحریک

پھر میں کہتا ہوں کہ اپنی دعاؤں میں ہم تیرہ(۱۳) آدمیوں کو جو سفر پر جا رہے ہیں یاد رکھیں - جن میں سے نو(۹) تو وہ ہیں جو جماعت کے خرچ پر وفد کے طور پر جا رہے ہیں اور ہم چار آدمی اپنے خرچ پر سفر کر رہے ہیں۔ غرض سب کی ایک ہی ہے کہ خدا تعالیٰ کوئی کام لے لے اور عاقبت بخیر ہو جائے اور وہ یار یگانہ خوش ہو جائے۔ طبیعت میری بہت کمزور

ہے اور سفر سخت ہے- کام اس سے بھی زیادہ مشکل ہے -

اس وقت بھی بخار کی حالت میں مضمون لکھ رہا ہوں -ہڈیاں کھوکھلی ہوگئی ہیں' دماغ میں طاقت نہیں رہی' ہاتھ رہے جاتے ہیں' خدا ہی ہے جو اس کام سے فارغ فرماکر خیریت سے دیار محبوب میں پہنچائے- بس اب میں خط کو ختم کرتا ہوں کہ اس وقت میری یہ حالت ہے

دل میں اک درد اٹھا آنکھوں میں آنسو بھر آئے

بیٹھے بیٹھے مجھے کیا جانیئے کیا یاد آیا

جماعت کے لئے دعا اے میری عزیز قوم اور اے خدا کے فرستادہ کی مقدس جماعت! تمہاری بہبودی اور بہتری کا خیال میرے دل کو ہر وقت فکر مند رکھتا ہے -اور تمہاری محبت ہمیشہ مجھے بد گمانیوں میں مبتلا رکھتی ہے کہ "عشق است وہزار بدگمانی"- اے کاش میں اپنی آنکھوں سے تم کو وہ کچھ دیکھ لوں جو میں دیکھنا چاہتا ہوں- اے کاش تمہارا ایمان اور تمہارا یقین اور تمہارا ایثار اور تمہارے اخلاق اور تمہارا تمدن اور تمہارا علم اور تمہارے عمل اور تمہاری قربانیاں ایسی ہوں بلکہ اس سے بڑھ کر جو میں دیکھنی چاہتا ہوں -

اے کاش تم زمانہ کی دست بُرد سے محفوظ رہو- اے کاش تم ہر قسم کے فتنوں سے بچے رہو- خدا تعالیٰ تم میں ہمیشہ وہ لوگ پیدا کرتا رہے جن کے دل تمہاری خیر خواہی اور محبت کے جذبات سے پُر ہوں- اور جن کے افکار تمہاری بہتری کی تجاویز میں مشغول - تم یتیموں کی طرح کبھی نہ چھوڑے جاؤ اور سورج تم پر لاوارثی کی حالت میں کبھی نہ چڑھے - تم خدا کے پیارے ہو اور خدا تمہارا پیارا ہو- اے خدا! تُو ایسا ہی کر اور زندگی اور موت میں مجھے ایسا ہی رکھ-

خاکسار

مرزا محمود احمد

(الفضل ۱۶- اگست ۱۹۲۴ء)

سمندر پار کی آواز

مصر اور فلسطین کے حالات کا تجزیہ

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا تیسرا مکتوب گرامی

(تحریر فرمودہ ۱۵- اگست ۱۹۲۴ء)

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ - ھُوَالنَّاصِرُ

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

برادران جماعت احمدیہ! زَادَکُمُ اللّٰہُ عِلْماً وَ عِرْفَاناً وَرَفَعَکُمْ عِزّاً وَّشَأْناً-
اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

آپ کا ایک بھائی پسنا جہاز کے ایک چھوٹے سے کمرے میں لیٹے لیٹے آپ کا ایک بھائی جو تعلیم میں آپ میں سے ہزاروں سے کم اور عمر میں آپ میں سے سینکڑوں سے چھوٹا تھا۔ مگر خدا نے اپنی شان کے اظہار کے لئے اور اپنی قوت کے اعلان کے لئے

اس کو جماعت کا خلیفہ بنادیا آپ لوگوں کو یہ خط لکھ رہا ہے۔ لیٹے لیٹے اس لئے کہ ایک تو جہاز کا ڈاکٹر اسے اجازت نہیں دیتا کہ وہ زیادہ اٹھے - اور دوسرے چودہ (۱۴) دنوں کے لگاتار دستوں نے اور متواتر فاقوں نے اس میں اتنی ہمت بھی نہیں چھوڑی کہ وہ اُٹھ کر خط لکھے۔

آپ بیتی میں بیت المقدس میں تھا کہ مجھے اسہال آنے شروع ہوئے وہ دوسری تاریخ تھی آج پندرھویں تاریخ ہے - ہر قسم کے علاج کئے گئے ہیں مگر ایسا افاقہ جسے افاقہ کہا جاسکے' حاصل نہیں ہوا - آٹھ سے دس اسہال روزانہ کا تو اکثر معمول رہا ہے۔ اگر بعض دفعہ اسہال کم ہوئے تو فوراً زہر سر کو چڑھ کر طبیعت اور بھی کمزور ہو جاتی تھی -اب کل سے اس قدر فرق ہے کہ باوجود اس کے کہ اسہال چار پانچ آتے ہیں' زہریلے مادے جسم میں داخل ہو کر سر اور دل پر بد اثر نہیں ڈالتے -اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جہاز کے ڈاکٹر نے دو دفعہ دن میں انیمہ بتایا ہے یہ تو آپ بیتی ہے-اب میں مختصراً سفر کے متعلق کچھ لکھتا ہوں تفصیلاً آپ لوگ دوسرے لوگوں کی رپورٹوں میں پڑھ لیں گے۔

ضرورت مضمون نویسی وقائع نگاری میرا کام نہیں اور نہ میں ایسی بیماری کی حالت میں ادھر توجہ کر سکتا ہوں کہ اصل مضمون بھی نہ رہ جائے-نہ میں ایسے مضامین پر کچھ لکھ سکتا ہوں جن پر بحث کرنے کا مقام شوریٰ کی مجلس ہے نہ کہ اخبارات کے کالم- مگر میں ایسے اہم امور پر خود لکھنا چاہتا ہوں جو نہ اِخفاء چاہتے ہیں اور نہ دوسرے وقائع نگاروں سے متعلق ہیں -

اللہ تعالیٰ کا شکر سب سے پہلے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے اس وقت تک اس سفر کو نہایت مبارک اور کامیاب بنایا ہے- اور میں اس کے فضل سے امید کرتا ہوں کہ وہ آئندہ اس سے بھی زیادہ کامیاب بنائے گا- درحقیقت اس وقت تک جو کامیابی ہوئی ہے' وہ میرے تمام ہمراہیوں کے واہمہ اور خیال سے بہت بڑھ کر ہے- ہم میں سے بڑے سے بڑے پرواز کرنے والے شخص کو بھی اس قدر کامیابی کی امید نہ تھی- اور درحقیقت اس کامیابی کو دیکھ کر ہر اک شخص انگشت بدنداں تھا-میرے لئے تو وہ سر تا پا معجزہ تھی- کیونکہ میں قبل از وقت امیدیں لگانے کا عادی نہیں بلکہ دوسروں کو بھی ان باتوں سے روکتا ہوں۔

مصری علماء کی مخالفت پورٹ سعید سے اُتر کر میں نے مناسب سمجھا کہ شام جانے سے پہلے دو دن کے لئے قاہرہ ہو آویں - عزیزم شیخ محمود نے اخبارات

کے ایڈیٹروں کو آمد کی خبر دے دی تھی مگر سوائے دو تین اخبارات کے کسی نے اس خبر کو نہ چھاپا جس کی وجہ وہ مخالفت ہے جو مصری علماء کے دلوں میں ہماری نسبت پیدا ہو رہی ہے۔ وہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ سب سے بڑھ کر اسلامی ترقی کا مرکز بننے کا ہمارا حق ہے۔ ازہر کے سوا ان کو کچھ نظر نہیں آتا۔ اور واقعہ میں علوم ظاہری میں سب دنیا میں اب ازہر ہی لے دے کے مسلمانوں کے پاس ہے۔ اور اسی وجہ سے شام فلسطین عراق ایران اور عرب اسی کی طرف نگاہ رکھتیں ہیں۔ اگر کوئی مأمور خدا تعالیٰ کی طرف سے آگیا ہے تو ازہر اپنی عزت کا خاتمہ سمجھتا ہے۔ ازہریوں کے ذہن میں یہ بات نہیں آسکتی کہ نبی ذلیل کرنے نہیں بلکہ لوگوں کو معزز بنانے کے لئے آتے ہیں مگر یہ عقل ان کو کون دے۔ اور جب تک یہ عقل ان میں پیدا نہ ہو ان کی اصلاح کس طرح ہو سکتی ہے۔ اس وقت تک کہ یہ بات ان کی سمجھ میں آوے ان کی طرف سے مخالفت ضروری ہے۔

یورپین تہذیب کی تباہی اور مصر

ہم قاہرہ میں صرف دو دن ٹھہرے اور قاہرہ بمبئی سے بڑا شہر ہے۔ مغربی تعریف جو تہذیب کی ہے اس کے لحاظ سے ہندوستانی شہروں سے تہذیب میں بدرجہا بڑھ کر ہے۔ ساری دنیا کے آدمی آپس میں ملتے ہیں۔ یورپ امریکہ افریقہ ایشیاء اس میں اس طرح جمع ہیں جس طرح ناف میں پیٹ کی چاروں طرفیں جمع ہو جاتی ہیں۔ اور اس کی وجہ سے وہاں کے لوگوں کے اخلاق پر مغربی تعلیم کا بہت بُرا اثر پڑا ہے۔ میرے نزدیک مصر مسلمانوں کا بچہ ہے جسے یورپ نے اپنے گھر میں پالا ہے تاکہ اس کے ذریعہ سے بلاد اسلامیہ کے اخلاق کو خراب کرے۔ مگر میرا دل کہتا ہے اور جب سے میں نے قرآن کریم کو سمجھا ہے میں برابر اس کی بعض سورتوں سے استدلال کرتا ہوں اور اپنے شاگردوں کو کہتا چلا آیا ہوں کہ یورپین فوقیت کی تباہی مصر سے وابستہ ہے۔ اور اب میں اسی بناء پر کہتا ہوں کہ یورپ نے اس امر میں ایسا ہی دھوکا کھایا ہے۔ جیسا کہ فرعون نے۔ مصر جب خدا تعالیٰ کی تربیت میں آجائے گا تو وہ اسی طرح یورپین تہذیب کے مخرب اخلاق حصوں کو توڑنے میں کامیاب ہو گا جس طرح حضرت موسیٰ فرعون کی تباہی میں۔ بے شک اس وقت یہ عجیب بات معلوم ہوتی ہے مگر جو زندہ رہیں گے وہ دیکھیں گے۔

قاہرہ میں کام کی تقسیم

میں نے قاہرہ پہنچتے ہی جو ملک مصر کا دارالخلافہ ہے اور عام طور پر لوگوں میں مصر کے نام سے مشہور ہے اس بات کا اندازہ لگا کر کہ

وقت کم ہے اور کام زیادہ ساتھیوں کو تین حصوں میں تقسیم کردیا- ایک حصہ اخبارات و جرائد کے مدیروں کے ملنے میں مشغول ہوا- اور دوسرا پاسپورٹوں اور ڈاک کے متعلق کام میں لگ گیا' تیسرا سفر کی بعض ضرورتوں کے مہیا کرنے میں-

قاہرہ میں گرانی

قاہرہ نہایت گراں شہر ہے- تین بکسوں کے تالے خراب تھے- ان کے درست کرانے پر سترہ روپے لگے- ہندوستان میں ایک روپیہ سے زائد غالباً نہ لگتا- اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ یہاں کا تمدن بالکل یورپ کی طرح کا ہے- اور اگر ہم یہاں مضبوط مشن قائم کریں تو اس پر اسی قدر خرچ ہوگا جیسا کہ یورپین بلاد کے مشنوں پر- ریل کا قلی سارے ملک مصر میں بلکہ فلسطین اور شام میں بھی پانچ آنے فی بکس ریل سے اتارنے کے لیتا ہے- ہمارے ملک میں دو پیسے تھے- اب سنا ہے ایک آنہ ہوگیا ہے- میں نے کئی لوگوں کو دو پیسہ پر بھی لڑتے ہوئے دیکھا ہے- یہاں پانچ آنے لیکر بھی بخشیش کا سوال درمیان ہی میں رہتا ہے- مگر ایسا نہ ہو کوئی صاحب اس بات کو پڑھ کر ادھر کا رخ کر بیٹھیں کہ یہ مزدوری اچھی ہے- بے شک مزدوری اچھی ہے مگر صرف انہی ملکوں کے باشندوں کے لئے- ہندوستانی غرباء یہاں بہت تنگ حال ہیں اور ان کو مزدوری نہیں دی جاتی- اِدھر اُدھر لوگوں کے ساتھ پھر کر گذارہ کر لیتے ہیں- اور ہندوستان کے لئے موجب عار ہیں- ایک فن کا آدمی میرے نزدیک یہاں کما سکتا ہے اور وہ دھوبی ہے- یہاں کے لوگ ہندوستانی دھوبیوں کا فن نہیں جانتے- بھٹی کا طریق رائج نہیں- سوائے انگریزی کارخانوں کے- دھلائی پانچ آنے سے آٹھ آنے تک قمیص پاجامے کی قسم کے کپڑوں کی ہے- کوٹ وغیرہ کی اور بھی زیادہ- خلاصہ یہ ہے کہ یہ علاقے تبلیغ کے لئے بہت روپیہ چاہتے ہیں مگر اسی طرح جب ان میں تبلیغ کامیاب ہوجائے تو اشاعتِ اسلام کے لئے ان سے مدد بھی بہت کچھ مل سکتی ہے- اور یورپ سے تبلیغ یہاں آسان ہے- کیونکہ اسلام کی طرف منسوب ہیں اور اسلام سے محبت پہلے سے ہے-

مصر کی پارٹیاں

میں لکھ چکا ہوں کہ میں نے بعض دوستوں کو اخبارات کے ایڈیٹروں کے پاس بھیجا تھا- مصر میں تین پارٹیاں ہیں- ایک سعید زغلول پاشا کی[۲۴] جو موجودہ وزیر اعظم ہیں- ایک وطنیوں کی اور ایک حزب الاحرار کی- ان میں سے وطنی جن کے لیڈر عبدالعزیز پاشا ویلش ہیں جو سعید زغلول پاشا کے قتل کی سازش کی تحقیقات کی ضمن میں قید ہیں' ہمارے سب سے بڑے دشمن ہیں- کیونکہ یہ لوگ اخبار اللواء کی یادگار ہیں جس نے حضرت

مسیح موعود علیہ السلام کی مخالفت کی تھی -اور جس کے جواب میں آپ نے الھُدٰی لکھی تھی- انکی پارٹی پہلے سب سے طاقتور تھی اب بہت کمزور ہے- دوسری پارٹیوں کو بہ حیثیت پارٹی ہم سے مخالفت نہیں مگر عوام کی آواز کی اتباع سب اپنا فرض سمجھتے ہیں- حتّٰی کہ مسیحی اخبار کیونکہ بغیر اس کے بِکری ناممکن ہے-

اخبارات کی طرف سے مدد کا وعدہ

جن اخبار نویسوں سے ہمارے دوست ملے انہوں نے آئندہ ہر طرح مدد کرنے کا وعدہ کیا- حتّٰی کہ وطنی اخباروں نے بھی - بلکہ بعض نے مضامین بھی لکھے ہیں- خصوصاً مسیحی اخبار مقطم اور انگریزی اخبار "ایجپشین گزٹ" کے ایڈیٹروں نے تو خاص طور پر وعدہ کیا اور مضمون لکھے بھی- امید ہے آئندہ ان اخبارات میں سلسلہ کا ذکر ہوتا رہے گا- اور مخالف اخبارات کا جواب دینے کے لئے موافق اخبارات بھی موجود رہیں گے-

ازہر کی خلافت کمیٹی سے ملاقات

علاوہ مذکورہ بالا لوگوں کے جن سے ملنے ہمارے لوگ خود جاتے رہے بعض لوگ گھر پر بھی ملنے آتے رہے- چنانچہ جامع ازہر کے ماتحت جو خلافت کمیٹی بنی ہے اور جس کا منشاء یہ ہے کہ آئندہ سال مارچ میں ایک عظیم الشان جلسہ تمام دنیا کے مسلمانوں کا کرکے اس میں یہ فیصلہ کرے کہ کون شخص خلیفہ ہونا چاہیئے' اس انجمن کے پریزیڈنٹ اور سیکرٹری اور بعض اور دوسرے لوگ ملنے کے لئے آئے اور خلافت کے متعلق تذکرہ کرتے رہے- ہم نے جہاں تک ہوسکا ان کو ہندوستانی لوگوں کے خیالات بتادیئے اور اپنی بے تعلقی کا بھی ذکر کردیا- مگر وہ لوگ اپنے خیالات میں کچھ ایسے منہمک تھے کہ باوجود اچھی طرح سمجھادینے کے پھر بھی جو خیالات کہ ہم نے دوسرے مسلمان فرقوں کی طرف منسوب کرکے بیان کئے تھے انہوں نے ہماری طرف ان کو منسوب کرکے اخبارات میں شائع کرادیا- دوسرے دن پھر وہی لوگ ملنے آئے مگر میں گھر پر نہ تھا- یہ جماعت ازہر کے ماتحت کام کررہی ہے -اس واسطے نیم سرکاری ہی سمجھنی چاہیئے-

مصر کے ایک مشہور صوفی

اس کے بعد مصر کے ایک مشہور صوفی سید ابوالعزائم صاحب ملنے کو آئے - یہ صاحب مصر کے بہت بڑے پیر ہیں -اور کہا جاتا ہے کہ ایک لاکھ سے زیادہ ان کے مُرید ہیں- زبان نہایت ہی صاف ہے اور نہایت بے تکلفی سے فصیح عربی بولتے ہیں -مغربی بلاد سے ہجرت کرکے مصر میں آئے تھے - کسی گاؤں میں

ٹھہر کر تعلیم و تدریس کا کام شروع کیا۔بعض امور پر ناراض ہو کر حکومت برطانیہ کے قائم مقاموں نے ان کو قاہرہ میں نظر بند کر دیا۔ اور اب وہ دوسرے فریق کے رئیس اور سردار ہیں کہ وہ بھی خلیفہ کے انتخاب کے لئے ایک اجلاس عام کا محرک و مؤید ہے۔

خلیفہ کی تعیین اور مسلمانان ہند کی طرف نظر

جہاں تک باتوں سے معلوم ہوتا ہے دونوں فریق اپنے دل میں کسی نہ کسی شخص کی تعیین کر چکے ہیں جس کی تائید وہ اس جلسہ میں جمع ہونے والے لوگوں سے کروانا چاہتے ہیں۔مگر وہ اس کا اظہار نہیں کرنا چاہتے تاکہ دوسرے مسلمان علیحدہ نہ ہو جائیں۔ بہر حال اتنی بات ثابت ہے کہ ایک فریق ملک نواز والئی مصر کی خلافت کا خواہاں ہے اور دوسرا فریق اس امر میں ان کی مخالفت پر آمادہ ہے۔ ہندوستان کے مسلمانوں کی طرف دونوں جماعتوں کی نگاہ ہے۔ میرے نزدیک یہ دونوں فریق ہی ایک غلط راہ پر چل رہے ہیں ۔ اور اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں سیاسی امور میں کبھی کوئی قوم ایک ہاتھ پر جمع نہیں ہو سکتی۔ جب تک فی الواقع اس کی زیر حکومت نہ ہو۔مختلف حکومتوں کے ماتحت رہنا اور ایک شخص کے ہاتھ پر سیاسی طور پر جمع ہو جانا ایک احمقانہ خیال ہے جو کبھی پورا نہیں ہو سکتا۔

مسلمان صرف روحانی خلیفہ کے ہاتھ پر جمع ہو سکتے ہیں

آج اگر ایک ہاتھ پر مسلمان جمع ہو سکتے ہیں تو صرف روحانی خلیفہ کے ہاتھ پر ۔کیونکہ اس کے ہاتھ پر جمع ہونے سے کوئی حکومت مانع نہیں ہوگی یا کم از کم اس کو منع کرنے کا حق نہ ہوگا۔اور اگر منع کرے گی تو سب دنیا میں ظالم کہلائے گی۔ سیاسی معاملات کا حال بالکل الگ ہے۔کوئی حکومت اس بات کی اجازت نہیں دے سکتی اور ہر حکومت حق بجانب ہوگی اگر وہ اجازت نہ دے کہ اسکی رعایا کسی دوسرے شخص کی سیاسی امور میں فرمانبرداری کرنے کا عہد کرے۔در آنحالیکہ وہ شخص جس کے ہاتھ پر اس کی رعایا مجتمع ہو اس کے قبضہ سے باہر اور اس کے تصرّف سے الگ ہو۔

دو اور معززین کا ملاقات کے لئے آنا

علاوہ ان لوگوں کے دو اور معزز آدمی بھی ملنے کے لئے آئے لیکن افسوس کہ بوجہ باہر ہونے کے مجھے ان سے ملنے کا موقع نہ ملا۔ان میں سے ایک تو ترکی رئیس تھے جو اپنا ملک چھوڑ کر اس لئے مصر میں آئے تھے کہ وہاں عربی علوم کی خدمت کروں گا اور کوئی دینی خدمت کر سکوں

گا-میں نے ان کے گھر پر بھی بعض دوستوں کو ملنے کے لئے بھیجا-انہوں نے سلسلہ سے بہت ہی ہمدردی ظاہر کی اور سلسلہ پر غور کرنے اور ہر طرح سے امداد کرنے کا وعدہ کیا-انہوں نے شکایت کی کہ مصر میں آکر پہلی عربی بھی بھول گیااور دین تو یہاں نظر ہی نہیں آتا-

دوسرے صاحب ایک وکیل تھے -ان کے گھر پر بھی میں نے اپنے بعض ساتھیوں کو بھیجا-انہوں نے بہت ہی افسوس کا اظہار کیااور کہا کہ میں تین گھنٹے مکان پر انتظار میں بیٹھا رہا مگر ملاقات کا موقع نہ ملا-اور مصریوں کی حالت پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے اس بات کی خواہش کی کہ مصر میں احمدیہ مشن کو مضبوط کیا جائے-اوریورپ کو مسلمان بنانے کی بجائے مصر کو یورپ کے پیچھے جانے سے بچانے کی کوشش پر زور دیا جائے-انہوں نے وعدہ کیاکہ اگر واپسی پر مصر میں قیام کا موقع ملے تو میں اپنے دوستوں کو جمع کرکے آپ کے امام کو دعوت دوں گا-اور ہم لوگ مل کر اسلامی روح کی مصر میں اشاعت کی کوشش کریں گے- اور یہ بھی کہا کہ میں احمدیت کے مسائل سے بہت متفق ہوچکاہوں-غالباًآپ لوگوں کی ولایت سے واپسی تک میں بیعت میں شامل ہوجاؤں گا-چونکہ گرمی کا موسم ہے تمام عمائد اور علماء ملک کے ٹھنڈے علاقوں کی طرف چلے گئے ہیں اس لئے اور زیادہ لوگوں سے ملنے کا موقع نہیں مل سکتا تھا-

مصر کے احمدی

مجھے جو مصر میں سب سے زیادہ خوشی ہوئی وہ وہاں کے احمدیوں کی ملاقات کے نتیجہ میں تھی- تین مصری احمدی مجھے ملے اور تینوں نہایت ہی مخلص تھے- دو ازہر کے تعلیم یافتہ اور ایک علوم جدیدہ کی تعلیم کی تحصیل کرنے والے دوست- تینوں نہایت ہی مخلص اور جوشیلے تھے اور ان کے اخلاص اور جوش کی کیفیت کو دیکھ کر دل رقّت سے بھر جاتا تھا- تینوں نے نہایت درد دل سے اس بات کی خواہش کی کہ مصر کے کام کو مضبوط کیا جائے-

ایک مصلح کے امیدوار بدوی

ایک بات عجیب طور پر وہاں معلوم ہوئی اور یہ کہ قاہرہ کے اردگرد کے بدوی علاقے نہایت تڑپ ہی کے ساتھ ایک مصلح کے امیدوار ہیں- بعض لوگوں نے جب سلسلہ کے حالات سُنے تو خواہش کی کہ اگر ہمارے علاقہ میں کوئی آدمی پندرہ بیس روز بھی آکر رہے تو ہزاروں آدمی سلسلہ میں داخل ہونے کو تیار ہیں-

بیت المقدس میں قیام

دو دن کے قیام کے بعد ہم دمشق کی طرف روانہ ہوئے مگر چونکہ راستہ میں بیت المقدس پڑتا تھا' مقامات انبیاء دیکھے بغیر آگے جانا مناسب نہ سمجھا اور دو دن کے لئے وہاں ٹھہر گئے- بوجہ کثرت زائرین کے اس شہر کا اکثر متولّیوں اور خادموں سے بھرا ہوا ہے- بڑے سے بڑے آدمی کو دیکھ کر شبہ رہتا ہے کہ کہیں اس کی غرض مانگنا ہی تو نہیں-

یہودیوں کی قابلِ رحم حالت

یہودی قوم کی قابل رحم حالت جو یہاں نظر آتی ہے کہیں اور نظر نہیں آتی- بیت المقدس کا سب سے بڑا معبد جسے پہلے مسیحیوں نے یہودیوں سے چھین لیا تھا اور بعد میں مسیحیوں سے چھین کر مسلمانوں نے اسے مسجد بنا دیا- اس کی دیوار کے ساتھ کھڑے ہو کر ہفتہ میں دو دن برابر دو ہزار سال سے یہودی روتے چلے آتے ہیں- جس دن ہم اس جگہ کو دیکھنے کے لئے گئے وہ دن اتفاق سے ان کے رونے کا تھا- عورتوں اور مردوں' بوڑھوں اور بچوں کا دیوار کے پیچھے کھڑے ہو کر بائبل کی دعائیں پڑھ پڑھ کر اظہارِ عجز کرنا' ایک نہایت ہی افسردہ کن نظارہ تھا- چھوٹے چھوٹے بچے بلک بلک کر دیوار سے چمٹ رہے تھے اور بالکل یوں معلوم ہوتا تھا جیسے کسی تازہ وفات یافتہ عزیز کی قبر کو کوئی فارغ الصبر چمٹتا ہے- ایک دس بارہ سالہ لڑکی کو میں نے دیکھا وہ دیوار کے ساتھ چمٹی چلی جاتی تھی اور اپنی گالوں کو اس کی مٹی سے ملتی تھی اور دو اینٹوں کے درمیان ایک سوراخ تھا اس کے اندر وہ اپنی ناک کو گھسیڑ دیتی تھی اور پھر یوں دیوار سے چمٹ جاتی تھی کہ گویا چاہتی تھی کہ زندہ ہی اس دیوار کے اندر گھس جائے- مجھ پر اس نظارہ کو دیکھ کر بہت ہی گہرا اثر ہوا اور میرے دل نے محسوس کیا کہ یہ لوگ اس بات کے حق دار ہیں کہ اس پرانے معبد کی زمین کا ایک حصہ ان کو بھی دیا جائے تا وہ اس جگہ اپنا معبد بنا کر اپنے طریق پر خدا کی عبادت کر سکیں- مگر اس سے بھی زیادہ ایک اور چیز میرے دل کو بے چین کر رہی تھی کہ ان مسلمانوں کا کیا حال ہو گا جنہوں نے حضرت مسیح موعود کا انکار کر کے اپنے آپ کو مثیل یہود بنا لیا- عالم تصور میں ان کے جُرموں کا خیال کر کے بھی میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے اور میرا دل رحم سے پسیج جاتا تھا- مگر افسوس کہ خود اس قوم کو جو خدا کے غضب کو بھڑکا رہی ہے ایک ذرہ بھر بھی فکر نہیں اور وہ نہایت اطمینان سے اپنی حالت پر قناعت کئے بیٹھی ہے-

بیت المقدس کے قابلِ دید مقام

بیت المقدس کی جگہوں میں سے مندرجہ ذیل مقامات قابل ذکر ہیں- ابوالانبیاء حضرت ابراہیمؑ ' حضرت اسحاقؑ ' حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ کی قبور اور وہ مقام جس پر حضرت عمرؓ نے نماز پڑھی اور بعد میں اسکو مسجد بنا دیا گیا- اور حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کے مقامات جو اختلافی ہے اور ان کی صلیب کا مقام جو وہ بھی اختلافی ہے- وہ جگہ جہاں یہودی عالموں نے ان پر کفر کا فتویٰ لگایا' وہ مقام جہاں پیلاطوس عدالت کرتا تھا' وہ مقام جہاں سے کھڑے ہو کر اس نے ان کی صلیب کا حکم سنایا اور اپنی براءت کا اظہار کیا اور پھر وہ جبل زیتون جس پر چڑھ کر بزعم مسیحیاں وہ آسمان کی طرف اُڑ گئے-

فلسطین میں یہودیوں کی نئی آبادی

بیت المقدس اس وقت فلسطین کا دارالخلافہ ہے اور فلسطین جنگ عظیم کے بعد انگریزی حکومت کے ماتحت اس شرط پر کیا گیا ہے کہ وہ اس ملک کو کچھ عرصہ کے اندر خود مختارانہ حکومت کرنے کے قابل بنا دیں- چونکہ ایام جنگ میں یہودیوں نے برطانیہ کی بہت مدد کی تھی اور مختلف طرزوں میں بہت بڑا حصہ لیا تھا- مسٹر بیفوڈ نے جو دوران جنگ میں اہم عہدہ ہائے وزارت پر فائز رہے ہیں' وزارت خارجیہ کے زمانے میں یہودیوں سے اس بات کا اقرار کیا تھا کہ جنگ کے فتح ہونے پر وہ ان کے فلسطین میں آباد ہونے کے لئے ہر طرح کی سہولتیں بہم پہنچائیں گے اور یہودیوں کی اس امر میں مدد کریں گے کہ وہ فلسطین میں جو ان کا آبائی ملک ہے 'کثرت کے ساتھ آباد ہو سکیں-اس وعدہ کے پورا کرنے کے لئے برطانیہ نے جنگ کے خاتمہ پر سر ہربرٹ سموئیل کو جو یہودی النسل اور یہودی المذہب ہیں لیکن انگلستان کے باشندے ہیں'فلسطین کا گورنر مقرر کیا اور مسٹر بیفوڈ کا وعدہ پورا کرنے کی بھی تاکید کی۔

مسلمانوں اور مسیحیوں کو یہ بات ناگوار گزری اور ملک کی اکثر آبادی انہی دونوں قوموں کا مجموعہ ہے اسّی (۸۰) فی صدی کے قریب مسلمان ہیں ' ۱۷ فی صدی کے قریب عیسائی اور تین فی صدی کے قریب یہودی ہوں گے۔ مگر باوجود مسلمانوں اور عیسائیوں کی مخالفت کے یہودیوں کو فلسطین میں بسانے کے لئے حکومت برطانیہ نے پوری سعی کی اور اب یہودیوں کی آبادی ۱۰ فیصدی کے قریب ہو گئی ہے- چار ہزار کے قریب آ کر یہودی نئے بسے ہیں- یہودی چونکہ بڑے بڑے مالدار ہیں انہوں نے کروڑوں روپیہ چندہ کر کے فلسطین میں جائدادیں خرید لی ہیں اور

غریب یہودیوں کو وہاں لا لا کر بسا رہے ہیں- زمین مفت دیتے ہیں اور کام چلانے کے لئے روپیہ دیتے ہیں اور پھر اس روپیہ کو قسط وار وصول کرلیتے ہیں- اس طرح سے غرباء کے اس ملک میں آباد ہونے اور ترقی کرنے کا بہت عمدہ موقع ہے مگر چونکہ امراء جو کہ لاکھوں کروڑوں روپیہ امریکہ اور یورپ میں کما رہے ہیں' اپنی جگہوں کو نہیں چھوڑ سکتے اور غرباء جو اس جگہ بسائے جاتے ہیں ان میں سے کافی تعداد ایسے لوگوں کی ہوتی ہے جن کی غربت کی وجہ ان کی بیچارگی نہیں بلکہ ان کی سستی ہے- اس لئے یہ سکیم جیسی کہ امید تھی' کامیاب ثابت نہیں ہوئی اور کئی یہودی خاندان واپس جارہے ہیں- مگر باوجود اس کے ریلوں میں یہودی ہی یہودی نظر آتے ہیں' سٹیشنوں پر یہودی ہی یہودی نظر آتے ہیں اور بقیہ نوے فیصدی آبادی کا پتہ نہیں لگتا کہ وہ کہاں ہے- صرف جب انسان شہروں اور قصبوں میں گُھستا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ ملک مسلمانوں کا ہے- مسلمان اور عیسائی یہودیوں کی اس جدوجہد کے مقابلہ میں بہت سخت کوشش کر رہے ہیں اور بظاہر متفق ہیں- ان کی کوششوں کو اُکسانے والی ایک یہ بھی بات ہے کہ حکومت کے عہدوں پر عام طور پر یہودی قابض ہیں' مسلمان تو بہت ہی کم نظر آتے ہیں ہاں عیسائی کسی قدر ہیں- مسلمانوں کے حصے میں صرف پولیس' فوج اور چپڑاس ہی ہے-

یہودیوں کے خلاف مسلمانوں کی کوششیں

میں نے جہاں تک غور کیا ہے عیسائیوں کا مسلمانوں سے اتفاق حقیقی اتفاق نہیں ہے- کیونکہ یہودیوں کے ہاتھ جو زمینیں بیچی ہیں وہ عیسائیوں نے بیچی ہیں- مسلمانوں اور عیسائیوں نے حکومت کا بائیکاٹ کیا ہوا ہے- اور ایک پارلیمنٹ کی شکل کی ایک مجلس بنائی ہوئی ہے جو تمام ایسے کاموں کو جن میں حکومت کا دخل نہیں خود سرانجام دیتی ہے- اور گویا حکومت کے اندر ایک دوسری حکومت انہوں نے بنالی- اکثر وہاں کے بڑے بڑے مسلمانوں سے مَیں ملا ہوں- میں نے دیکھا کہ وہ مطمئن ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہودیوں کے نکالنے میں کامیاب ہوجائیں گے- مگر میرے نزدیک ان کی یہ رائے غلط ہے- یہودی قوم اپنے آبائی ملک پر قبضہ کرنے پر تُلی ہوئی ہے- اور جو ناکامی اس وقت تک ان کو ہوئی ہے وہ ان کے ارادے میں تذلّل پیدا کرنے کا موجب نہیں ہوسکتی- اور زیادہ تر اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کام ان کے لئے بالکل نیا تھا- یہودی تجارت پیشہ ہیں' ان کے لئے بستیوں کا آباد کرنا اور زراعت کروانا بالکل ایک نئی بات ہے- پس پہلی کوشش میں اگر ان کو کچھ ناکامی ہوئی ہے تو قابل تعجب نہیں- اور قرآن شریف کی

پیشگوئیوں اور حضرت مسیح موعودؑ کے بعض الہامات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودی ضرور اس ملک میں آباد ہونے میں کامیاب ہو جائیں گے۔پس میرے نزدیک مسلمان رؤسا کا یہ اطمینان بالآخران کی تباہی کا موجب ہوگا۔

مسلمانانِ فلسطین کو مشورہ

جہاں تک میرا خیال ہے مسلمانوں کو یہودیوں اور عیسائیوں سے ایک ایسا سمجھوتہ کرلینا چاہئے جس سے یہودیوں کو اس ملک میں بسنے کا بھی موقع مل جائے اور مسلمانوں کی برتری بھی ہمیشہ کے لئے قائم رہ جائے۔میں نے اس امر کے لئے ایک سکیم سوچی ہے۔مگر اس کا اس جگہ پر بیان کرنا اصل مضمون سے باہر جاناہے۔اس وجہ سے میں اس کو یہاں بیان نہیں کرتا۔

فلسطین کے ہائی کمشنر سے ملاقات

فلسطین کے گورنر ہائی کمشنر کہلاتے ہیں۔اصل ہائی کمشنر آج کل ولایت گئے ہوئے ہیں۔ان کی جگہ سر گلبرٹ کلیٹن کام کر رہے ہیں ۔میں ان سے ملا تھا۔ایک گھنٹہ تک ان سے ملکی معاملات کے متعلق گفتگو ہوتی رہی۔ وہ انگریزی النسل ہیں اور مسلمانوں سے ہمدردی رکھتے ہیں ۔انہوں نے آئندہ ملک کی ترقی کے متعلق جو سکیم تیار کی ہے وہ میرے نزدیک بہت ہی مفید ہوسکتی ہے۔مگر افسوس ہے کہ وہ جلدی ملازمت سے ریٹائر ہونا چاہتے ہیں ۔ممکن ہے ان کے بعد دوسرے لوگ اس سکیم کو عمدگی سے نہ چلاسکیں۔

مسلمانوں کو عام طور پر یہ شکایت تھی کہ تعلیمی معاملات میں ہمیں آزادی نہیں۔ میں نے اس امر کے متعلق ان سے گفتگو کی۔اور انہوں نے اس بات کو تسلیم کرتے ہوئے کہ مسلمانوں کی یہ شکایت ایک حد تک بجا ہے مجھے بتایا کہ ایک دن پہلے ہی انہوں نے ایک تجویز وزارت برطانیہ کے غور کے لئے بھیجی ہے ۔جس میں انہوں نے چاہا ہے کہ ایک سب کمیٹی بنادی جائے جس کو تعلیمی معاملات میں بہت کچھ اختیارات دے دیئے جائیں۔

سر کلیٹن صاحب کو پہلی ملاقات میں ہمارے سلسلہ سے بھی بہت دلچسپی ہوگئی۔ اور گو ہم نے دوسرے دن روانہ ہونا تھا مگر انہوں نے اصرار کیا کہ ڈیڑھ بجے ہم ان کے ساتھ کھانا کھائیں۔ چنانچہ ڈیڑھ گھنٹہ تک دوسرے دن بھی ان کے ساتھ گفتگو رہی اور فلسطین کی حالت کے متعلق بہت سی معلومات مجھے ان سے حاصل ہوئیں۔

حیفا میں شوقی آفندی کا مکان وغیرہ

فلسطین سے چل کر ہم حیفا آئے جہاں سے کہ دمشق کے لئے گاڑی بدلتی ہے۔رات حیفا میں ٹھہرنا پڑا چونکہ دس بجے سے پہلے کوئی گاڑی نہ جاتی تھی' صبح گاڑی لے کر میں سیر کے لئے گیا۔اور مجھے معلوم ہوا کہ بہائیوں کے لیڈر مسٹر شوقی آفندی عکّہ کو چھوڑ کر حیفا میں آن بسے ہیں ۔اور گویا کہ وہ سب حدیثیں جو عکّہ کی زیارت کے متعلق سنائی جاتی تھیں' ان کا زمانہ ختم ہو گیا۔ ہم ایک سڑک پر آرہے تھے' ہمیں معلوم ہوا کہ اس کے پاس چند قدم پر ہی مرزا عباس علی صاحب عُرف عبدالبہا کا مکان ہے۔ میں نے پہلے پڑھا ہوا تھا کہ کسی امریکن نے ایک مکان ان کو دیا ہوا ہے مگر مجھ کو معلوم نہ تھا کہ مرزا عباس علی صاحب بھی اکثر اوقات حیفا میں ٹھہرا کرتے ہیں اور عکّہ کا صرف نام ہی تھا۔میرے بعض ساتھیوں نے شوق ظاہر کیا کہ وہ مکان پر جا کر ان لوگوں میں سے بعض سے ملاقات کریں۔چنانچہ مولوی رحیم بخش صاحب اور ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب اور میاں شریف احمد صاحب مکان دیکھنے کو چلے گئے۔

شوقی آفندی تو وہاں موجود نہ تھے ۔ان کے چھوٹے بھائی اور بعض رشتہ دار بچے موجود تھے۔گھر پر ایک دو نوکروں سے سوا کوئی نہ تھا۔نہ کوئی علماء کی جماعت تھی نہ انتظام تھا جس سے معلوم ہو سکے کہ انبیاء کی پیشگوئیاں پوری کرنے کے لئے وہاں کوئی سامان موجود رکھا گیا ہے کہ زائرین آئیں اور فائدہ حاصل کریں ۔معلوم ہوا کہ شوقی آفندی اکثر حصہ اوقات کا یورپ میں خرچ کرتے ہیں اور کچھ عرصہ کے لئے آکر حیفا میں ٹھہرتے ہیں' عکّہ کی زیارت کا ان کو بہت کم موقع ملتا ہے۔

مرزا عباس علی صاحب عُرف عبدالبہا کی قبر بھی حیفا میں ہے۔شوقی آفندی صاحب سیاہ پتھروں کا ایک نیا مکان بنوا رہے ہیں ۔جس کی تعمیر ہونے کے بعد کہتے ہیں کہ وہ اپنے نانا کا مکان چھوڑ کر اس میں بودوباش اختیار کریں گے۔

بہائیوں کی حیفا اور عکّہ میں تعداد

شوقی آفندی کے والد زندہ ہیں ۔مگر وہ مکان پر ہمارے آدمیوں کو نہیں ملے ۔کسی نوکر نے بتایا تھا کہ وہ پاس کے کمرے میں ہیں۔میاں شریف احمد صاحب نے شوقی آفندی کے چھوٹے بھائی اور مکان کی تصویر لے لی۔باوجود عرب میں رہنے کے ان لوگوں کی زبان زیادہ تر فارسی ہی ہے۔شہر میں دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ سارے حیفاء میں کوئی بیس کے قریب بہائی ہیں اور پچیّس

تیں عکّہ میں ہیں- یہ بھی لوگوں نے بتایا کہ مرزا عباس علی صاحب جمعہ کی نماز مسلمانوں کے ساتھ مل کر پڑھا کرتے تھے- اور لوگ لطیفہ کے طور پر ذکر کرتے تھے کہ بہائی لوگ جب نماز کے موقع پر مسلمانوں میں گھر جائیں تو نماز ادا کرلیتے ہیں مگر کبھی ان کو وضو کرتے نہیں دیکھا-شوقی آفندی صاحب کے مکان کے دیکھنے سے طبیعت پر یہی اثر پڑتا ہے کہ بہائی لیڈر پرانی گدیوں کے نقش قدم پر ہے-اس کی ذات کے باہر کوئی ایسا انتظام نہیں ہے- جس کے ذریعہ سے قوم کی اخلاقی اور مجلسی تربیت کا انتظام کیا جاوے-

شوقی آفندی کا باپ

جب ہم سٹیشن پر آئے تو دو صاحب ایرانی شکل وشباہت کے ہمارا پتہ پوچھتے ہوئے پہنچے -ان میں سے ایک کی نسبت لوگوں نے ہمیں بتایا کہ شوقی آفندی کے باپ ہیں -انہوں نے ہمارے بعض ساتھیوں سے معلوم کیا کہ ہمارے مکان پر کون لوگ گئے تھے-میں نے معلوم کیا تو پتہ لگا کہ مولوی رحیم بخش صاحب گئے تھے -میں نے ان کو کہہ دیا کہ آپ ان سے کہہ دیں کہ میں آپ کے مکان پر گیا تھا مگر باوجود ان کے بتانے کے وہ میرے پاس آئے اور دریافت کیا کہ کیا آپ میرے مکان پر گئے تھے جب میں نے بتایا کہ میں نہیں گیا تھا بلکہ میرے ساتھیوں میں سے اور شخص گیا تھا-تو انہوں نے چاہا کہ ہم لوگ وہاں ٹھہریں-لیکن میں نے ان کو بتایا کہ ہمارا پروگرام مقرر ہوچکا ہے اور ہم معذور ہیں ٹھہر نہیں سکتے-اتنے میں ریل کے چلنے کا وقت ہوگیا اور میں سٹیشن میں داخل ہوگیا-

عکّہ کا ملاحظہ

دمشق سے واپسی کے وقت میں نے ارادہ کیا کہ عکّہ کو بھی دیکھتے چلیں-چونکہ بیروت سے حیفا تک ریل نہیں ہے-ہمیں دمشق سے آتے ہوئے وہ سفر موٹروں میں کرنا پڑا-موٹر کرایہ کرتے وقت ہم نے موٹر کمپنی کے ساتھ یہ فیصلہ کیا کہ ایک گھنٹہ تک ہم عکّہ میں ضرور ٹھہریں گے کیونکہ ہمیں وہاں کام ہے-مگر ہماری حیرت کی کوئی حد نہ رہی جب ہم عکّہ پہنچے - کیونکہ جب ہم نے لوگوں سے دریافت کیا کہ بہائیوں کا مرکز کہاں ہے تو سب لوگ حیرت سے ہمارا منہ دیکھنے لگے کہ عکّہ میں بہائی کہاں- آخر بڑی مشکل سے معلوم ہوا کہ بہائی اس علاقہ میں بہائیت کے نام سے نہیں بلکہ عَجمِیّت کے نام سے مشہور ہیں-

بہائیوں کا مرکز

مگر ہماری حیرت کی کوئی حد نہ رہی جب ہمیں معلوم ہوا کہ عجمی بہائی بھی عکّہ میں نہیں رہتے بلکہ عکّہ سے تین چار میل پرے ایک گاؤں ہے

جس کا نام منشیا ہے' اس میں رہتے ہیں۔اور خود اس علاقہ کا نام جس میں وہ لوگ رہتے ہیں بہجہ ہے۔

جب ہم نے وہاں جانا چاہا تو موٹر والوں نے انکار کردیا اور کہنے لگے کہ ہم سے اقرار عکّہ کا تھا۔ہم آپ کو عکّہ لے آئے ہیں دوسرے گاؤں میں ہم نہیں جاسکتے۔کیونکہ وہ یہاں سے دس میل پر ہے۔آخران کو انعام کے وعدے سے راضی کیا۔ایک نوجوان عکّہ کا رہبر بنا اور بہائیوں کے مرکز کی طرف روانہ ہوئے۔

موٹر دس بارہ منٹ میں وہاں پہنچی۔پیدل راستہ جیسا کہ عکّہ کے لوگوں نے بھی بیان کیا۔اور خود بہائیوں نے بھی تسلیم کیا' آدھ گھنٹہ سے کم کا نہیں ہے۔میرے نزدیک وہ مقام عکّہ سے اتنے فاصلہ پر ہے جتنی قادیان سے نہر۔اگر تتلے کے گاؤں میں رہنے والے آدمی قادیان کے باشندے کہلاسکتے ہیں تو منشیا کے رہنے والے بھی عکّہ کے باشندے کہلاسکتے ہیں۔اور اگر تین میل کے فاصلہ کے گاؤں میں بسنے والے آدمی دنیامیں کبھی بھی کسی دوسرے گاؤں کی طرف منسوب ہوتے ہیں تو بے شک بہائیوں کا مرکز بھی عکّہ کی طرف منسوب ہوسکتا ہے۔پس اگر ایسا نہیں تو بہائیوں کا یہ دعوی کہ ان کا مرکز عکّہ میں ہے' نہایت قابل افسوس اور خلاف واقع دعوی ہے۔

مجھے نہایت ہی تعجب ہوا کہ کس دلیری کے ساتھ بہائی لوگ عکّہ کے متعلق جو روایات ہیں' انکو اپنے اوپر چسپاں کرتے ہیں۔شروع میں چند سال مرزا حسین علی صاحب معروف بہ بہاء اللہ عکّہ میں نظر بند کئے گئے تھے۔لیکن کچھ سال ہی کے بعد ترکی گورنمنٹ نے ان کے لئے آزادی دے دی۔اور ان کو کسی دوسری جگہ میں رہنے کی اجازت دے دی۔چنانچہ انہوں نے بہجہ کو پسند کرلیا۔اور وہیں وہ رہے اور وہیں فوت ہوئے اور وہیں وہ دفن ہوئے۔ان کی قبر بہجہ میں ہے نہ کہ عکّہ میں۔اور جس مکان وہ میں فوت ہوئے وہ بھی بہجہ میں ہے۔ان کے بعد مرزا عباس علی صاحب کچھ دنوں کے لئے عکّہ میں جاکر رہے گو باقی سارا خاندان بہجہ میں ہی رہا۔پھر مرزا عباس علی صاحب بھی حیفا چلے گئے۔عکّہ میں صرف دو بہائی ہیں اور کوئی دوسَو گھر کی آبادی کا گاؤں ہے۔اس لئے یہ بھی نہیں کہاجا سکتا کہ بڑے شہروں کے پاس کے گاؤں بھی انہی کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔دوسو گھر کی آبادی کا گاؤں کبھی بھی یہ حق نہیں رکھتا کہ اس کی طرف تین چار میل کے فاصلہ کے ایک گاؤں کو منسوب کیاجائے اور اس کو اس کا جزو قرار دیاجائے۔

بہجہ میں عباس علی کے بھائی سے ملاقات

بہجہ میں ہم نے مرزا محمد علی صاحب سے جو مرزا عباس علی صاحب کے چھوٹے بھائی ہیں معلوم کیا کہ نہ کوئی ڈاک کا انتظام ہے اور نہ کثرت سے مہمان آتے ہیں۔ کبھی کبھار کوئی مہمان آگیا تو مکان کے ایک گوشہ میں ٹھہر جاتا ہے ۔ورنہ عام طور پر تماشہ کے لئے لوگ آتے ہیں جو دو ایک گھنٹہ تک ٹھہر کر چلے جاتے ہیں۔جب بہائیوں کی تعداد کے متعلق ان سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے بتایا کہ صحیح تعداد تو نہیں بتائی جا سکتی مگر جو کچھ بہائی ہیں وہ ایران ہی میں ہیں۔ پھر کچھ امریکہ میں ہیں' باقی ملکوں میں یونہی تھوڑے تھوڑے آدمی ہیں اور جو تعداد بتائی جاتی ہے اس میں بہت مبالغہ ہے۔

غرض حیفا اور عکّہ جانے سے ہمیں بہت کچھ فائدہ ہوا۔ ہمارے کئی دوست کہتے تھے جس شخص کو بہائیت کی طرف میلان ہو اس کو یہاں لانا چاہیئے۔اور پھر پوچھنا چاہیئے کہ ۸۰ سال میں تمہاری تو یہ ترقی ہے اور حضرت مسیح موعودؑ کی تیس سال میں وہ جو تم قادیان میں دیکھتے ہو۔ (باقی اِنْشَاءَ اللّٰہُ آئندہ)

خاکسار

مرزا محمود احمد

(الفضل ۱۴ ستمبر ۱۹۲۴ء)

اہلِ لندن کے نام پیغام

(یہ پیغام ۷ ستمبر ۱۹۲۴ء کو مسجد فضل لندن میں پڑھا گیا)

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ ھُوَ النَّاصِرُ

شکریہ بہنو اور بھائیو! میں آپ کی اس تکلیف کا شکریہ ادا کرتا ہوں جو آپ نے آج مجھے ملنے کے لئے آنے میں برداشت کی ہے۔

غرض سفر اس کے بعد میں چاہتا ہوں کہ مختصراً اس غرض کو بیان کروں جس کے لئے میں دُور کا سفر اختیار کر کے انگلستان پہنچا ہوں۔ میرے مشاغل اور میری ذمہ داریاں مجھے مرکز سے دور جانے کے راستہ میں مانع ہیں اور در حقیقت میرا چند دن کے لئے بھی مرکز سے اس قدر فاصلہ پر جانا کہ مرکز سے فوری مشورہ میں دقّت ہو کام میں سخت حرج واقع کرتا ہے مگر باوجود ان مشکلات کے جو میں نے سفر اختیار کیا ہے تو سیر یا راحت کی غرض سے نہیں بلکہ اس ہمدردی کی وجہ سے ہے جو میں بنی نوع انسان سے محسوس کرتا ہوں۔ میری سیر کا تو یہ حال ہے کہ جب انگلستان کے لوگ مجھے ملنے کے لئے آتے ہیں اور انگلستان کے متعلق مجھ سے رائے پوچھتے ہیں تو مجھے یہی جواب دینا پڑتا ہے کہ مجھے آپ کا ملک دیکھنے کا موقع نہیں ملا کہ میں کوئی تفصیلی رائے دے سکوں کیونکہ اس وقت تک تو اکثر دنوں میں مجھے ہوا خوری کے لئے بھی باہر جانے کا موقع نہیں ملا۔ میری سیر وہی کام ہے جس کے لئے میں آیا ہوں اور وہ یہ ہے کہ میں ایسے طریقوں کو دریافت کروں جن کی مدد سے اپنے مغربی بھائیوں اور بہنوں کو وہ پیغام پہنچا سکوں جو خدا تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لئے بھیجا ہے۔ واقعات ہمارے مخالف ہیں۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ ہر ایک قدم پر ہمارے راستہ میں مشکلات ہیں اور میرا اس جگہ آنا ہی اس امر پر شاہد ہے کہ مشکلات حد سے بڑھی ہوئی ہیں مگر باوجود اس کے میں مایوس نہیں ہوں۔ میری سب کوششیں اس محبت کی وجہ

سے ہیں جو خدا تعالیٰ کی طرف سے مجھے ملی ہے۔

مخلصانہ کام کا نتیجہ

اور میں امید کرتا ہوں کہ وہ مشنری جو میری طرف سے ان ممالک میں کام کرتے ہیں یا کریں گے وہ بھی اسی روح سے کام کریں گے اور میں اس امر کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں کہ جو کام محبت 'اخلاص اور استقلال سے کیا جائے وہ بے نتیجہ رہے۔ محبت محبت پیدا کرتی ہے اور ہماری گہری محبت جو اس ملک کے لوگوں سے ہے اور جو ہمیں مجبور کرتی ہے کہ اپنے ملک سے ہزاروں کوس دور اپنے بال بچوں سے علیحدہ کسی دنیوی فائدہ کے لئے نہیں بلکہ تمام دنیوی امیدوں کو قطع کرکے اس ملک میں کام کریں وہ ضرور ایک دن اس ملک کے لوگوں کے دلوں پر اثر کرکے رہے گی اگر ایسا نہ ہو تو یقیناً یہ ہماری محبت کی کمی کے باعث سے ہوگا یا اخلاص کے نقص کے باعث۔

مشرق میں کیا تبدیلی ہوئی؟

شاید آپ لوگ حیران ہوں گے کہ وہ مشرق جس کی طرف مغرب مشنری بھیج رہا تھا اور بالکل غیر متمدن تھا آج اس میں کیا تبدیلی ہو گئی کہ مغرب کی طرف مشنری بھیجنے لگا۔ میں آپ کی اس حیرت کا جواب وہی دے سکتا ہوں جو ایران کے دربار میں محمد رسول اللہ ﷺ کے ایک صحابی نے دیا تھا جب اس سے اس قسم کا سوال کیا گیا تھا تو اس نے کہا کہ بیشک جو عیب ہماری طرف منسوب کئے جاتے ہیں ہم میں سب موجود تھے بلکہ ان سے بھی زیادہ اور بے شک ہم ایسے ہی کم ہمت تھے جیسا کہ آپ نے بیان کیا مگر خدا تعالیٰ نے ہم میں ایک رسول مبعوث کرکے ہماری حالت کو بدل دیا اور ہماری ہمت کو بلند کر دیا ہے۔ اب ہم وہ نہیں جو پہلے تھے اور اب ہمیں وہ چیزیں تسلی نہیں دے سکتیں جو پہلے دیا کرتی تھیں۔ اے بہنو اور بھائیو! ہماری بھی یہی حالت ہے آج سے ۳۴ سال پہلے اسلام کی ایسی ہی حالت تھی کہ اس کے بہترین محافظ اس کی طرف سے لجاجت کے ساتھ معذرت کیا کرتے تھے۔ مگر ۳۴ سال گزرے کہ خدا تعالیٰ نے ایک رسول کو ہم میں مبعوث کیا۔ اس رسول کو جس کی مختلف ناموں سے پہلے انبیاء نے خبر دی تھی۔ کسی نے اس کا نام مسیح رکھا تھا' کسی نے مہدی' کسی نے کرشنا اور کسی نے موسیو در بھی۔ اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے مُردہ قوموں پر زندگی کا پانی چھڑکا اور وہ خدا کی نازل کردہ روح سے زندہ ہو گئیں اور سینکڑوں سالوں کے قبرستان کو چھوڑ کر آبادیوں اور شہروں میں پھیل گئے تاکہ خدا کے جلال کے لئے شہادت ہوں اور اس کی لازوال طاقتوں پر دلالت کریں۔

ہماری ہر حرکت خدا کے حکم کے ماتحت ہے

پس ہم جو کچھ کرتے ہیں اپنی طرف سے نہیں کرتے بلکہ خدا کا حکم ہمیں چلاتا ہے۔ ہماری ہر ایک حرکت اور ہماری ہر ایک کوشش اس کے خاص منشاء کے ماتحت ہے اور گویا ہماری مثال اس بانسری کی ہے جو ویسی ہی آواز نکالتی ہے جیسی آواز کہ اس کے پیچھے گانے والا نکالتا ہے۔ ہم خدا کے منہ میں ایک بانسری ہیں جو اس کی آواز کو دنیا میں پہنچاتے ہیں اور اس لئے ہم کبھی مایوس نہیں ہوتے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی آواز کبھی نیچی نہیں ہوتی۔ نہ تکلیفیں ہمیں خائف کرتی ہیں اور نہ موت ہم کو ڈراتی ہے۔ جیسا کہ افغانستان میں آپ لوگوں نے سنا ہوگا کہ حکومت ہمارے آدمیوں کو سنگسار کرتی ہے اور رعایا ان کو قتل کرتی اور ان کے گھروں کو جلاتی ہے مگر باوجود اس کے کہ ۲۴ سال سے یہی سلوک ہم سے ہوتا چلا آرہا ہے ہم نے اس ملک کو نہیں چھوڑا اور خدا تعالیٰ کے فضل سے ہماری ترقی اس ملک میں روز بروز ہوتی چلی جاتی ہے۔

ہمارا مشن

غرض ہمارا مشن ایک محبت اور خیر خواہی کا مشن ہے اور ہماری ایک ہی غرض ہے کہ جس طرح ہم نے خدا تعالیٰ کو پالیا ہے ہمارے دوسرے بھائی بھی اس کو پالیں اور اس سے دُوری کی زندگی بسر نہ کریں اور ہم اس ملک میں مسیح کی آمد ثانی کی منادی کرنے آئے ہیں کیونکہ ہمارے نزدیک اس کے قبول کرنے کے بغیر نجات نہیں۔ وہ دنیا کا نجات دہندہ ہے اور جب تک لوگ اس کے دامن کے نیچے نہ آویں گے اور اپنی زندگی کو اس تعلیم کے مطابق نہ کریں گے جو اسلام نے بیان کی ہے اور جس کی صحیح تشریح کرنے کے لئے مسیح موعود کو بھیجا گیا ہے اس وقت تک موجودہ فسادات دُور نہ ہوں گے اور جھگڑے اور لڑائیاں برابر دنیا کے امن کو برباد کرتے چلے جائیں گے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ اس سرچشمۂ قدوسیّت سے دور رہیں گے جس کا قرب حاصل کرنے کے لئے پیدا کئے گئے تھے۔

انسان کی پیدائش کی غرض

اے بہنو اور بھائیو! انسان کی پیدائش کی اگر کوئی غرض ہے تو وہ خدا تعالیٰ سے وصال ہے پھر کس طرح دل تسلی پا سکتے ہیں جب تک وہ اس کا وصال حاصل نہ کریں۔ میں حیران ہوتا ہوں جب دیکھتا ہوں کہ وید کو پڑھنے والا جب وید کو پڑھتا ہے یا اَوِسْتا کو پڑھنے والا اَوِسْتا کو پڑھتا ہے یا توریت کو پڑھنے والا توریت کو پڑھتا ہے یا انجیل کو پڑھنے والا انجیل کو پڑھتا ہے یا قرآن کو پڑھنے والا قرآن کو پڑھتا ہے اور ان کے

ورقوں سے خالقِ ارض و سماء کی شیریں آواز کی گونج کو جو ان لوگوں پر نازل ہوئی جو آج سے ہزاروں سال پہلے گزرے تو اس کے دل میں خواہش نہیں پیدا ہوتی کہ میں بھی خدا کے قریب ہوں اور اس کی دلکش آواز کو سنوں اور اس کی محبت کو انہیں لوگوں کی طرح حاصل کروں۔ یا اس کے دل میں یہ سوال پیدا نہیں ہوتا کہ جب اس زمانہ کے لوگ بھی خدا تعالیٰ ہی کی مخلوق ہیں تو کیوں ان سے خدا تعالیٰ کا سلوک ویسا نہیں جیسا کہ پچھلے لوگوں سے تھا۔

خدا کا فیضان ہمیشہ جاری ہے

میں سمجھتا ہوں کہ اس قسم کی خواہشات کے پیدا نہ ہونے کا سبب یہ خیال ہے کہ خدا تعالیٰ کا فیضان پچھلے زمانہ پر ختم ہو گیا۔ مگر اے بہنو اور بھائیو! یہ خیال اس محبت کرنے والے رب پر بد ظنی ہے جس سے زیادہ محبت کرنے والی ہستی اور کوئی نہیں ہے میں اپنے تجربہ کی بناء پر آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مسیح موعودؑ کے تعلق کے واسطہ سے اب بھی انسان انہیں فیوض کو دیکھتا ہے جن کو پچھلے لوگ دیکھتے تھے اور خدا تعالیٰ کی رحمت کے دروازے اب بھی اسی طرح کھلے ہیں جس طرح پہلے زمانہ میں کھلے تھے۔

جماعت احمدیہ کی کامیابی

پس مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ بے شک ہماری باتیں اس زمانہ کے لحاظ سے عجیب ہیں اور عقل نہیں مانتی کہ اس زمانہ میں یہ باتیں پھیل جائیں گی مگر خدا تعالیٰ کی طرف سے جب بھی کوئی آواز اٹھی ہے ایسے ہی حالات میں اٹھی ہے اور اسی طرح اس کا بلند ہونا ناممکن سمجھا گیا ہے۔ جب حضرت مسیحؑ نے بنی اسرائیل کو خدا کا پیغام پہنچایا یا جب حضرت محمد ﷺ نے لوگوں کو خدا تعالیٰ کی طرف بلایا اس وقت کون تسلیم کرتا تھا کہ یہ لوگ کامیاب ہو جائیں گے مگر آخر وہ کامیاب ہو کر رہے کیونکہ وہ اپنی طرف سے نہیں بلکہ اس کی طرف سے بولتے تھے جو تمام دنیا کا بادشاہ ہے اسی طرح اب یہ مشکل معلوم ہوتا ہے کہ مسیح موعود علیہ السلام کا مشن کامیاب ہو جائے گا مگر جیسا کہ خدا تعالیٰ نے پہلے سے خبر دے چھوڑی ہے ایسا ہی مقدر ہے اور ایسا ہی ہو کر رہے گا۔

مبارک کون ہے؟

مگر مبارک ہیں وہ جو تعصب کو نظر انداز کر کے سنجیدگی سے اس شخص کی آواز پر کان دھرتے ہیں جو یہ کہتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے مجھے مبعوث کیا ہے۔ یہ دعویٰ معمولی نہیں ہے خصوصاً اس حالت میں کہ اس دعویٰ کی تصدیق کے آثار ظاہر ہو چکے ہیں اور میں امید کرتا ہوں کہ سب بہنیں اور بھائی جو اس وقت جمع ہیں خواہ آپ کسی ملک اور مذہب سے تعلق رکھتے ہیں پوری توجہ سے اس سلسلہ کی حقانیت پر غور کرنا شروع کریں گے

اور اگر ان پر حق کھل جائے تو دلیری سے قبول کرلیں گے اور دوسروں کو بھی حق کی طرف بلائیں گے تا ان کا نام سابقون میں لکھا جائے اور سابقون میں شامل ہونا کوئی معمولی بات نہیں۔ ایسے لوگ اس دنیا میں بھی ہمیشہ کی زندگی پاتے ہیں اور ان کا نام قائم رکھا جاتا ہے اور دوسری زندگی میں بھی یہ لوگ خاص ترقیات حاصل کرتے ہیں۔

مکرر شکریہ اور دعا میں ایک دفعہ پھر آپ لوگوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے محبت سے میری باتوں کو سنا ہے اور اس دعا پر ختم کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سچائی کے نور کو دنیا میں پھیلائے اور جھوٹ کی تاریکی کا پردہ چاک کرے تا کہ اس کا روشن چہرہ دنیا پر ظاہر ہو اور علم اور عرفان سے لوگوں کے سینے معمور ہو جائیں۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

مرزا محمود احمد

(الفضل ۷۔ اکتوبر ۱۹۲۴ء)

پہلا انگریزی لیکچر

(یہ لیکچر حضرت خلیفۃ المسیح نے ۹ ستمبر ۱۹۲۴ء کی رات کو ایسٹ اینڈ ویسٹ یونین
کے اجلاس منعقدہ گلڈ ہاؤس میں بزبان انگریزی خود پڑھا)

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ
خدا کے رحم اور فضل کے ساتھ ھُوَالنَّاصِرُ

صدر مجلس! بہنو! اور بھائیو! گو آج آپ ایک اور لیکچر کے سننے کے لئے جمع ہوئے ہیں مگر مسٹر کے این داس گپتا ڈائریکٹر آف دی یونین آف دی ایسٹ اینڈ ویسٹ نے چونکہ مہربانی سے خواہش ظاہر کی ہے کہ میں بھی چند منٹ کے لئے بولوں اس لئے میں بھی اپنے چند خیالات کا اظہار کرتا ہوں۔

سوسائٹی کی غرض سے اتفاق

میں سمجھتا ہوں کہ اس سوسائٹی کی اصل غرض کے سوا اور کوئی مضمون ایسا لطیف نہیں ہوگا جس کے متعلق میں آج آپ لوگوں کے سامنے کچھ کہوں۔ اس سوسائٹی کی غرض جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے مشرق و مغرب کے درمیان اتفاق ہے اور اس غرض سے مجھے خاص طور پر دلچسپی ہے کیونکہ میں جس بزرگ کی پیروی کا فخر کرتا ہوں اور جس کی نیابت کا عہدہ خدا تعالیٰ نے محض بندہ نوازی سے مجھے عطا فرمایا ہے اس کا دعویٰ تھا کہ خدا تعالیٰ نے اسے اس لئے دنیا میں بھیجا ہے کہ تمام دنیا سے فساد کو دور کرے اور سب لوگوں میں محبت اور پیار کی روح پھونکے۔ اس کے عہدوں میں سے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوئے ایک "سلامتی کا شہزادہ" بھی تھا کیونکہ وہ سب دنیا کو سلامتی دینے کے لئے آیا تھا۔ پس مجھے اور ہر ایک میرے ہم مذہب کو اس امر کو دیکھ کر کہ کوئی جماعت اس فرض کو پورا کرنے کے لئے کوشش کر رہی ہے جس کے لئے ہمارا امام بھیجا گیا تھا نہایت ہی خوشی پہنچتی ہے۔ پس طبعاً مجھے آپ کی ایسوسی ایشن سے ایک اُنس ہے اور میں دعا کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ آپ کے کام میں برکت دے اور آپ کی ہمتوں کو بلند کرے۔

مرکزی ہستی کی طرف بڑھو

بہنو! اور بھائیو! میں ایک بات کی طرف آپ کو توجہ دلانا چاہتا ہوں جو یقیناً آپ کے کام میں مُمِدّ ہو گی اور جس کے بغیر حقیقی کامیابی مشکل ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ کو اسی ہستی کی طرف قدم بڑھانا چاہئے جو تمام عالم خلق کے لئے بطور مرکز کے ہے۔ ایک دائرہ ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ تمام بُعد مرکز سے بُعد کی وجہ سے ہوتے ہیں اور جوں جوں ہم مرکز کے قریب ہوتے جائیں خواہ ہم کسی جانب سے بھی کیوں نہ چلے ہوں ہم ایک دوسرے سے زیادہ نزدیک ہوتے چلے جاتے ہیں حتیٰ کہ اگر ہم مرکز تک پہنچنے کی توفیق پالیں پھر تو ہم میں کوئی جدائی رہتی ہی نہیں۔

اس تمام عالمِ خَلق کا مرکز خدا ہے اور بغیر اس کی کامل محبت کے اور اس کے قُرب کے ہم حقیقی اتحاد پیدا نہیں کر سکتے۔ جھگڑے تب ہی پیدا ہوتے ہیں جب کہ ہم اس کی طرف سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ اس کی کامل محبت ہمارے دلوں کو نفرت اور حقارت کے جذبات سے بالکل خالی کر دیتی ہے۔ لوگ ضرب المثل کے طور پر بھائیوں کی محبت کو پیش کرتے ہیں مگر یہ محبت کس سبب سے ہے؟ اسی لئے کہ ان کے وجود میں لانے والی ہستی ایک ہے۔ اولاد کا ماں سے یا باپ سے تعلق ان کے باہمی تعلقات کو مضبوط کر دیتا ہے اسی طرح جب لوگ خدا تعالیٰ کی محبت کو دوسری باتوں پر ترجیح دیں گے تو ان کے باہمی تعلقات مضبوط ہوں گے اور وہ محسوس کریں گے کہ جب ان سب کا پیدا کرنے والا ایک ہے اور وہ ایک ہی ہستی کے دامن رحمت کے سایہ کے نیچے بیٹھے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کی نسبت نفرت اور حقارت کے جذبات کو پیدا ہونے دیں۔

دنیا میں امن کس طرح ہو سکتا ہے

دنیا کا امن دنیا کے لوگوں کے ذریعہ سے نہیں ہو سکتا کیونکہ صلح کرانے والا یا مغربی ہو گا یا مشرقی اور اس وجہ سے ایک یا دوسری قوم اس کی کوششوں کو شک کی نگاہوں سے دیکھے گی۔ صلح اس ہستی کے ذریعہ سے ہو سکتی ہے جو نہ مشرقی ہے نہ مغربی ہے بلکہ سب جہتوں سے پاک ہے۔ اسی ذات کی طرف قدم بڑھانے سے ہم درحقیقت ایک دوسرے کی طرف قدم بڑھاتے ہیں اور جو اس کی طرف سے آئے وہی ہم کو جمع کر سکتا ہے کیونکہ وہ جو آسمان سے آتا ہے وہ مشرقی یا مغربی نہیں کہلا سکتا بلکہ جو اس سے تعلق رکھتے ہیں وہ بھی مشرق و مغرب کی قید سے آزاد ہو جاتے ہیں۔

بِلاوجہ جھگڑا فساد

میں سخت حیران ہو جاتا ہوں جب دیکھتا ہوں کہ بِلاوجہ بے سبب قومیں آپس میں کیوں عداوت کرتی ہیں۔ رہائش کی جگہ کے اختلاف اور دلی منافرت اور

عداوت کا آپس میں کیا تعلق ہے۔ کیا کوئی ملک ہے جو سب دنیا کی آبادی کو جمع کر سکا ہے۔ کیا یورپ یا اس کے مختلف بلاد امریکہ ' افریقہ اور ایشیا کی آبادی کو جگہ دے سکتے ہیں۔ کیا افریقہ امریکہ یا ایشیا دوسرے براعظموں کی آبادی کو سنبھال سکتے ہیں۔ اگر نہیں تو جو بُعد محض ضرورت کی وجہ سے ہے اور جس کا علاج کسی کے پاس نہیں اس کے سبب سے اس قدر جھگڑا اور لڑائی کیوں ہے۔ میں مذہبی' تمدنی اور علمی اختلاف کو دیکھتا ہوں تو بھی وجہ اختلاف کی نظر نہیں آتی۔ اگر کوئی قوم دوسری قوموں سے مذہبی' تمدنی یا علمی ترقی میں بڑھی ہوئی ہے تو اس کو دوسری قوموں کو ابھارنے کی کوشش کرنی چاہئے نہ کہ اس سے نفرت کرنی چاہئے۔ ایک گرے ہوئے بھائی کی حالت کو دیکھ کر ایک شریف آدمی کے دل میں اظہار ہمدردی پیدا ہوتا ہے یا اس سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔ دوستی تو وہی ہے جو تکلیف کے وقت میں ظاہر ہو نہ کہ وہ جس کا اظہار آرام و راحت کے زمانہ میں کیا جائے۔ پھر جیسا کہ قرآن کریم فرماتا ہے قوموں کی ترقیات اور ان کے تنزل دَوری ہیں۔ آج ایک قوم ترقی کرتی ہے کل دوسری۔ کونسی قوم ہے جس نے شروع دنیا سے علم کی مشعل کو اونچا رکھا ہو۔ پھر کس قوم کا حق ہے کہ وہ دوسروں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھے۔ دنیا کی ہر ایک قوم ایک دوسرے کی شاگرد ہے۔ باری باری سب ہی استادی اور شاگردی کی جگہیں تبدیل کرتے چلے آئے ہیں پھر یہ اختلاف اور منافرت کیوں ہے اس وجہ سے کہ لوگ اپنے آپ کو اس دنیا میں محدود سمجھتے ہیں اور اسی وجہ سے جہات کا اختلاف اور حالتوں کا تغیر ان کے قلوب پر بُرا اثر ڈالتا ہے۔ جس دن دنیا کا یہ نقطہ نگاہ بدلا اسی دن سے صلح اور امن کا دور شروع ہو جائے گا۔

ہمارا مقام

بہنو! اور بھائیو! آؤ ہم اپنی نظر کو ذرا اونچا کریں اور دیکھیں کہ ہم صرف اس دنیا کے ساتھ جو سورج کے گرد زمین کی گردش کی وجہ سے مشرق و مغرب میں منقسم ہے تعلق نہیں رکھتے بلکہ ہماری جگہ بہت وسیع ہے۔ ہم اس خدا سے تعلق رکھتے ہیں جو تمام عالم کا پیدا کرنے والا ہے۔ پس ہمارا مقام سورج سے بھی اونچا ہے اور مشرق و مغرب ہمارے غلام ہیں نہ کہ ہم مشرق و مغرب کے غلام۔ ہم سمجھ دار ہو کر ان باتوں سے کیوں متاثر ہوں جو صرف نسبتی اور وہمی ہیں۔ مشرق و مغرب کا سوال لوگوں کے امن کو برباد کر رہا ہے مگر میں پوچھتا ہوں کہ وہ مغرب کہاں ہے جو کسی دوسری جہت سے مشرق نہیں اور وہ مشرق کہاں ہے جو کسی دوسری جہت سے مغرب نہیں۔ آؤ ہم اپنے آپ کو ان وہموں سے اونچا ثابت کریں اور اس مرکز خلق کی طرف توجہ کریں جو سب کو جمع کرنے والا ہے۔

(الفضل ۷۔ اکتوبر ۱۹۲۴ء)

انگلستان کی روحانی فتح کی بنیاد رکھ دی گئی

لنڈن سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا چوتھا مکتوب گرامی

(تحریر فرمودہ مورخہ ۱۱ ستمبر ۱۹۲۴ء)

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ - ھُوَالنَّاصِرُ

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

برادران جماعت احمدیہ! اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ

مصروفیت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہ کام اچھی طرح ہو رہا ہے، تبلیغ عمدگی سے جاری ہے۔ کیونکہ گو اصل کام ہمارا اور ہے مگر جو فارغ وقت ملے اس میں تبلیغ کی طرف بھی توجہ کی جاتی ہے۔ احباب سب اپنے کاموں میں مشغول ہیں۔ اور بعض دفعہ ہوا خوری کے لئے باہر جانے کا بھی دوستوں کو موقع نہیں ملتا۔ یہی حال میرا ہے۔ رات کے دو دو بجے تک مجھے تو جاگنا پڑتا ہے مگر دل خوش ہے اور قلب مطمئن ہے کہ موت بھی ہوگی تو یار کی راہ میں ہوگی۔ اور اے عزیزو! اس زندگی کا کیا فائدہ جو تن پروری میں خرچ ہو۔ اس دنیا میں تو کسی نے رہنا نہیں، کوئی پہلے مرگیا کوئی پیچھے مرگیا، بات تو ایک ہی ہے۔ پھر کیوں نہ اُسی زندگی کے آرام کی طرف خیال رکھے جو نہ ختم

ہونیوالی ہے۔ کاش! اس امر کی مجھے سچی توفیق مل جائے۔

طبّی مشورہ مکرّمی و معظّمی ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب نے مجھے طبی طور پر مشورہ دیا ہے کہ میں صحت کی کمزوری کو دور کرنے کے لئے کچھ عرصہ تک زیادہ سوؤں مگر ان کو کیا معلوم ہے کہ یہاں باقاعدہ دو یا تین بجے سونے کا موقع ملتا ہے اور غالباً آنے والے دنوں میں کام اور زیادہ بڑھ جائے گا۔ کیونکہ اب اِنْشَاءَ اللّٰہُ مختلف لیکچروں اور ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہونے والا ہے۔ اور چونکہ مجھے اردو میں مضمون لکھنا پڑتا ہے تاکہ اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا جائے اس لئے وقت بہت ہی لگتا ہے۔ انسان دو گھنٹہ میں جس قدر مضمون بیان کر سکتا ہے اس کو چھ سات دنوں میں لکھ سکتا ہے۔ پس اس مشکل کی وجہ سے کام بہت بڑھ رہا ہے۔

لیکچروں کا پروگرام اِنْشَاءَ اللّٰہُ تین دن کو میرا لیکچر "پیام آسمانی" پر پورٹ سمتھ نامی شہر میں ہو گا۔ اس کے بعد پانچ دن کو لنڈن میں انیس ۱۹ تاریخ کو "حیات بعد الموت" پر لیکچر ہو گا۔ تیئس (۲۳) کو اس کانفرنس میں لیکچر ہے جو یہاں آنے کا محرّک ہوئی ہے۔ گو موجب نہیں۔ چھبیس (۲۶) کو ایک لیکچر ہندوستان کے موجودہ حالات پر ایک سیاسی انجمن کی درخواست پر قرار پایا ہے۔ پھر انتیس (۲۹) کو ایک نوجوانوں کی انجمن میں رسول کریم ﷺ کی زندگی پر لیکچر ہے۔ اِنْشَاءَ اللّٰہُ تعالیٰ

احباب کو مختلف مقامات پر بھیجنا میرا یہ منشاء ہے کہ کام کو زیادہ وسیع کرنے کے لئے مختلف احباب کو انگلستان کے مختلف شہروں میں پھیلا دوں اس سے خرچ تو کچھ زیادہ ہو جائے گا مگر اِنْشَاءَ اللّٰہُ کام بہت وسیع ہو جائے گا اور آواز دور دور تک پھیل جائے گی۔

دشمن کی ہنسی اور تمسخر گو دشمن ہنسے گا اور تمسخر اُڑائے گا مگر میں اس کی ہنسی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اس بات کے اظہار سے نہیں رُک سکتا کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے انگلستان کی روحانی فتح شروع ہو چکی ہے۔ میرا منشاء خواجہ صاحب کی طرح یہ نہیں کہ چونکہ انگلستان کے سَو اخباروں نے یا اس سے بھی زیادہ اخباروں نے سلسلہ کے متعلق تعریفی الفاظ میں نوٹ لکھے ہیں پس معلوم ہوا کہ انگلستان مسلمان ہو گیا ہے۔ بلکہ جو کچھ میں کہتا ہوں وہ ایک روحانی امر ہے جس کو صرف وہی دیکھ سکتے ہیں جن کی روحانی آنکھیں ہوں۔

انگلستان کے متعلق رؤیا اور اس کا پورا ہونا

آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ اس بادشاہ نے جس کے قبضہ میں تمام عالم کی باگ ہے مجھے رؤیا میں بتایا تھا کہ میں انگلستان میں گیا ہوں اور ایک فاتح جرنیل کی طرح اس میں داخل ہوا ہوں۔ اور اس وقت میرا نام ولیم فاتح رکھا گیا۔ میں جب شام میں بیمار ہوا اور بیماری بڑھتی گئی تو مجھے سب سے زیادہ خوف یہ تھا کہ کہیں میری شامتِ اعمال کی وجہ سے ایسے سامان نہ پیدا ہو جاویں۔ کہ خدا تعالیٰ کا وعدہ کسی اور صورت میں بدل جائے اور میں انگلستان میں پہنچ ہی نہ سکوں۔ اور اس خوف کی وجہ یہ تھی کہ میں اس خواب کی بناء پر یقین رکھتا تھا کہ انگلستان کی روحانی فتح صرف میرے انگلستان جانے کے ساتھ وابستہ ہے۔ لیکن آخر اللہ تعالیٰ کے فضل سے میں انگلستان پہنچ گیا ہوں اور اب میرے نزدیک انگلستان کی فتح کی بنیاد رکھ دی گئی ہے۔ آسمان پر اس کی فتح کی بنیاد رکھ دی گئی ہے اور اپنے وقت پر اس کا اعلان زمین پر بھی ہو جائے گا۔

دشمن ہنسے گا اور کہے گا یہ بے ثبوت دعویٰ تو ہر اک کر سکتا ہے مگر اس کو ہنسنے دو کیونکہ وہ اندھا ہے اور حقیقت کو نہیں دیکھ سکتا۔ آتھم کے متعلق جب حضرت مسیح موعود علیہ السلامؑ نے پیشگوئی فرمائی اور وہ مصلحت الٰہی کے ماتحت اور رنگ میں پوری ہوئی تو سب ہندوستان میں اس پر تمسخر کیا گیا۔ اس وقت کے نواب صاحب بہاولپور کے دربار میں بھی اس کا ذکر ہوا اور انہوں نے بھی اس کے غلط ہونے کی تائید میں رائے دی۔ ان کے پیر خواجہ غلام فرید صاحب رحمۃ اللہ علیہ چاچڑاں والے اس وقت دربار میں موجود تھے۔ اس بات کو سن کر جوش میں آگئے اور فرمایا کہ جو یہ کہتا ہے کہ مرزا صاحب کی پیشگوئی جھوٹی نکلی وہ غلط کہتا ہے۔ آتھم مرچکا۔ مجھے وہ مُردہ نظر آرہا ہے۔ دنیا کے کیڑوں کو وہ زندہ نظر آتا ہے۔

انگلستان کے فتح ہونے کی شرط پوری ہو گئی

میں بھی کہتا ہوں انگلستان فتح ہو چکا' خدا کا وعدہ پورا ہو گیا۔ اس کی فتح کی شرط آسمان پر یہ مقرر تھی کہ میں انگلستان آؤں' سو میں خدا کے فضل سے انگلستان پہنچ گیا ہوں۔ اب اس کارروائی کی ابتداء اِنْشَاءَ اللّٰہُ شروع ہو جائے گی۔ اور اپنے وقت پر دوسرے لوگ بھی اِنْشَاءَ اللّٰہُ دیکھ لیں گے کہ جو کچھ میں نے لکھا تھا وہ سچ ہے۔ نادان لوگ نہیں جانتے کہ بعض امور کا تعلق بعض خاص شخصوں کی ذات سے وابستہ ہوتا ہے۔ اور انگلستان میں ترقی اسلام کا سوال خدا تعالیٰ کی قضاء میں میرے انگلستان آنے کے ساتھ متعلق تھا۔

مسیح موعودؑ کو جو رؤیا دکھائی گئی' اس میں بھی یہ بتایا گیا تھا کہ آپ کے ولایت جانے پر یہ فتح شروع ہوگی اور مجھے بھی یہی دکھایا گیا-اورچونکہ نبیوں کے خلیفہ ان کے ہی وجود سمجھے جاتے ہیں اس لیے دونوں خوابوں کا مطلب ایک ہی تھا-حضرت مسیح موعودؑ کی رؤیا سے مراد بھی ان کے جانشین کے انگلستان جانے سے تھی-اور میری رؤیا سے مراد بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ولایت جانے سے تھی-پس جبکہ مسیح موعودؑ اپنے روحانی جانشین کے ذریعہ سے انگلستان پہنچ گئے تو اب اِنْشَاءَاللّٰہُ اس فتح کا دروازہ بھی کھول دیا جائے گا جو کہ ہمیشہ سے مقدر ہے-

خدا تعالیٰ کی سنت ہے کہ جب کسی پیشگوئی کے پورا ہونے کا وقت آتا ہے تو وہ پھر اس کی طرف توجہ دلا دیا کرتا ہے-اور میں سمجھتا ہوں کہ میں نے جو خواب میں دیکھا کہ میں انگلستان میں گیا ہوں اس سے مراد یہی تھی کہ مسیح موعود کی"ازالہ اوہام"والی رؤیا کے پورا ہونے کا وقت آگیا ہے- فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَرَانَا مَا وَعَدَنَا عَلٰی لِسَانِ الْمَسِیْحِ عَلَیْہِ السَّلَامُ

مولوی محمد علی صاحب اوران کے رفقاء کا اعتراض اور اس کا جواب

مولوی محمد علی صاحب اوران کے رفقاء کو اعتراض ہے کہ اس سفر پر اس قدر خرچ کیوں کیا ہے-اور غالباً اسی وجہ سے اعتراض ہے کہ ان کو خیال ہے میں نے یہ سفر سیر و سیاحت کی وجہ سے اختیار کیا ہے-میں ان کو بتانا چاہتا ہوں کہ یہ درست نہیں -افسوس ہے کہ اب یہ امر مشکل ہے ورنہ میں ان کو کہتا کہ میرے خرچ پر میرے ساتھ چلیں اور میری زندگی کا مطالعہ کریں-اور پھر مؤمنانہ طور پر تجربہ کے بعد میرے متعلق رائے دیں-اگر وہ ساتھ ہوتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ خود غیر احمدی لوگ اور انگلستان کے واقف لوگ بھی ہمیں نصیحت کرتے ہیں کہ اس قدر کام اچھا نہیں ہے-صحت کا خیال بھی رکھنا چاہیئے- آج لنڈن پہنچے بیس دن ہوگئے ہیں -اور ہمارے نزدیک لنڈن ابھی ویسا ہی ہے جیسا کہ ہندوستان میں تھا-نہ ہمیں اس کی عمارتوں کا پتہ ہے اور نہ اس کے عجائبات کا-جو کچھ ہمیں معلوم ہے وہ یہاں کے آدمی ہیں جو ملنے کے لئے آجاتے ہیں-یا وہ نظارہ ہے جو ہوا خوری کے لئے جاتے ہوئے راستہ میں نظر آجاتا ہے-اور میں امید کرتا ہوں کہ مولوی محمد علی صاحب باوجود سخت دشمنی اور تعصّب کے یہ امید نہیں کریں گے کہ ہم لوگ اگر چوتھے پانچویں دن سیر کے لئے نکلیں یا پٹنی کے مکان کی طرف جمعہ کی نماز کے لئے جاویں تو ہمیں آنکھیں بند کرکے چلنا چاہیئے کہ کہیں ہمارا سفر تفریح کا سفر نہ بن جائے-

بہر حال میں ان کو بتانا چاہتا ہوں کہ اگر اس سفر میں ہم کوئی بھی کام نہ کرتے اور سیریں ہی کرتے رہتے، تب بھی یہ سفر قابل اعتراض نہ تھا کیونکہ یہ دو پیشگوئیوں کو پورا کرنے کے لئے تھا۔ایک آنحضرت ﷺ کی پیشگوئی جو دمشق کے متعلق تھی اور ایک حضرت مسیح موعودؑ کی جو انگلستان کے متعلق تھی۔پس اگر ہم لوگ اپنے روپیہ سے بغیر اس کے کہ مولوی صاحب سے روپیہ کا مطالبہ کریں اور بغیر اس کے کہ غیر احمدیوں سے کچھ مانگیں (وہ چونکہ مولوی محمد علی صاحب کے داتا ہیں۔ان سے مانگنے کا اثر بھی لَوٹ کر مولوی محمد علی صاحب کے خزانہ پر پڑتا ہے) اس سفر کو بعض پیشگوئیوں کے پورا کرنے کے لئے اختیار کریں تو اس پر ان کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔

میں سمجھتا ہوں مولوی محمد علی صاحب جس طرح خود میرے معاملہ میں اپنی عقل کو فراموش کر دیتے ہیں اسی طرح باقی لوگوں کو بھی سمجھتے ہیں۔میں نے انگلستان آنے کا ارادہ نہیں کیا جب تک کہ سَو میں سے نوّے جماعتوں نے مجھے یہاں آنے کا مشورہ نہیں دیا۔پس اگر یہ سفر ناجائز تھا تو اعتراض جماعتوں پر پڑتا ہے نہ مجھ پر۔وہ یہ تو کہہ سکتے تھے کہ دیکھو کیسا نادان ہے کہ لوگوں نے ناواقفیت سے مشورہ دیا اور وہ گھر سے نکل کھڑا ہوا۔مگر یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ اس کو کسی نے روکا کیوں نہیں۔کیا مولوی صاحب سمجھتے ہیں کہ ان کے مضمون میں ایسا مقناطیسی اثر ہے کہ وہ مسمریزم کے اثر کی طرح سب کچھ بُھلا دیتا ہے اور اپنی مرضی منوالیتا ہے۔

جن لوگوں نے مہینہ بھر پہلے مجھے مشورہ دیا تھا کہ میں ضرور انگلستان جاؤں اور کسی تکلیف کا بھی خیال نہ کروں۔کیا وہ ایک مہینہ کے بعد یہ کہہ سکتے ہیں کہ میں نے قوم کا روپیہ کیوں برباد کیا اور کیوں انگلستان چلا گیا۔اور پھر وہ قوم کا روپیہ برباد کرنے کا الزام مجھ پر دے سکتے ہیں جو جانتے ہیں کہ میں نے اپنی ذات کے لئے کوئی روپیہ نہیں لیا۔اور جو اپنے خطوں میں اس پر اصرار کرتے رہے ہیں کہ میں اپنی ذات کے اخراجات بھی جماعت کے خزانہ سے لوں۔میں مولوی محمد علی صاحب کو یقین دلاتا ہوں کہ احمدی جماعت کچھ بھی ہو وہ اس قدر عقل سے دور نہیں ہوگئی کہ اس قسم کی مجنونانہ باتیں کرنے لگ جائے۔

خدا کے سوا کسی کی پرواہ نہیں

مگر میں ان سے دریافت کرتا ہوں کہ اگر ان کے مضمون کا اثر ہو جائے تو پھر کیا ہوگا۔یہی نا کہ لوگ میری بیعت سے منحرف ہو کر ان سے جا ملیں گے۔سو میں اس کے متعلق پھر ایک دفعہ کہہ دینا چاہتا ہوں

کہ میں آدمیوں کا بھوکا نہیں میں اپنے رب کی نگاہ کا بھوکا ہوں- اے نادان مولوی! تُو اپنی طرح مجھے مت خیال کر- احمدی جماعت کیا ہے ایک مٹھی بھر جماعت ہے- اگر ساری دنیا میرے ساتھ ہو اور مجھے چھوڑ دے تو میں اپنے خدا پر یقین رکھتا ہوں کہ وہ مجھے نہیں چھوڑے گا- اور جب خدا تعالیٰ میرے ساتھ ہے تو مجھے انسانوں کے آنے یا جانے کی کیا پرواہ ہے- جو انسان میری بیعت کرتا ہے وہ اپنے فائدے کے لئے ایسا کرتا ہے' مجھ پر اس کا احسان نہیں بلکہ میرے ذریعہ سے خدا تعالیٰ اس پر احسان کرتا ہے- جو شخص مجھے کوئی تحفہ دیتا ہے وہ مجھ پر احسان نہیں کرتا بلکہ خدا تعالیٰ اس ذریعہ سے اس پر احسان کرتا ہے- تم میں سے کون ہے جو کہہ سکے کہ میں نے کبھی اس سے کچھ مانگا ہو- سوائے اس کے کہ بطور قرض کے کسی سے کوئی رقم لی ہو- کوئی ہے جو مجھ پر دنایت کا الزام لگا سکے؟ کوئی ہے جو مجھ پر خیانت ثابت کر سکے؟ کوئی ہے جو میری طرف لالچ یا حرص کو منسوب کر سکے؟ اگر کوئی شخص دنیا کے پردہ پر اس قسم کا موجود ہے تو میں اس کو قسم دیتا ہوں اس ہستی کی جس کے ہاتھ میں اس کی جان ہے کہ وہ خاموش نہ بیٹھے اور مجھے دنیا کی نظروں میں ذلیل کرے- اگر میں احمدیت سے غدر کرنے والا ہوں' اگر میں لوگوں کے مال کھانے والا ہوں' اگر میں لالچ اور حرص کی مرض میں مبتلا ہوں تو میری مدد کرنے والا' میرے راز پر پردہ ڈالنے والا خدا اور اس کے دین کا دشمن ہے- اور جس قدر جلد وہ اپنی اصلاح کرے' اسی قدر اس کی روحانیت کے لئے یہ امر اچھا ہوگا-

جماعت کے روپیہ کا امین

زندگی کا کوئی اعتبار نہیں' موت ہر اک کو آنیوالی ہے- پس میں اس امر کا اعلان کرتا ہوں کہ خواہ مجھ میں کوئی قصور ہوں' کوئی غلطیاں ہوں' میں جماعت کے روپیہ اور اس کے سامان کا اس رنگ میں امین رہا ہوں کہ اس سے زیادہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کر سکتا ہوں- بعض دوست مجھے بطور ہدیہ کے روپیہ بھیجتے ہیں اور میرے نام منی آرڈر ارسال کرتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ جب ان کے نام روپیہ بھیجا ہے تو کچھ لکھنے کی کیا ضرورت ہے- میں اس روپیہ کو بھی کبھی نہیں لیتا- میرے نام سے سب منی آرڈر دفتر محاسب میں جمع ہوتے ہیں اور وہاں رجسٹروں میں درج ہو کر میرے پاس آتے ہیں- پس میرے حالات پر کوئی پردہ نہیں- وہ رجسٹر اور وہ کوپن اس امر پر شاہد ہیں کہ ایسا روپیہ بھی خزانہ' جماعت میں داخل ہوتا ہے- میں اس کو ہاتھ نہیں لگاتا- میں بے شک ضرورت کے وقت خزانہ سلسلہ سے روپیہ قرض لے لیتا ہوں اور پھر حسب توفیق ادا کر دیتا ہوں-

اس کا میں مُقِرّ ہوں اور میں اسے جائز سمجھتا ہوں اور اس کا کئی بار اظہار کرچکا ہوں۔اس کے سوا مجھے جماعت کے روپیہ سے کوئی تعلق نہیں۔میں امیر آدمی نہیں‘بسااوقات مجھے بیماری میں دواؤں اور ضروری لباس یااورضروریات کے لئے سامان میسّر نہیں ہوتا تو میں نفس پر تکلیف برداشت کرلیتا ہوں مگر اپنی حالت کو بھی ایسا نہیں بناتا کہ لوگوں کو معلوم ہو کہ مجھے کسی چیز کی ضرورت ہے۔کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ بھی ایک رنگ سوال کا ہے۔

اگر باوجود ان حالات کے کوئی شخص میری طرف وہ بات منسوب کرتا ہے جن سے میں ایسا ہی دور ہوں جیسا کہ نور ظلمت سے تو میں اپنے خدا کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ اور اس سے عرض کرتا ہوں کہ اے میرے خدا! اے میرے خدا میں تیرا عاجز بندہ ہوں اور اپنے گناہوں کا مُقِرّ۔ میں اپنی خطاؤں کی معافی کی امید میں ان لوگوں کے ظلموں کو معاف کرتا ہوں۔تو ان کی خطاؤں کو بھی معاف فرما اور میرے قصوروں سے بھی درگذر کر۔اور میرے دل کو صبر کی طاقت دے کہ روح تو خوش ہے مگر جسم تکلیف محسوس کرتا ہے۔

مولوی نعمت اللہ صاحب کی شہادت

مولوی محمد علی صاحب اور ان کے رفقاء کے ان الزامات کے جواب میں جو انہوں نے میرے سفر کے متعلق اب تک کئے ہیں آخری بات کہہ کر میں اس تکلیف دہ واقعہ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں جو کابل میں ہوا ہے۔مولوی نعمت اللہ صاحب کی شہادت معمولی بات نہیں ہے۔کیونکہ افغانستان کے پہلے فعل اگر جہالت کے ماتحت تھے تو یہ دیدہ دانستہ ہے۔ اب افغانستان کی گورنمنٹ ہمارے اصول سے اچھی طرح واقف ہوگئی ہے۔اور اس کا یہ فعل نہایت قابل افسوس ہے۔مگر مسلمان لڑنے کے لئے نہیں بلکہ دنیا کے لئے قربان ہونے کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اس لئے ہمیں اپنے خیالات کی رَو کو صلح اور امن کی طرف پھیرنا چاہیئے نہ کہ بُغض اور فساد کی طرف۔

بد پر رحم اور بدی سے نفرت

ہمیں یہی تعلیم ہے کہ ہم کو چاہیئے کہ بد پر رحم کریں اور بدی سے نفرت کریں۔بدی کو مٹائیں اور بد کو بچائیں۔پس ہمیں افغانستان کی گورنمنٹ اور اس کے فرمانروا کے خلاف دل میں بُغض نہیں رکھنا چاہیئے بلکہ دعا کرنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ اب بھی ان کو ہدایت دے۔بے شک یہ کام مشکل ہے۔اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ صبر مشکل ہے۔ہمیں جیسا کہ میں تار میں لکھ چکا ہوں اپنی پوری توجہ اس کام کے

جاری رکھنے کے لئے کرنی چاہیئے جس کی خاطر مولوی نعمت اللہ صاحب نے جان دی ہے۔اور ہمیں ان لوگوں کی یاد کو تازہ رکھنا چاہیئے تاکہ ہمارے تمام افراد میں قربانی کا جوش پیدا ہو۔

شہیدوں کے کتبے میری رائے ہے کہ جس قدر سلسلہ کے شہید ہوں ان کے نام ایک کتبہ پر لکھوائے جائیں اور اس کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سرہانے کی طرف لگوایا جائے تاوہ ہر اک کی دعامیں شامل ہوتے رہیں۔اور ہر اک کی نظران کے ناموں پر پڑتی رہے۔فی الحال اس کتبہ پر مولوی شہزادہ عبداللطیف صاحب اور مولوی نعمت اللہ صاحب کا نام ہو۔اگر آئندہ کسی کو یہ مقام عالی عطا ہو تو اس کا نام بھی اس کتبہ پر لکھا جائے۔

تذکرۃ الشہداء اسی طرح ایک کتاب تیار ہو جس میں تاریخی طور پر تمام شہداء کے حالات جمع ہوتے رہیں تا آئندہ نسلیں ان کے کارناموں پر مطلع ہوتی رہیں۔اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کریں۔

افغانستان میں تبلیغ کا سوال اسی طرح ہمیں افغانستان میں تبلیغ اسلام کے سوال پر خاص غور کرنا چاہیئے۔وہاں کھلی تبلیغ کا دروازہ تو سرِدست بند ہے۔مگر ہمیں اس ملک کو ایک دن کے لئے بھی نہیں چھوڑنا چاہیئے۔چاہیئے کہ ہمارے مخلص دوست اپنے اپنے علاقوں میں جاکر وہاں سے بااثر خاندانوں کے نوجوانوں کو ہندوستان میں لاویں پھر قادیان میں ان کو کچھ عرصہ تک رکھا جائے اور ان کو سلسلہ سے واقف کر کے چھ سات ماہ کے بعد ان کے وطن واپس کر دیا جائے۔

جو شخص ایک ماہ بھی قادیان میں رہے گا اس کا بغیر احمدی ہونے کے واپس جانا بظاہر خلاف توقع ہے۔اور ہمیں یہی امید کرنی چاہیئے کہ ان میں سے سو فیصدی ہی احمدی ہو کر جائیں گے۔یہ لوگ جب واپس جاویں گے تو اپنے اپنے علاقہ کے لئے مبلغ کا کام دیں گے۔اور صرف اپنے رشتہ داروں میں تبلیغ کریں گے۔اس طرح چند سال میں ہی ایک معقول تعداد نو احمدیوں کی افغانستان میں پیدا ہو جائے گی۔یہ ضروری ہے کہ ایسے لوگ مختلف علاقوں اور شہروں سے آئیں تا ایک ہی وقت میں سب طرف احمدیت کا اثر پھیل جائے۔اس کے لئے ہمیں تین چار آدمی مقرر کرنے چاہئیں جو ہر وقت افغانستان میں چکر لگاتے رہیں۔میں امید کرتا ہوں کہ اگر افغانستان کے باشندوں میں سے جو اس کام کے پہلے حقدار ہیں' اس بات کے لئے آدمی نہ ملیں تو پنجابیوں کو اور خصوصاً سرحدیوں کو اس کام کے لئے تیار ہو جانا چاہیئے۔

چوہدری ظفراللہ خانصاحب بیرسٹرایٹ لاء کی کابل جانے پر آمادگی

میں نہایت خوشی سے اعلان کرتاہوں کہ بغیر اس تجویز کے علم کے چوہدری ظفراللہ خاں صاحب نے اپنے نام کو اس لئے پیش کیا ہے اور لکھاہے کہ صرف نام دینے کے لئے ایسا نہیں کرتا بلکہ پورا غور کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچاہوں کہ مجھے اس کام کے لئے اپنے آپ کو پیش کرنا چاہیئے۔

حضرت خلیفۃ المسیح کی دلی تڑپ

افسوس کہ میری ذمہ داریاں مجھے اجازت نہیں دیتیں اور نہ میری کوئی بالغ اولاد ہی ہے کہ وہ میری دلی تڑپ کو پورا کرے۔ اس لئے میں خون دل پی کر خاموش ہوں۔اور چونکہ کسی کو دل کھول کر دکھایا نہیں جاسکتا اس لئے اپنی حالت کا اظہار بھی نہیں کرسکتا ورنہ ،

خدا شاہد ہے اس کی راہ میں مرنے کی خواہش میں
مرا ہر ذرہ تن جھک رہا ہے التجا ہو کر

اے عزیزو! اب وقت تنگ ہے اور میں آپ سے رخصت ہوتاہوں۔ طبیعت میری ابھی تک بیمار ہے۔اسہال اور پیچش سے آرام نہیں' کھانسی بھی شروع ہے۔مگر میں اپنے رب کے ہاتھ میں ہوں اور آپ کو بھی اسی کے سپرد کرتاہوں۔ نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ

والسلام

خاکسار

مرزا محمود احمد

(الفضل ۴۔اکتوبر ۱۹۲۴ء)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

پیغامِ آسمانی

(فرمودہ ۱۴ ستمبر ۱۹۲۴ء بمقام پورٹ سمتھ (انگلینڈ) بوقت پونے سات بجے شام)

جناب صدر جلسہ! بہنو اور بھائیو!! اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ

"میں تم سے کہتا ہوں کہ آدمیوں کا ہر گناہ اور کفر تو معاف کیا جائے گا مگر جو کفر روح کے حق میں ہو وہ معاف نہ کیا جائے گا...... اور جو کوئی روح القدس کے برخلاف کوئی بات کہے گا وہ اسے معاف نہ کی جائے گی۔ نہ اس عالم میں نہ آنے والے میں۔[۲۱]

ان الفاظ میں خدا تعالیٰ کے ایک مقدس نبی نے ان لوگوں کو جو ایک آسمانی پیغام کا انکار کر رہے تھے آج سے انیس سو سال پہلے مخاطب کیا تھا اور ان الفاظ کا زور اور طاقت آج بھی ویسا ہی قائم ہے۔

روح القدس کیا ہے؟

ان تمام روایات کو اگر الگ کر دیا جائے جو قوت واہمہ نے روح القدس کے لفظ کے گرد جمع کر دی ہیں تو روح القدس وہ فرشتہ ہے جو خدا تعالیٰ کا پیغام مسیح علیہ السلام کے پاس لایا تھا اور حضرت مسیح کے مذکورہ بالا الفاظ سے سوائے اس کے اور کچھ مراد نہیں کہ ہر قسم کا گناہ اور کفر انسان کو بخش دیا جائے گا مگر وہ گناہ اور کفر جو خدا کے کلام کے خلاف ہو گا وہ بخشا نہیں جائے گا۔ ابن آدم یعنی مسیح کی ذات کے خلاف اگر کوئی شخص کہے گا تو اس کی معافی کی امید ہے مگر جو شخص اس پیغام کے خلاف کچھ کہے گا جو ابن آدم لایا ہے وہ اس دنیا میں سزا پائے گا اور اگلے جہان میں بھی۔

خدا کے کلام کی خلاف ورزی کا نتیجہ

یہ فقرے ایک زبردست صداقت اپنے اندر رکھتے ہیں ایسی صداقت جس کے اندر ایک شائبہ بھی غلطی کا نہیں اگر ذرا بھی غور کر کے دیکھا جائے تو عقل اس نتیجہ پر پہنچنے پر مجبور ہوتی ہے کہ

اگر کوئی خدا ہے اور اگر وہ دنیا کی اصلاح کے لئے پیغام بھیجتا ہے اور اگر اس کا پیغام واقعی دنیا کے فائدہ کی باتوں پر مشتمل ہوتا ہے نہ کہ بے معنی اور بے فائدہ باتوں پر' تو جو شخص اس کلام کا انکار کرے یا اس کی طرف سے منہ پھیر لے ضرور اسے اپنے عمل کا خمیازہ بُھگتنا چاہئے' ہم کسی شخص کو کسی جگہ کی راہ بتادیں اور وہ باوجود ہماری ہدایت سے بے پرواہی کرنے کے بے تکلف اور بے تکلیف منزل مقصود پر پہنچ جائے تو یقیناً ہماری ہدایات کی غلطی ثابت ہوگی اگر ہماری ہدایات درست ہوتیں تو وہ شخص کبھی بغیر ٹھوکریں کھانے کے اور اپنی اصلاح کرنے کے منزل مقصود پر نہ پہنچ سکتا۔ اسی طرح اگر خدا کا کلام بھی سچی ہدایت پر مشتمل ہوتا ہے تو یقیناً اس کی خلاف ورزی کے نتیجہ میں انسان کو دکھ پہنچنا چاہئے نہ اس لئے کہ خدا ایک کینہ رکھنے والی ہستی ہے بلکہ اس لئے کہ خلاف کرنے والے نے اس راستہ پر قدم مارا جو تکلیفوں اور دکھوں کا راستہ تھا۔ خدا کا کلام اس لئے دنیا میں نہیں آتا کہ تا وہ اس کے ذریعہ لوگوں کا امتحان لے بلکہ اس لئے آتا ہے کہ تا وہ لوگوں کو اس راستہ کی خبر دے جو منزل مقصود تک پہنچنے کا صحیح راستہ ہے۔

پیغام آسمانی کی اہمیت

میری غرض اس تمام تمہید سے یہ ہے کہ پیغام آسمانی کوئی معمولی بات نہیں کہ انسان اس کی طرف سے منہ پھیر لے اور کچھ ضرر نہ پائے بلکہ وہ ایک طبعی قانون کی طرح ایک روحانی قانون ہے جس کی خلاف ورزی روحانی صحت سے انسان کو محروم کردیتی ہے۔ جس طرح زہر کھا کر کوئی شخص اس کے اثر سے بچ نہیں سکتا اسی طرح خدا کے کلام کا انکار کرکے بھی انسانی روح اس کے بداثرات سے بچ نہیں سکتی۔ اس کے مطابق عمل کرنا خدا پر احسان نہیں بلکہ اپنی جان پر احسان ہے اور اس کی خلاف ورزی سے خدا تعالیٰ کو کوئی نقصان نہیں بلکہ اس میں ہمارا اپنا نقصان ہے۔

پیغام آسمانی کی ضرورت

پیغام آسمانی کی اہمیت بتانے کے بعد میں آپ لوگوں کو اس امر کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ چونکہ انسان کی پیدائش کی غرض یہ ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی صفات کو اپنے اندر پیدا کرے اور تقدس اور کمال پیدا کرے اس لئے ضروری ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کو پیغام ملتے رہیں جو اس کی توجہ کو قائم رکھیں اور اس کی دلچسپی کو باطل نہ ہونے دیں۔ یہ تسلیم نہیں کیا جاسکتا کہ خدا تعالیٰ جس کی نسبت ہم یقین رکھتے ہیں کہ منبع علم و حکمت ہے وہ انسان کو ایک خاص غرض کے لئے پیدا کرکے پھر اس کو چھوڑ دے گا کہ اب جو چاہے وہ کرتا پھرے اور اس طرح اپنے کام کو خود باطل کردے گا۔ پھر یہ بھی

اسی نتیجہ کی تصدیق کرتا ہے کہ کوئی ملک کوئی قوم ہمیں ایسی نظر نہیں آتی جس میں الہام الٰہی کا خیال کسی نہ کسی وقت نہ پایا جاتا ہو اور جس میں ایسے لوگوں کا پتہ نہ لگتا ہو جو الہام کے مدعی تھے۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ سب کے سب جھوٹے تھے یا سب کے سب اعصابی مرضوں کے شکار تھے۔ کیونکہ دنیا کے اخلاق اور اس کے تمدن کا نقطۂ مرکزی یہی لوگ نظر آتے ہیں اور ان کو الگ کر کے دنیا بالکل خالی نظر آتی ہے۔ قرآن کریم اس مضمون کے متعلق فرماتا ہے وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ [۲۲] کوئی قوم نہیں جس میں نبی نہ گذرا ہو اور یہی امر صحیح اور درست معلوم ہوتا ہے۔ وہ خدا جس نے انسان کو ایسی طاقتوں کے ساتھ پیدا کیا ہے جو اسے ترقیات کے بلند مقامات تک لے جا سکتی ہیں اس کو ایسی قوتوں کے ساتھ پیدا کر کے یونہی نہیں چھوڑ سکتا تھا اور وہ خدا جس کی نظر میں سب بنی نوع انسان ایک ہیں اور وہ سب سے یکساں محبت کرتا ہے باقی سب اقوام کو چھوڑ کر ایک قوم کو اپنی وحی سے مخصوص نہیں کر سکتا تھا اور نہ باقی سب زمانوں کو چھوڑ کر ایک زمانہ کو چُن سکتا تھا۔ پس اگر ہم ایک رحیم خدا پر ایمان لائیں گے تو ساتھ ہی ہم کو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ وہ ہر ایک زمانہ میں اپنا پیغام دنیا کی طرف بھیجتا ہے ورنہ ہم اپنے ایمان میں متضاد باتوں کو جمع کرنے والے بنیں گے۔

موجودہ زمانہ میں پیغام آسمانی کی ضرورت

جب ہم اس نتیجہ پر پہنچ جائیں کہ خدا تعالیٰ کا کلام جب بھی اس کی ضرورت ہو نازل ہونا چاہئے تو گویا ہم خدا کے پیغام کو قبول کرنے کے مقام کی طرف ایک قدم بڑھاتے ہیں اور اپنے دل کی ایک کھڑکی کو کھول دیتے ہیں مگر ابھی ہمارے لئے ایک قدم اٹھانا اور باقی ہوتا ہے اور وہ یہ کہ کیا ہمارے زمانہ میں بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے کسی پیغام آنے کی ضرورت ہے؟ تو ضرور ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس کو پورا بھی کیا ہو۔

اے بہنو اور بھائیو! غور کر کے دیکھو کہ خدا کے کلام اور اس کے پیغام کی کیا ضرورت ہوتی ہے؟ کیا یہی نہیں کہ لوگوں کو اس کی ذات کی نسبت کامل یقین ہو اور وہ اس کی کامل محبت اور اس کے کامل عرفان کے ذریعہ سے اپنے نفس کی اصلاح کرنے پر قادر ہوں؟ اور ایسی طاقتیں حاصل کر لیں جن کے ذریعے سے اس دنیا میں بھی اور اگلے جہان میں خدا تعالیٰ کے وصال کو پا لیں جو انسانی پیدائش کی اصل غرض ہے پھر غور کرو کہ کیا یہ باتیں دنیا میں پائی جاتی ہیں؟ کیا اس زمانہ کے لوگ فی الواقع خدا تعالیٰ پر یقین رکھتے ہیں؟ کیا ان کے دلوں میں ویسی ہی محبت ہے جیسی کہ

ہونی چاہئے؟ اور وہ اس کے احکام کو اپنے اعمال پر اسی طرح حاکم بناتے ہیں جس طرح کہ ان کو حاکم بنانا چاہئے؟ اور کیا فی الواقع ان کو وہ روحانی طاقتیں حاصل ہیں جن کے ذریعہ سے انسان کے واصل باللہ ہونے کا علم ہوتا ہے؟ میں سمجھتا ہوں کہ آپ لوگوں میں سے ہر ایک نے کم از کم بائیبل پڑھی ہوگی یا اس کے بعض حصوں کو دیکھا ہوگا آپ لوگ اس سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ وہ لوگ جن کا بائیبل میں ذکر ہے کیا آج بھی پائے جاتے ہیں؟ کیا آج بھی اللہ تعالیٰ ان کے لئے اس قسم کے نشانات دکھاتا ہے؟ اگر ان باتوں میں سے کوئی بھی نہیں بلکہ دنیا خدا تعالیٰ پر ایمان سے خالی ہے دہریت کا زور ہے۔ بجائے خدا تعالیٰ سے محبت ہونے کے روپیہ اور مال اور عزت سے محبت ہے بجائے بنی نوع انسان کی ہمدردی کرنے کے لوگ ایک دوسرے کا حق مارنے کی فکر میں رہتے ہیں۔ بجائے اس کے کہ خدا تعالیٰ کسی کے ہاتھ پر نشان دکھائے خدا تعالیٰ کا اپنا وجود ہی مخفی ہو رہا ہے۔ صرف اور صرف جسمانی لذتوں کے حصول کی فکر میں لوگ مشغول ہیں اور مذہب کے احکام کو تو ظاہری شکل کہہ کر ٹال رہے ہیں لیکن کالر اور نکٹائی اور بوٹ اور لباس کی اور بہت سی اقسام اور کھانے کے طریق وغیرہ کے متعلق اپنے خود ساختہ قوانین کی اسقدر پابندی کر رہے ہیں کہ گویا انسانی حیات کا واحد مقصد ہی وہی کام ہیں۔ ذرا سے غور سے بھی انسان معلوم کر سکتا ہے کہ آسمانی احکام کو ظاہری شکل اور قشر کہنے سے انکی یہ غرض نہیں ہے کہ ظاہری شکل اور قشر کی ضرورت نہیں بلکہ اصل غرض یہ ہے کہ خدا کے احکام کو منسوخ کر کے وہ خود قواعد بنانا چاہتے ہیں یہ انکار واقفیت قانون کا نہیں بلکہ خود قانون بنانے والے کے حق کا ہے۔

اب میں آپ لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ کیا ان حالات میں اس بات کی ضرورت ہے یا نہیں؟ کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک تازہ پیغام بندوں کو آئے تاکہ وہ محسوس کریں کہ ان کا خدا زندہ خدا ہے اور طاقتور خدا ہے اور یہ نہیں کہ دیر تک کام کر کے تھک گیا ہے اور جنت کے کسی گوشہ میں سو رہا ہے۔

موجودہ زمانہ کا پیغامبر

ضرورت پیغام کو ثابت کرنے کے بعد میں اصل مضمون کی طرف لوٹتا ہوں اور آپ کو بتاتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کو چھوڑا نہیں اور وہ ان کی ضروریات کو بھولا نہیں بلکہ اس نے اسی طرح اپنے ایک برگزیدہ کے ذریعہ سے دنیا کی ہدایت کے لئے پیغام بھیجا ہے جس طرح کہ اس نے نوح، ابراہیم، موسیٰ، داؤد، مسیح، کرشن، رامچندر، بدھ، کنفیوشس، زرتشت اور محمد رسول اللہ ﷺ کی معرفت پیغام بھیجا

تھا۔ اس پیغامبر کا نام احمد تھا اور جو لوگ اس پیغام کو قبول کر کے اس کی ہدایات پر عمل کرتے ہیں وہ اسی طرح خدا کے فضل کے وارث ہوتے ہیں جس طرح کہ پہلے نبیوں کے ماننے والے خدا کے فضلوں کے وارث ہوتے رہے ہیں۔ میں اس پیغامبر کا ماننے والا اور اس کا خلیفہ ثانی ہوں اور اس محبت کی وجہ سے جو اس پیغمبر نے ہمارے دلوں میں بنی نوع انسان کے متعلق بھر دی ہے آپ لوگوں کو اس کا پیغام سنانے آیا ہوں۔

موجودہ زمانہ میں خدا کا پیغام وہ پیغام کیا ہے؟ میں اس کو حضرت مسیح موعود کے الفاظ ہی میں بیان کر دیتا ہوں۔

(۱) "اے سننے والو! سنو!! کہ خدا تم سے کیا چاہتا ہے۔ بس یہی کہ تم اسی کے ہو جاؤ۔ اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کرو۔ نہ آسمان میں نہ زمین میں۔ ہمارا خدا وہ خدا ہے جو اب بھی زندہ ہے جیسا کہ پہلے زندہ تھا اور اب بھی وہ بولتا ہے جیسا کہ وہ پہلے بولتا تھا۔ اور اب بھی وہ سنتا ہے جیسا کہ پہلے سنتا تھا۔ یہ خیال خام ہے کہ اس زمانہ میں وہ سنتا تو ہے مگر بولتا نہیں بلکہ وہ سنتا اور بولتا بھی ہے۔ اس کی تمام صفات ازلی ابدی ہیں کوئی صفت بھی معطل نہیں اور نہ کبھی ہوگی۔ وہ وہی واحد لاشریک ہے جس کا کوئی بیٹا نہیں اور جس کی کوئی بیوی نہیں۔" [۲۳]

(۲) "میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ آدمی ہلاک شدہ ہے جو دین کے ساتھ کچھ دنیا کی ملونی رکھتا ہے اور اس نفس سے جہنم بہت قریب ہے جس کے تمام ارادے خدا کے لئے نہیں ہیں بلکہ کچھ خدا کے لئے اور کچھ دنیا کے لئے۔ پس اگر تم دنیا کی ایک ذرہ بھی ملونی اپنے اغراض میں رکھتے ہو تو تمہاری تمام عبادتیں عبث ہیں۔ اس صورت میں تم خدا کی پیروی نہیں کرتے بلکہ شیطان کی پیروی کرتے ہو۔ تم ہرگز توقع نہ کرو کہ ایسی حالت میں خدا تمہاری مدد کرے گا بلکہ تم اس حالت میں زمین کے کیڑے ہو اور تھوڑے ہی دنوں تک تم اس طرح ہلاک ہو جاؤ گے جس طرح کہ کیڑے ہلاک ہوتے ہیں۔ اور تم میں خدا نہیں ہوگا بلکہ تمہیں ہلاک کر کے خدا خوش ہوگا۔ لیکن اگر تم اپنے نفس سے درحقیقت مر جاؤ گے تب تم خدا میں ظاہر ہو جاؤ گے اور خدا تمہارے ساتھ ہوگا۔ اور وہ گھر بابرکت ہوگا جس میں تم رہتے ہوگے اور ان دیواروں پر خدا کی رحمت نازل ہوگی جو تمہارے گھر کی دیواریں ہیں اور وہ شہر بابرکت ہوگا جہاں ایسا

آدمی رہتا ہوگا۔ اگر تمہاری زندگی اور تمہاری موت اور تمہاری ہر ایک حرکت اور تمہاری نرمی اور گرمی محض خدا کے لئے ہو جائے گی اور ہر ایک تلخی اور مصیبت کے وقت تم خدا کا امتحان نہیں کروگے اور تعلق کو نہیں توڑوگے بلکہ آگے قدم بڑھاؤگے تو میں سچ سچ کہتا ہوں کہ تم خدا کی ایک خاص قوم ہو جاؤگے"[۲۴]

پھر آپ فرماتے ہیں۔

(۱) "سمجھ لو کہ تمہارا خدا ایک ہی ہے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ نہ زمین میں نہ آسمان میں۔ تمہیں اپنے مدعا کے حصول کے لئے ان ذرائع سے منع نہیں کیا جاتا جو خدا تعالیٰ نے تمہارے لئے مہیا کئے ہیں۔ مگر وہ جو خدا کو چھوڑتا ہے اور محض مادی اشیاء پر اعتماد کرتا ہے وہ اس خدا کے ساتھ اَور کو شریک ٹھہراتا ہے جس پر ہمارا کُلّی بھروسہ ہونا چاہئے"۔[۲۵]

(۲) "یہ خیال مت کرو کہ خدا کی وحی آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گئی ہے۔ اور روح القدس اب اتر نہیں سکتا بلکہ پہلے زمانوں میں ہی اُتر چکا قرآن شریف پر شریعت ختم ہو گئی مگر وحی ختم نہیں ہوئی کیونکہ وہ سچے دین کی جان ہے جس دین میں وحی الٰہی کا سلسلہ جاری نہیں وہ دین مُردہ ہے اور خدا اسکے ساتھ نہیں۔ میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ ہریک دروازہ بند ہو جاتا ہے مگر روح القدس کے اترنے کا کبھی دروازہ بند نہیں ہوتا۔ تم اپنے دلوں کے دروازے کھول دو تا وہ ان میں داخل ہو۔ تم اس آفتاب سے خود اپنے تئیں دُور ڈالتے ہو جب کہ اس شُعاع کے داخل ہونے کی کھڑکی کو بند کرتے ہو۔ اے نادان! اٹھ اور اس کھڑکی کو کھول دے۔ تب آفتاب خود بخود تیرے اندر داخل ہو جائے گا۔ جبکہ خدا نے دنیا کے فیضوں کی راہیں اس زمانہ میں تم پر بند نہیں کیں بلکہ زیادہ کیں۔ تو کیا تمہارا ظن ہے کہ آسمان کے فیوض کی راہیں جن کی اس وقت تمہیں بہت ضرورت تھی وہ تم پر اس نے بند کر دی ہیں ہرگز نہیں بلکہ بہت صفائی سے وہ دروازہ کھولا گیا ہے"۔[۲۶]

(۳) تمام دنیا کا وہی خدا ہے جس نے میرے پر وحی نازل کی۔ جس نے میرے لئے زبردست نشان دکھلائے۔ جس نے مجھے اس زمانہ کے لئے مسیح موعود کر کے بھیجا۔ اس کے سوا کوئی خدا نہیں نہ آسمان میں نہ زمین میں۔ جو شخص اس پر ایمان نہیں لاتا وہ

سعادت سے محروم اور خذلان میں گرفتار ہے۔ ہم نے اپنے خدا کی آفتاب کی طرح روشن وحی پائی۔ ہم نے اسے دیکھ لیا کہ دنیا کا وہی خدا ہے اس کے سوا کوئی نہیں۔ کیا ہی قادر اور قیوم خدا ہے جس کو ہم نے پایا۔ کیا ہی زبردست قدرتوں کا مالک ہے جس کو ہم نے دیکھا"[۲۷]

(۴) دیکھو! میں یہ کہہ کر فرضِ تبلیغ سے سبکدوش ہوتا ہوں کہ گناہ ایک زہر ہے اس کو مت کھاؤ۔ خدا کی نافرمانی ایک گندی موت ہے اس سے بچو۔ دعا کرو تا تمہیں طاقت ملے"[۲۸]

(۵) "یہ مت سمجھو کہ صرف منہ سے چند الفاظ کہہ دینے سے تم اپنی ہستی کے مقصد کو پالو گے۔ خدا تعالیٰ تمہاری زندگیوں میں مکمل تبدیلی پیدا کرنا چاہتا ہے۔"[۲۹]

(۶) "اس کے بندوں پر رحم کرو اور ان پر زبان یا ہاتھ یا کسی تدبیر سے ظلم نہ کرو اور مخلوق کی بھلائی کے لئے کوشش کرتے رہو۔ اور کسی پر تکبر نہ کرو گو اپنا ماتحت ہو اور کسی کو گالی مت دو گو وہ گالی دیتا ہو۔ غریب اور حلیم اور نیک نیت اور مخلوق کے ہمدرد بن جاؤ تا قبول کئے جاؤ۔ بہت ہیں جو حلم ظاہر کرتے ہیں مگر وہ اندر سے بھیڑیئے ہیں۔ بہت ہیں جو اوپر سے صاف ہیں مگر اندر سے سانپ ہیں۔ سو تم اس کی جناب میں قبول نہیں ہو سکتے جب تک ظاہر و باطن ایک نہ ہو۔ بڑے ہو کر چھوٹوں پر رحم کرو نہ انکی تحقیر۔ اور عالم ہو کر نادانوں کو نصیحت کرو نہ خودنمائی سے ان کی تذلیل۔ اور امیر ہو کر غریبوں کی خدمت کرو نہ خود پسندی سے ان پر تکبر۔ ہلاکت کی راہوں سے ڈرو۔ خدا سے ڈرتے رہو اور تقویٰ اختیار کرو۔ اور مخلوق کی پرستش نہ کرو اور اپنے مولیٰ کی طرف منقطع ہو جاؤ۔ اور دنیا سے دل برداشتہ رہو اور اسی کے ہو جاؤ اور اسی کے لئے زندگی بسر کرو۔ اور اس کے لئے ہر ایک ناپاکی اور گناہ سے نفرت کرو کیونکہ وہ پاک ہے۔ چاہئے کہ ہر ایک صبح تمہارے لئے گواہی دے کہ تم نے تقویٰ سے رات بسر کی اور ہر ایک شام تمہارے لئے گواہی دے کہ تم نے ڈرتے ڈرتے دن بسر کیا۔[۳۰]

(۷) تم بھی انسان ہو جیسا کہ میں انسان ہوں۔ اور وہی میرا خدا تمہارا خدا ہے۔ پس اپنی پاک قوتوں کو ضائع مت کرو۔ اگر تم پورے طور پر خدا کی طرف جھکو گے تو دیکھو میں خدا کی منشاء کے موافق تمہیں کہتا ہوں کہ تم خدا کی ایک قوم برگزیدہ ہو جاؤ گے۔[۳۱]

یہ وہ پیغام ہے جو اس زمانہ کا پیغامبر لایا ہے اور اس پر غور کرنے سے مندرجہ ذیل امور ہمیں معلوم ہوتے ہیں۔

خدا کی کامل توحید کا اعتقاد

یہ کہ خدا تعالیٰ ہمیں اپنی کامل توحید کی طرف بلاتا ہے۔ اس طرح نہیں کہ لوگ کہیں کہ وہ ایک خدا ہے اس طرح تو پہلے بھی بہت سے لوگ کہتے ہیں بلکہ اس طرح کہ ہمارے ہر ایک کام اور خیال پر اس کی توحید کی حکومت ہو۔ ہم اپنا توکّل صرف خدا تعالیٰ پر رکھیں ہم اسباب کو استعمال کریں مگر ساتھ ہی یقین رکھیں کہ تمام نتائج اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں کسی چیز کی محبت خدا تعالیٰ کی محبت پر غالب نہ ہو۔ وطن کی نہ مال کی نہ رشتہ داروں کی نہ اپنی خواہشات اور لذتوں کی۔ نہ کسی چیز کی نفرت خدا تعالیٰ کی محبت پر غالب ہو ہم کسی چیز کی نفرت کی وجہ سے خدا تعالیٰ کے احکام کو نظر انداز نہ کریں۔ غرض ہمارا ہر ایک کام خدا تعالیٰ کے لئے ہو جائے اور اس کے سوا ہمارا اور کوئی مقصد نہ ہو۔ یہی وہ توحید ہے جو خدا تعالیٰ ہم سے چاہتا ہے اور یہی وہ توحید ہے جو دنیا کو فائدہ پہنچا سکتی ہے کیونکہ یہ صرف پتھروں کے بتوں سے ہمیں نجات نہیں دلاتی بلکہ خواہشات اور نفرت کے بتوں سے بھی نجات دلاتی ہے اور دنیا میں کامل امن قائم کر دیتی ہے۔

نجات کا واحد ذریعہ قرآن ہے

دوسرا ضروری امر جو اس پیغام میں بیان ہوا ہے وہ یہ ہے کہ نوع انسان کی نجات کا واحد ذریعہ قرآن کریم کا بتایا ہوا قانون ہے اس میں ہر ایک ضروری امر کو جو روحانیت اور اخلاق سے تعلق رکھتا ہے بیان کر دیا گیا ہے وہی ایک تعلیم ہے جس پر عمل کر کے انسان خدا کی رضا کو حاصل کر سکتا ہے۔ پس دنیا کو اپنی مشکلات کے حل کرنے کے لئے اس کی طرف توجہ کرنی چاہئے۔

خدا کا پیغام بند نہیں

تیسرا ضروری امر جو اس پیغام میں بیان ہوا ہے یہ ہے کہ ایک مکمل قانون کے بیان ہو جانے کے یہ معنی نہیں کہ خدا کا پیغام آنا آئندہ کے لئے بند ہو جائے۔

خدا کا پیغام صرف شریعت کے قانون پر مشتمل نہیں ہوتا بلکہ بعض دفعہ وہ صرف لوگوں کو خدا کی طرف بلانے کے لئے آتا ہے۔ خدا تعالیٰ کا یہی کام نہیں کہ وہ شریعت کے احکام بیان کرے بلکہ وہ فرماتا ہے کہ جب کبھی بھی لوگ مجھ سے دور ہو جائیں ان کو اپنی طرف بلاتا ہوں۔ خدا کا

اپنے بندوں سے کلام کرنا محبت کی ایک علامت ہے اور وہ اپنی محبت کا دروازہ کبھی بھی بند نہیں کرتا۔ اگر انسان کی پیدائش کی غرض یہ ہے کہ انسان خدا تعالیٰ کو پالے اور اس کی رضا حاصل کرلے تو پھر یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ملنے کا دروازہ بند کر دیا جائے۔ یہ کہنا کافی نہیں ہو سکتا کہ انسان مرنے کے بعد خدا کو مل جائے گا کیونکہ اگر دنیا میں صرف ایک ہی مذہب اور ایک ہی خیال ہوتا تب تو یہ جواب کچھ تسلی دے بھی سکتا تھا مگر دنیا میں سینکڑوں بلکہ ہزاروں مذہب ہیں اور سب اس امر کے مدعی ہیں کہ ان پر چل کر انسان خدا تعالیٰ سے مل سکتا ہے۔ اگر خدا کے ملنے کا علم مرنے کے بعد ہوتا ہے تو اس دنیا میں جو دارالعمل ہے انسان کے پاس سچائی دکھانے کا کونسا موقع رہا؟ اور آخرت میں سچائی کے معلوم ہونے کا کیا فائدہ؟ وہاں سے انسان دوبارہ تو آ نہیں سکتا کہ اپنی اصلاح کرے پس وہاں کا علم نفع بخش نہیں ہو سکتا۔ پس ضروری ہے کہ اس دنیا میں خدا تعالیٰ کی رضا کے معلوم ہو جانے کا کوئی یقینی ذریعہ موجود ہو اور وہ ذریعہ خدا تعالیٰ کا کلام اور اس کی صفات کی جلوہ گری ہے۔ چنانچہ آپ کا دعویٰ تھا کہ یہ باتیں اسی طرح جس طرح پہلے نبیوں کو حاصل تھیں مجھے حاصل ہیں اور مجھے اللہ تعالیٰ نے اس لئے دنیا میں بھیجا ہے کہ میں دنیا کو اس یقینی ایمان کا پتہ دوں جس کے بغیر انسان گناہ سے نہیں بچ سکتا اور لوگوں کے دلوں میں ایسی کامل محبت پیدا کروں جس کے بغیر انسان کوئی قربانی نہیں کر سکتا۔

ہر انسان روحانی ترقی کر سکتا ہے

چوتھی بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ نبی بھی دوسرے انسانوں کی طرح ایک انسان ہوتا ہے اس کے وجود کو ایک عام طبعی قانون سے بالا کوئی کرشمہ نہیں سمجھنا چاہئے۔ خدا تعالیٰ نے سب انسانوں کو یکساں طاقتیں دی ہیں اور ہر انسان کی ترقی کے لئے دروازہ کھلا رکھا ہے۔ جو بھی خدا تعالیٰ کے لئے کوشش کرے اعلیٰ ترقیات کو حاصل کر سکتا ہے اور معرفت کے دروازے اس کے لئے کھولے جا سکتے ہیں۔ پس کسی انسان کو اپنی پوشیدہ طاقتوں کو حقیر نہیں سمجھنا چاہئے بلکہ ان کو استعمال کر کے روحانی ترقیات کے حصول کی کوشش کرنی چاہئے اور خدا تعالیٰ سے براہ راست تعلق پیدا کرنے اور اس سے کامل یگانگت پانے کی جدوجہد میں کوتاہی نہیں کرنی چاہئے۔

مذہب کا کام

پانچویں بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ مذہب کی غرض یہ نہیں کہ وہ ہم کو دنیا سے علیحدہ کر دے اور خدا تعالیٰ سے ملنے کی یہ شرط نہیں کہ ہم دنیا سے قطع تعلق کرلیں بلکہ مذہب کا کام یہ بتاتا ہے کہ ہم کس طرح دنیا میں رہ کر پھر خدا تعالیٰ سے کامل تعلق پیدا

کر سکتے ہیں۔ خدا تعالیٰ اس طرح نہیں ملتا کہ ہم دولت اور مال اور تعلقات کو چھوڑ دیں بلکہ اس طرح ملتا ہے کہ ہم ہر قسم کے حالات میں اسی سے تعلق مضبوط رکھیں خواہ خوشی کا موقع ہو خواہ رنج کا، خواہ ترقی کی حالت ہو خواہ تنزل کی۔ خواہ نفع حاصل ہو خواہ نقصان ہو جائے ہر حالت میں ہم اسی کی طرف توجہ رکھیں۔ اور اس کی رحمت سے مایوس نہ ہوں اور اس کی محبت کو بڑھائیں اور اس کے حضور دعائیں کرنے میں کوتاہی نہ کریں۔ بہادر وہ نہیں ہوتا جو لڑائی سے بھاگ جائے بلکہ بہادر وہ ہے جو میدان جنگ میں ثابت قدم رہے۔

نیکی اور بدی کیا ہے؟

چھٹی بات یہ نکلتی ہے کہ نیکی اس کا نام نہیں کہ ہم نیک اعمال کریں اور نہ بدی اس کا نام ہے کہ ہم بد اعمال کریں بلکہ نیکی اور بدی دل کی نیک اور بد حالت کا نام ہے۔ اور نیک اعمال اور بد اعمال در حقیقت نیکی اور بدی کے آثار ہیں۔ ہمارا یہ کام نہیں ہونا چاہئے کہ ہم صرف علامات اور آثار کو نیکی اور بدی سمجھ لیں بلکہ ہمارا فرض یہ ہے کہ ہم بدی کے میلان کو مٹائیں اور نیکی کا میلان پیدا کریں کیونکہ قلب کی صفائی اصل صفائی ہے اور جوارح کی صفائی اس کے تابع ہے۔

گناہ زہر ہے

ساتویں بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ کوئی علمی یا ذہنی ترقی انسان کو عمل سے آزاد نہیں کر سکتی خدا تعالیٰ کا قانون چٹی نہیں ہے کہ ہم اس سے کسی وقت بھی آزاد ہو سکیں۔ وہ طبعی قانون کی طرح سبب اور نتیجہ کے اصول پر مبنی ہے اس پر عمل کئے بغیر ہم روحانی ترقی نہیں کر سکتے۔ گناہ اس لئے گناہ نہیں کہ خدا نے اس سے منع کیا ہے بلکہ خدا نے اس سے اس لئے روکا ہے کہ وہ ایک روحانی زہر ہے پس شریعت انسان کو گنہگار نہیں بناتی بلکہ گناہ سے بچنے میں مدد دیتی ہے۔ جس کو پہلے سے خبر دیدی جائے وہ پہلے سے مقابلہ کے لئے تیار ہو جاتا ہے نہ کہ خبردار کئے جانے سے انسان گڑھے میں گر جاتا ہے۔ حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں گناہ ایک زہر کی طرح ہے جس طرح زہر سے اس لئے روکا جاتا ہے کہ وہ مُضر ہے اسی طرح گناہ سے روکا گیا ہے۔ زہر ڈاکٹر کے منع کرنے کی وجہ سے مُہلک نہیں بنتا اسی طرح گناہ خدا تعالیٰ کے منع کرنے کی وجہ سے مُہلک نہیں بنتا۔

بنی نوع انسان سے ہمدردی

آٹھویں بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ انسان کو خدا تعالیٰ سے ہی تعلق نہیں مضبوط کرنا چاہئے بلکہ بنی نوع انسان سے بھی اپنے تعلقات کو مضبوط کرنا چاہئے اور ایسے کاموں سے بچنا چاہئے جو فساد اور جھگڑے کا موجب

ہوتے ہیں اور چاہئے کہ جو نعمتیں اسے ملیں ان سے بجائے حکومت اور غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کرنے کے ان سے کمزور لوگوں کی خدمت کرے۔

خدائی پیغام یہ وہ پیغام ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے مسیح موعود لائے ہیں اور ہر ایک شخص ادنیٰ سے غور سے سمجھ سکتا ہے کہ یہ پیغام کیسا اہم اور کیسا ضروری ہے۔ یہ پیغام امید کا پیغام ہے امن کا پیغام ہے اور حکمت کا پیغام ہے۔ اگر دنیا اس پیغام کی طرف توجہ کرے تو اس کی تمدنی اور روحانی دونوں حالتوں کی اصلاح ہو جائے۔ یہ پیغام انسان کی طرف سے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے مسیح موعود یہ نہیں کہتا کہ میں اپنی عقل سے یہ باتیں تم کو سناتا ہوں بلکہ وہ یہ کہتا ہے کہ میں تم کو وہ کچھ سناتا ہوں جو خدا تعالیٰ نے مجھے کہا ہے کہ میں تم کو سناؤں اور خدا تعالیٰ کے پیغام سے زیادہ اہم اور کونسا پیغام اہم ہو سکتا ہے۔

ہمیں کیونکر تسلی حاصل ہو سکتی ہے؟ اے بہنو اور بھائیو! اگر انسان کو خدا تعالیٰ پر یقین ہو تو وہ کبھی قصوں اور کہانیوں پر تسلی نہیں پا سکتا۔ ہمیں اپنی مذہبی کتابوں میں یہ پڑھ کر کہ پرانے زمانہ میں خدا تعالیٰ اس طرح بولا کرتا تھا کیا تسلی ہو سکتی ہے؟ اگر وہ پچھلے زمانوں میں نشان دکھایا کرتا تھا اور اب وہ ایسے نشان نہیں دکھاتا تو ہمیں اس سے کس طرح محبت ہو سکتی ہے؟ اس کے تو یہ معنے ہیں کہ پرانے زمانے کے لوگ خدا کے پیارے تھے اور ہماری طرف اس کو کوئی توجہ نہیں۔ کیا یہ خیال محبت پیدا کرنے کا موجب ہو سکتا ہے یا نفرت؟ کیا ایسے خدا سے کوئی شخص تعلق پیدا کرنے کی کوشش کر سکتا ہے جو خود اپنا دروازہ ہمارے منہ پر بند کرتا ہے؟

ہم یہ بھی تسلیم نہیں کر سکتے کہ جبکہ انسان روز بروز علمی ترقی کی طرف جا رہا ہے خدا تعالیٰ کی قوتیں باطل ہو رہی ہیں کیونکہ گو ہم یہ نہیں مان سکتے کہ خدا تعالیٰ کی قوتیں ترقی کر رہی ہیں مگر ہم یہ بھی نہیں مان سکتے کہ اس کی صفات میں ضُعف پیدا ہو رہا ہے۔ اس کا کمال اس کے غیر متبدل ہونے میں ہے۔ تبدیلی خواہ بہتری کی طرف ہو خواہ تنزل کی طرف نقص پر دلالت کرتی ہے اور نقص سے اس کی ذات پاک ہے۔

فطرت انسانی اس امر پر گواہی دے رہی ہے کہ اسے اوپر سے کوئی ہدایت ملنی چاہئے اور سپر چول (SPIRITUAL) سوسائٹیاں جو ہزاروں کی تعداد میں دنیا میں قائم ہو چکی ہیں اس امر پر شاہد ہیں کہ انسان اس دنیا کے علم پر قانع نہیں۔ مگر کیا ہم یہ تسلیم کر سکتے ہیں کہ ہمارے آباء کی

روحیں تو ہمیں ترقی کی طرف لے جانے کی فکر میں ہیں مگر وہ ہستی جو سب روحوں کی خالق ہے اور جس نے ہمیں اس لئے پیدا کیا ہے کہ ہم اس کا قرب حاصل کریں ہماری ترقی کی کوئی فکر نہیں کرتی اور ہمارے لئے اپنے سے ملنے کا کوئی راستہ نہیں کھولتی۔ ہرگز نہیں۔ اگر کسی کو ہماری ترقی کی فکر ہو سکتی ہے اگر کسی کو ہم سے ملاقات کا خیال ہو سکتا ہے تو وہ خدا تعالیٰ کی ذات ہے۔ بیشک خدا تعالیٰ سے یگانگت کے لئے شرطیں ہونی چاہئیں بے شک اس سے وصال کے لئے بندہ میں ایک خاص قسم کی پاکیزگی کا موجود ہونا ضروری ہے بے شک اس کا دروازہ کھلنے سے پہلے ہماری طرف سے دستک ملنی چاہئے مگر بہر حال اس کا دروازہ کھلنے کا امکان ہر وقت موجود رہنا چاہئے۔ مسیح موعود علیہ السلام خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ پیغام لایا ہے کہ یہ امکان موجود ہے اگر تم چاہو اور میری بتائی ہوئی ہدایت کے مطابق عمل کرو تو آج بھی تم میرے کلام کو اسی طرح سن سکتے ہو جس طرح کہ پہلے لوگ سن سکتے تھے اور آج بھی تمہارے لئے میں اپنی طاقتوں کو اسی طرح ظاہر کر سکتا ہوں جس طرح پہلے لوگوں کے لئے کیا کرتا تھا۔

خدا اور بندے میں صلح

یہ پیغام کیسا امید افزا ہے کس طرح بندے اور خدا کے درمیان صلح کرانے والا ہے۔ مجھے اس کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں مگر میں اس بات کے کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اس پیغام کے ذریعہ سے مسیح موعود علیہ السلام نے خدا تعالیٰ اور بندے کے درمیان صلح کرادی ہے اور ثابت کردیا ہے کہ آجکل کے لوگ خدا تعالیٰ سے سوتیلے بیٹے کا تعلق نہیں رکھتے بلکہ وہ ان سے ایسی ہی محبت کرتا ہے جیسا کہ سگے بیٹے سے کی جاتی ہے۔

حضرت مسیح موعود کا دعویٰ

حضرت مسیح موعود کا دعویٰ کوئی معمولی دعویٰ نہیں۔ آپ کا دعویٰ ہی آپ کی صداقت کی دلیل ہے کیونکہ یہ کہنا تو آسان ہے کہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے آیا ہوں اور میں ہر شخص کو خدا تعالیٰ تک پہنچا سکتا ہوں۔ نہایت مشکل ہے۔

اول الذکر ایک ایسا دعویٰ ہے کہ جس کی صحت اور عدم صحت دلیلوں سے تعلق رکھتی ہے اور دلیلوں میں بہت کچھ اُتار چڑھاؤ کئے جاسکتے ہیں مگر ثانی الذکر وہ دعویٰ ہے جس کا تعلق مشاہدہ سے ہے اور مشاہدہ کرادینا آسان کام نہیں۔ مگر مسیح موعود علیہ السلام نے نہ صرف یہ دعویٰ کیا بلکہ ہزاروں آدمیوں نے آپ کی تعلیم پر چل کر خدا تعالیٰ کے نشانات کو دیکھ لیا اور اس کے کلام کو

سنا اور وہ آپ ؑ کے دعویٰ کی صداقت کی دلیل ہیں۔ کیا کوئی جھوٹا شخص یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ اس کی اتباع سے لوگ اسی طرح خدا تک پہنچ سکتے ہیں جس طرح کہ پہلے لوگ پہنچا کرتے تھے؟ کیا ایسے شخص کا دعویٰ تھوڑے ہی دنوں میں جھوٹا ثابت ہو کر اس کی رسوائی اور ذلت کا موجب نہیں ہو گا؟

اہل پورٹ سمتھ کے لئے بشارت

اے پورٹ سمتھ کے لوگو! میں تمہارے لئے ایک بشارت لایا ہوں۔ ایک عظیم الشان بشارت ہے یعنی خدا کا پیغام کہ اس نے تم کو چھوڑا نہیں بلکہ اس کی رحمت کے دروازے تمہارے لئے کھلے ہیں۔ ان میں داخل ہونا تمہارے اپنے اختیار میں ہے اس کی بتائی ہوئی شریعت پر عمل کر لو اور اِسی زندگی میں زندہ خدا کی طاقتوں کو دیکھ لو۔ سب مذاہب ادھار پر لوگوں کو خوش کرتے ہیں مگر مسیح موعود جو چیز پیش کرتا ہے وہ نقد ہے مرنے کے بعد نہیں بلکہ اسی دنیا میں وہ خدا تعالیٰ سے یگانگت کا وعدہ دیتا ہے۔ وہ باتیں جن کو حیرت اور استعجاب سے بائیبل میں پڑھتے تھے آج اس کے ذریعہ سے ممکن ہو گئی ہیں تجربہ کرو اور دیکھ لو۔

خدا کی طرف سے پکارنے والا

مسیح موعود کی زندگی تمہارے لئے ایک نمونہ ہے اور قرآن شریف تمہارے لئے ایک کامل راہنما ہے۔ کیا یہ امر لوگوں کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی نہیں کہ آج سے ۳۴ سال پہلے ایک شخص نے جنگل سے آواز دی کہ دیکھو! خدا کی طرف سے پکارنے والے کی آواز سنو! ایک منادی کی آواز کہ خدا کی رحمت کے دروازے کھولے گئے ہیں۔ وہ اپنی مخلوق کی بہتری کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ وہ میرے ذریعہ سے سب دنیا کو ایک ہاتھ پر جمع کرنا چاہتا ہے وہ دنیا کو شک اور شبہ کی زندگی سے نکال کر یقین کا پانی پلانا چاہتا ہے۔

شہروں کے لوگ ہنسے 'بستیوں کے لوگوں نے تیوری چڑھائی' حکومتوں نے اسے حقارت سے دیکھا' رعایا نے اس سے تمسخر کیا مگر اس کی آواز باوجود ہر قسم کی مخالفتوں کے بلند ہونی شروع ہوئی۔ وہ ایک بنسری کی آواز بلند ہوتے ہوتے بگل کی آواز بن گئی اور سونے والے گھبرا کر بیدار ہونے لگے ایک نے یہاں سے ایک نے وہاں سے اس آواز کی طرف دوڑنا شروع کیا۔ اس طرح وہ منادی ایک سے دو ہوا اور دو سے چار حتیٰ کہ ۳۴ سال کے عرصہ میں اس کی جماعت کی تعداد ایک ملین کے قریب پہنچ گئی اور پچاس ملکوں میں اس کے ماننے والے ہو گئے۔

جماعت احمدیہ کی ترقی کیوں کر ہوئی

یہ ترقی بے روک ٹوک نہیں ہوئی لوگ پھولوں کی سیجوں پر چل کر اس تک نہیں پہنچے بلکہ بُہتوں کو اس کے ماننے کی وجہ سے گھر چھوڑنے پڑے' خاوندوں کو بیبیوں سے جدا ہونا پڑا اور بیویوں کو خاوندوں سے علیحدہ ہونا پڑا' باپ کو بیٹوں نے الگ کر دیا اور بیٹوں کو والدین نے گھر سے نکال دیا' ظالم حکومتوں نے اس کی طرف متوجہ ہونے والوں کو گرفتار کیا اور مجبور کیا کہ اس پر ایمان نہ لائیں ورنہ ان کو قتل کیا جائے گا مگر وہ پیچھے نہ ہٹے اور مرنے میں انہوں نے وہ لذت محسوس کی جو دنیا کی اور کسی چیز میں نہیں ہے۔ وہ ہنستے ہنستے ظالموں کے سامنے سربلند کر کے کھڑے ہو گئے اور سنگدل قاتلوں نے ان پر پتھر برسانے شروع کئے۔ ایک ایک پتھر جو ان پر گرا اس کو انہوں نے پھولوں کی طرح سمجھا' ایک ایک اینٹ جو ان پر پڑی اسے انہوں نے شگوفہ خیال کیا جس طرح دولھا دلہن کو لیکر خوشی خوشی اپنے گھر جاتا ہے اسی طرح وہ مسیح موعود کی محبت کو لے کر اپنے مولیٰ کے سامنے حاضر ہو گئے اور انہوں نے یہی یقین کیا کہ بہت عمدہ سودا ہوا۔

ان راستوں سے گزر کر جانا کوئی معمولی بات نہیں مگر مسیح موعود کی آواز کچھ ایسی دلکش تھی کہ جس کے کان کھلے تھے اس میں طاقت ہی نہ رہی کہ وہ اس کا انکار کر سکے۔ اس نے دلوں کو شکوک اور شُبہات سے دھو دیا اور قلوب کو یقین اور ایمان سے بھر دیا اور ان لوگوں کو جنہوں نے اس کی تعلیم پر چل کر خدا تعالیٰ کی شیریں آواز سن لی تھی اس کی باتوں میں شبہ ہی کیا رہ سکتا تھا۔ زمین آسمان بدل جاویں تو بدل جاویں ایسے لوگوں کے دل تو نہیں بدل سکتے۔

خدا کی پُرلذت آواز سننے کا تجربہ

اے بہنو اور بھائیو! میں یہ باتیں سنی سنائی نہیں کہتا بلکہ میں نے خود مسیح موعود کے طفیل خدا تعالیٰ کی پُرلذت آواز کو سنا ہے اور اس کے محبت والے کلام سے مسرور ہوا ہوں اسی طرح جس طرح کہ مسیح علیہ السلام کے حواریوں نے اس کلام کو سنا تھا بلکہ ان سے بھی زیادہ اور میں نے خدا تعالیٰ کی زبردست قوتوں کو دیکھا ہے۔ اس نے میری خاطر اپنے جلال کو ظاہر کیا اور میری ایسے مقامات پر مدد کی جہاں کوئی انسان نہیں مدد کر سکتا اور مجھے میرے دشمنوں کے حملوں سے اس وقت بچایا جبکہ کوئی شخص مجھے بچا نہیں سکتا تھا۔ مجھے ایسے امور کے متعلق قبل از وقت خبریں دیں جن کو کوئی انسان دریافت نہیں کر سکتا تھا پھر اسی طرح ہوا جس طرح اس نے مجھے کہا تھا۔

پس میری آنکھوں نے مسیح موعود کی صداقت کو دیکھ لیا اور میرے دل نے اس کی سچائی کو

محسوس کیا اور میں یقین رکھتا ہوں کہ ہر ایک جو اس سے تعلق پیدا کرے گا اور اس کی محبت کو اپنے دل میں جگہ دیگا یہی باتیں دیکھے گا جو میں نے دیکھیں بلکہ شاید اپنی محبت کے مطابق مجھ سے بھی بڑھ کر۔

خدا کے کلام کے شائق

اے وہ لوگو! جو اپنے بیٹوں یا والدین یا خاوندوں یا بیویوں یا دوستوں کے پیغام سننے کے لئے شوق سے لپکتے ہو کیا خدا تعالیٰ کے پیغام کی طرف سے منہ موڑو گے؟ اور کیا خدا تعالیٰ پر ایمان لانے کا دعوی کرتے ہوئے پھر بھی اس کی بات کی طرف توجہ نہ کرو گے؟ کیا پہلے نبیوں کے تجربہ کو بُھلادو گے؟ اور ان سے بالکل فائدہ نہ اٹھاؤ گے؟ ایسا نہ ہو کہ تمہارا نفس تم کو دھوکا دے اور کہے کہ دیکھو کہ اس شخص کو جو خدا کا پیغامبر بنتا ہے۔ دیکھو اس کو جو مشرق کے غیر متمدن علاقوں کا رہنے والا ہے اور جس کے پاس کوئی طاقت نہیں اور جو ایک غیر ملکی حکومت کے ماتحت رہتا تھا اس کو یہ رتبہ کہاں سے نصیب ہوا؟ اور اس کو خدا نے کیوں چُنا؟ یاد رکھو خدا کے کام نرالے ہیں اور اس کی قدرتیں عجیب۔ وہ ہمیشہ اسی پتھر کو چنا کرتا ہے جسے معمار رد کر کے پھینک دیا کرتے ہیں اور اسی کو کونے کا پتھر بنا کر اسے ایسی طاقت دیتا ہے کہ جس پر وہ گرتا ہے وہ بھی چکنا چُور ہو جاتا ہے اور جو اس پر گرتا ہے وہ بھی چکنا چُور ہو جاتا ہے۔ وہ کونسا نبی آیا جسے لوگوں نے ایسی باتیں نہیں کہیں؟ اور وہ کونسا نبی آیا جو باوجود ذلیل سمجھا جانے کے آخر کامیاب نہیں ہوا؟

پس اے بھائیو! ان باتوں کو دیکھو جو وہ کہتا ہے اور اس پیغام کی طرف کان دھرو جو وہ لایا ہے۔ اور پھر ان نصرتوں کا مشاہدہ کرو جو خدا کی طرف سے اسے حاصل ہوئیں اور اس کے قبول کرنے کے لئے بڑھو کیونکہ اسی میں برکت ہے۔

رکاوٹوں کو دُور کرو

ایسا نہ ہو کہ تمہاری رسمیں اور عادتیں تمہارے رستہ میں روک بنیں۔ رسمیں روز بدلتی رہتی ہیں اور عادتیں ہمیشہ تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔ پس کیا خدا کے لئے رسموں اور عادتوں کو نہیں چھوڑو گے؟ لوگ کہتے ہیں کہ اسلام کے احکام سخت ہیں اور عمل میں مشکل مگر کیا وہ خیال کرتے ہیں کہ خدا کی یگانگت یونہی منہ سے مل جائے گی؟

دیکھنے والی بات یہ ہے کہ کیا وہ خلاف عقل ہیں؟ کیا وہ فساد پھیلانے والے ہیں؟ کیا وہ سچی طہارت نہیں پیدا کرتے؟ اگر ایسا نہیں تو کیا وہ محض اس لئے کہ اسلام کے بعض احکام ان کی

پرانی عادتوں کے خلاف ہیں اپنے اوپر خدا کی رحمت کے دروازوں کو بند کرلیں گے؟ اور اس کی یگانگت کی رحمت کو رد کردیں گے؟ کیا قربانی کے بغیر بھی کوئی نعمت مل سکتی ہے؟ تم ایک ہی وقت میں اپنے نفس کی ادنیٰ خواہشوں کو پورا اور خدا تعالیٰ کو خوش نہیں کرسکتے۔

خدا موت کے بعد ملتا ہے

سب مذاہب اس امر پر متفق ہیں کہ خدا تعالیٰ موت کے بعد ملتا ہے مگر اس کا یہ مطلب ہے کہ خدا تعالیٰ اس موت کے بعد ملتا ہے جو انسان اپنے نفس پر خدا کی خاطر وارد کرلیتا ہے۔

انگلستان کے متعلق خدا نے کیا دکھایا

اے لوگو! اس بات سے مت ڈرو کہ لوگ تم پر ہنسیں گے یا تم کو پاگل سمجھیں گے۔ کبھی کسی نے سچائی کو ابتداء میں قبول نہیں کیا کہ اسے لوگوں نے پاگل نہیں سمجھا۔ کیا موسیٰ کے ماننے والے اور مسیح پر ایمان لانے والے پاگل نہیں سمجھے گئے؟ مگر کیا آخر وہی پاگل دنیا کے راہنما نہیں بنے؟ میں اس خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جس پر جھوٹ بولنے والے کے متعلق تمام آسمانی کتب متفق ہیں کہ وہ ہلاک کیا جاتا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے دکھایا ہے کہ انگلستان کے ساحل سمندر پر کھڑا ہوں اور میرے ہاتھ پر انگلستان کی روحانی فتح ہوئی ہے۔ پس آج نہیں تو کل انگلستان مسیح موعود کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اسلام کی طرف لوٹے گا۔ مگر مبارک وہ ہے جو اس کام میں سب سے پہلے قدم اٹھاتا ہے کیونکہ جو شخص حق کے قبول کرنے کے لئے آگے بڑھتا ہے دوسرے لوگ جو اس کے پیچھے آتے ہیں اس کے برابر نہیں ہوسکتے۔ اس کے لئے دُہرا اجر ہے۔ ایمان لانے کا بھی اور دوسروں کے لئے محرک بننے کا بھی۔ پس کیا اے اہل پورٹ سمتھ! جو ساحل سمندر پر بستے ہو اس اجر کو جو انگلستان کے شہروں میں سے کسی نہ کسی کے قبضہ میں آنے والا ہے لینے کے لئے تم آگے نہیں بڑھو گے؟ بے شک سچائی کو لوگ آہستہ آہستہ قبول کرتے ہیں مگر وہ آخر غالب آکر رہتی ہے۔ حضرت مسیح موعود سے خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جس طرح مسیح اول کے بعد تین سو سال میں مسیحیت نے غلبہ حاصل کرلیا تھا اسی طرح تین سو سال کے اندر آپ کے سلسلہ کو غلبہ حاصل ہوجائے گا مگر وہ غلبہ پہلے غلبہ سے زیادہ مکمل ہوگا کیونکہ اُس وقت تو مسیحیت روم کا سرکاری مذہب بنی تھی لیکن اِس وقت احمدیت تمام دنیا کے قلوب پر تصرّف حاصل کرلے گی۔

حضرت مسیح موعود کی پیشگوئیاں

یہ بے شک غیب کی خبریں ہیں مگر دنیا آپ کی ہزاروں پیشگوئیاں پوری ہوتی دیکھ چکی ہے اور ماضی مستقبل پر گواہ ہے کیا یہ عجب نہیں ہے کہ چونتیس سال پہلے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس وقت جبکہ اکیلے تھے یہ پیشگوئی اپنی کتاب کے ذریعہ شائع کی تھی کہ آپ کی تعلیم انگلستان جلد ہی پہنچنے والی ہے اور وہاں کے کئی لوگ اسے عنقریب قبول کرنے والے ہیں۔ اور آج تم دیکھتے ہو کہ اس کے متبعین کی ایک جماعت تمام انگلستان میں صداقت کا اعلان کرتی پھرتی ہے اور کئی لوگ اس وقت تک سلسلہ میں داخل ہو چکے ہیں۔ پس خدا کے کاموں کو عجیب نہ سمجھو اس کی قدرت کے آگے سب کچھ آسان ہے۔ اے سچائی کے طالبو! اور اے خدا تعالیٰ سے لقاء کی سچی تڑپ رکھنے والو!! میں اپنے تجربہ کی بناء پر آپ لوگوں کو کہتا ہوں کہ خدا سے لقاء کا ذریعہ سوائے مسیح موعود کی اتباع کے اور کوئی نہیں۔ آج سب دروازے بند ہیں سوائے اس کے دروازہ کے اور سب چراغ بجھے ہوئے ہیں سوائے اس کے چراغ کے۔ پس اس درواز ہ سے داخل ہو جسے خدا تعالیٰ نے کھولا ہے اور اس چراغ سے روشنی لو جسے اس نے جلایا ہے اور خدا کے جلال کو اپنی آنکھوں سے دیکھو اور اس کے قرب کو اپنے دلوں سے محسوس کرو۔

کامیابی کس طرح حاصل ہوتی ہے؟

ہاں یہ بات یاد رکھو کہ دو کشتیوں میں پیر رکھنا کبھی فائدہ نہیں دیتا بغیر قربانی کے کوئی ایمان نفع بخش نہیں۔ جو شخص اپنے آرام اور اپنی آسائش اور اپنے وقت اور اپنی عادات اور اپنے رسوم کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتا وہ کبھی کامیابی کا منہ نہیں دیکھتا اور جو شخص یہ سب کچھ کر لیتا ہے اس کو کوئی چیز تباہ نہیں کر سکتی۔ مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔ تم خدا تعالیٰ کی رضا کو ہرگز حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ تم اپنی خوشیاں' اپنی لذات' اپنی حیثیت' اپنا مال وجان ترک نہ کر دو اور اس کی راہ میں ہر ایک ایسی مشکل کا مقابلہ نہ کرو جو تمہارے سامنے موت کا نظارہ پیش کرتی ہے اور اگر تم تمام مشکلات کا مقابلہ کرو تو خدا تعالیٰ تم کو ایک پیارے بچے کی طرح گود میں لے لے گا۔ اور تمہیں ان راستبازوں کا وارث بنائے گا جو تم سے پہلے گذرے اور ہر ایک برکت اور رحمت کے دروازے تم پر کھولے جائیں گے۔

مشرق سے ایک راستباز

دیکھو! خدا نے یسعیاہ[۳۲] نبی کی پیشگوئی کے مطابق مشرق سے ایک راستباز کو برپا کیا ہے۔ اور اس کے ذریعہ سے وہ اپنی

مرضی کو تمہارے تک لایا ہے۔ کیا میں امید کروں کہ تم اس کو دلی شوق سے قبول کرو گے اور اس کے پیغام کے لئے مغربی ممالک میں پہلے جھنڈے بردار ہو گے؟ اور میں تم کو اس علم کے ماتحت جو خدا نے مجھے دیا ہے یقین دلاتا ہوں کہ سب قومیں تم سے برکت پائیں گی اور آئندہ آنے والی نسلیں تم پر برکت بھیجیں گی اور تم خدا میں ہو کر غیر فانی ہو جاؤ گے۔

(الفضل ۱۸۔ اکتوبر ۱۹۲۴ء)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

ہندوستانی طلباء کا ایڈریس اور اس کا جواب

(۱۵۔ ستمبر ۱۹۲۴ء کو چار بجے شام حضرت خلیفۃ المسیح اور آپ کے خدام کو ہندوستانی طلباء کی طرف سے چائے کی دعوت چودھری غلام حسین صاحب کی سیادت میں دی گئی۔ اس دعوت میں مسلمان طلبائے ہند کی ایک کثیر تعداد شریک تھی اور بعض ہندو احباب بھی تھے اور کچھ نو مسلم خواتین بھی۔ طلباء کی طرف سے ایک ایڈریس انگریزی زبان میں حضرت صاحب کو پیش کیا گیا جس کو مسٹر سہگل ایک ہندو نوجوان نے پڑھا۔ مسٹر سہگل لاہور کے ایک مشہور اور ممتاز خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ انہوں نے ایڈریس کے پڑھنے کے بعد کہا کہ میں اگرچہ ہندو ہوں مگر اس ایڈریس کو پڑھنے اور پیش کرنے کی عزت کو میں بہت بڑی عزت سمجھتا ہوں۔ ایڈریس کے پڑھے جانے کے بعد حضرت صاحب نے اس کا جواب اردو میں دیا اور چودھری ظفر اللہ خاں صاحب نے انگریزی دان حاضرین کے لئے مرتجلاً اس کا ایسا لطیف خلاصہ سنایا کہ ہر زبان پر عش عش تھا۔
(عرفانی)

ہندوستانی طلباء کا ایڈریس

یور ہولی نس! ہم صدق دل سے جناب کو ایک ممتاز ممبر اسلام ہونے کی حیثیت میں آج یہاں تشریف فرمائی پر خوش آمدید کہتے ہیں۔

۱۔ ہم سب جو یہاں حاضر ہیں آج جناب کے یہاں رونق افروز ہونے پر بہت فخر کرتے ہیں اور ہم جناب کے خدمت اسلام کے لئے یورپ تشریف لانے کو نہایت ہی قدر و عزت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اس عظیم الشان کام میں جناب کی ہر کامیابی کے لئے صدق دل سے دعا کرتے ہیں۔

۲۔ آج یورپ ایک عالمگیر مذہب کے لئے بہت حاجتمند ہے اور اسلام ہی اکیلا مذہب ہے جو اس صورت میں تسلی کا موجب ہو سکتا ہے کیونکہ عیسائیت (جو آج چرچ سکھاتا ہے۔) یورپین

اقوام پر سے اپنا اثر کھو چکی ہے۔

۳۔ یورپ میں صداقت مذہب کے لئے بہت بڑی تلاش ہے۔ یہ قابل افسوس ہے کہ عیسائیت جیسا کہ اب سکھائی جاتی ہے قابلِ عمل درآمد نہیں کیونکہ اس کی تعلیمات انسان کو اپیل نہیں کر سکتیں اور اس لئے وہ اس کی عملی زندگی میں راہ نما نہیں ہو سکتیں یہ بائیبل انسانی زندگی کے لئے مکمل ضابطہ پیش نہیں کرتی جو کہ اسلام کی خاص خوبصورتی ہے۔

۴۔ کچھ شک نہیں حضرت اقدس اس امر سے واقف ہیں کہ تمام مغرب میں موجودہ عیسائیت سے تنفّر و بغاوت کے آثار نمایاں ہیں۔ مثلاً روس ایک زمانہ میں آرتھوڈکس عیسائی ملک تھا اور ہمیشہ مسلمان ممالک سے خالصۃً مذہبی اغراض کے لئے نہ کہ ملکی اغراض کی خاطر لڑتا رہا۔ اس نے اب کُھلّم کُھلا ظاہر کر دیا ہے کہ عیسویت طبعی زندگی کی تمام ضروریات کی ارتقائی طریق پر تسلّی نہیں کر سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ کمیونزم نے مضبوط جگہ حاصل کرلی ہے۔ یہ حالت صرف روس میں ہی نہیں ہے بلکہ دوسرے ممالک جرمنی' فرانس' اٹلی کی بھی یہی حالت ہے بلکہ خود انگلستان کا بھی یہی حال ہے جہاں ایسی ہی تحریک پاؤں جما رہی ہے۔ یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ مہذّب مغرب اسلامی تعلیمات کی روحِ سادگی کو لے کر ان پر عمل کر رہا ہے اگرچہ اسے یہ معلوم نہیں کہ یہ اسلامی تعلیمات ہیں۔

۵۔ اب وقت آگیا ہے جب کہ اسلام اپنی اصفٰی اور اجلٰی صورت میں مغرب کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ بدقسمتی سے اسلام کو بعض پچھلے خود غرض اور متعصب لوگوں نے اپنی اغراض کے لئے غلط رنگ میں رنگین کیا ہے۔ مگر جہاں تک موجودہ یورپ کا سوال ہے اس کے باشندے ارتقاء پسند اور تعلیم یافتہ ہیں۔ ہم کو ہر طرح یقین ہے کہ اگر اسلام ان کے سامنے اصلی صورت میں پیش کیا جائے (جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے پیش کیا ہے) تو انہیں اس کے قبول کرنے میں کوئی تامل نہ ہو گا ہم بہت جلد مغرب کو ہمدردانہ مذہب کا مطالعہ کرتے پائیں گے۔

۶۔ ہم حضرت پر اس امر کا اظہار ضروری سمجھتے ہیں کہ جہاں تک ہمارا اس ملک میں تجربہ ہے اس ملک کے لوگ مذہب کے متعلق تفصیلی مضامین پر بہت کم دلچسپی لیتے ہیں اور اس کے مختلف فرقوں کے متعلق تو بہت ہی کم' اس لئے ہم صدق دل سے التماس کرتے ہیں کہ جناب آنے والی مذہبی کانفرنس میں اسلام کو اس کی پاکیزہ صورت و مفہوم میں پیش کریں گے۔

۷- اسلام جمہوریت کی تعلیم دیتا ہے اس لئے ہمیں امید ہے کہ یور ہولی نس اتحادِ ہند کے کام میں ہر قسم کی مدد کریں گے- ہندوستان کا اتحاد ایسا ضروری مسئلہ ہے کہ اس کی ساری ترقی اور بہبودی اس سے وابستہ ہے- اور ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ دن جلد آوے کہ ہندوستان دنیا کی آزاد اقوام میں اپنی اصلی جگہ کو حاصل کر لے-

۸- ہم جناب کی اس تکلیف فرمائی کے لئے شکر گزار ہیں کہ یہاں ہمارے درمیان تشریف لائے-

۹- آخر میں ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ اسلام کا حافظ و ناصر ہو اور جناب کے نقش قدم کو اپنے رحم سے بے خطا صراط مستقیم کی طرف لے جائے-

ایڈریس کا جواب

از حضرت خلیفۃ المسیح الثانی

برادران! اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

مجھے انگریزی میں بولنے کا موقع نہیں ملا- میں نے انگریزی میں بولنے کی اس سفر میں کوشش کی ہے اور اس لحاظ سے بھی کہ میرے مخاطب ہندوستانی طلباء ہیں میں اس ایڈریس کا جواب اردو میں دوں گا اور ایسے لوگوں کے لئے جو اردو نہیں سمجھ سکتے خواہ وہ چند ہی ہوں عزیزی چودھری ظفر اللہ خاں صاحب انگریزی میں میرے جواب کا خلاصہ سنا دیں گے-

جو خواہشات آپ نے اس ایڈریس میں بیان کی ہیں میں انہیں سن کر بہت خوش ہوا- ان کی روح کے ساتھ مجھ کو ہمدردی ہے اور میں آپ سے اتفاق رکھتا ہوں-

اسلام ایک ایسا مذہب ہے کہ اگر کوئی شخص تعصّب سے پاک ہو کر عقل سے کام لے تو اس کی فطرت اسے مجبور کرے گی کہ وہ اسلام کو قبول کرے- اسلام کُل دنیا کے لئے آیا ہے اور وہی عالمگیر مذہب ہے- خدا تعالیٰ نے انسان کو عقل اور قوت فیصلہ اسی لئے دی ہے کہ اگر وہ اس سے کام لے تو وہ ہدایت کو پالیتا ہے اور اگر اس سے دُور بھی چلا گیا ہو تو اتنا دور نہیں ہو جاتا کہ اس کی اصلاح ناممکن ہو بشرطیکہ خدا تعالیٰ کی دی ہوئی قوتوں کو بے کار اور معطّل نہ چھوڑ دے- یاد رکھو جو سچے طور پر کوشش کرتا ہے وہ مقصد کو پالیتا ہے اور راستہ سے بھٹک جانے کے باوجود بھی واپس

آ سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں یہ اصول بتایا ہے۔ وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا۔ ۳۴ یعنی جو لوگ ہم میں ہو کر کوشش کرتے ہیں ہم ضرور ضرور ان پر اپنی راہوں کو کھول دیتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کا یہ قانون بالکل درست اور تجربہ سے صحیح ثابت ہو چکا ہے اور عقل اس کی تائید کرتی ہے۔ پس کامیابی کے لئے کوشش شرط ہے اور وہ کوشش اس طریق پر ہو جو خدا تعالیٰ نے بتایا ہے اور وہ یہی ہے کہ خداداد عقل سے کام لو۔

اسلام کی سچائی عقل اور تجربہ سے ثابت ہے اور میں یقین رکھتا ہوں کہ اگر اسلام کو اصلی صورت میں پیش کیا جائے گا تو وہ یورپ' ایشیا' افریقہ' امریکہ غرض ساری دنیا میں یقیناً پھیلے گا اس لئے کہ وہ کُل دنیا کے لئے آیا ہے اس کے سوائے اور کوئی مذہب نہیں ہے جو عالمگیر ہو۔ اور قرآن شریف میں اس کے تمام دنیا میں پھیل جانے اور تمام ادیان پر غالب آنے کی پیشگوئی موجود ہے چنانچہ آتا ہے۔ ھُوَالَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ ۳۵
یعنی خدا تعالیٰ نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا ہے۔ اور اس کی غرض یہی ہے کہ اس دین کو کُل ادیان پر غالب کردے اور تمام ادیان کو ایک دین پر جمع کردے۔ ہم کو یقین ہے کہ ایسا ہی ہو گا اور یہ بھی ایک ثابت شدہ امر ہے کہ اس کے لئے یہی زمانہ ہے اور ہماری ساری کوشش اسی مقصد کے لئے ہے۔

آپ نے یہ خواہش پیش کی ہے کہ میں اسلام کو صحیح اور سچی شکل میں پیش کروں۔ میں اس سے بالکل متفق ہوں اور متفق ہی نہیں بلکہ اگر اسلام کو اس کی حقیقی شکل میں پیش نہ کیا جاوے تو وہ اسلام نہیں بلکہ کچھ اور ہو گا۔ اور ہماری غرض تو یہی ہے کہ اسلام کا حقیقی چہرہ دنیا کو دکھائیں اور بدقسمتی سے جو حالت اس کی تبدیل کردی گئی ہے اور اس کی صحیح تعلیمات کو اعتقادی اور عملی غلطیوں سے بدل دیا گیا ہے اسے پھر دنیا میں ظاہر کیا جائے لیکن میں یہ بھی کہہ دینا چاہتا ہوں کہ تفاصیل کے بیان میں اگر انسان کو کوئی اختلاف نظر آئے تو اس کو معقولیت کے ساتھ دیکھنا چاہئے بِلا غور کئے اس کو اختلاف قرار دے دینا غلطی ہو گی۔ بعض اختلاف ایسے ہوتے ہیں جو قدرتی ہوتے ہیں۔ مثلاً دو بھائیوں یا بہن بھائی میں باوجود یہ کہ وہ ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہوتے ہیں فرق نظر آئے گا اور ہوتا ہے۔ آواز میں' قد و قامت میں' خیالات اور مذاق میں مگر یہ اختلاف ان کو اس ایک حقیقت سے کہ وہ بھائی ہیں اور ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں جُدا نہیں کر دیتا۔

اسی طرح میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے ارادہ کیا ہے کہ اسلام کا حقیقی چہرہ ہم

دنیا کو دکھائیں اور یہی کام ہم کر رہے ہیں ممکن ہے تفاصیل میں کوئی اختلاف نظر آئے مگر روح وہی ہے جس سے میں اتفاق کرتا ہوں اور میں خوش ہوں کہ آپ نے یہ خواہش پیش کی ہے میں اس ایڈریس کو سن کر اور بھی خوش ہوا ہوں کہ اشاعت اسلام کا سوال آپ لوگوں کے زیر نظر ہے اور ہم تو اسی کام کے لئے پیدا ہوئے ہیں اور اسی سوال کے لئے میں نے یہ سفر کیا ہے مجھ کو اس بات سے اور بھی خوشی ہوئی ہے کہ اس ایڈریس کو پڑھنے والے صاحب ہندو ہیں۔

میں نے ابھی کہا ہے کہ جو شخص طلب صادق کے ساتھ حق کی طرف قدم اٹھاتا ہے اور کوشش کرتا ہے اس پر حقیقت کھل جاتی ہے اور وہ راہ پالیتا ہے۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا یعنی جو پورے طور پر کوشش کرتے ہیں ہم کو اپنی ذات کی قسم ہے کہ سچائی کی طرف اسے کھینچ کر لاتے ہیں۔ جب انسان اس روح کو لے کر کوشش کرتا ہے تو نتیجہ بابرکت ہوتا ہے۔

غرض میں آپ کی ان نیک خواہشوں کو جو اشاعت اسلام کے موافق ہیں بہت خوشی اور قدر کی نظر سے دیکھتا ہوں مگر ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہوں کہ مجھ سے آپ منافقانہ رنگ کی امید نہ رکھیں۔ جس تعلیم کو میں سمجھتا ہوں کہ وہ حق ہے اور وہی حق ہے جس کے بغیر اسلام کامیاب نہیں ہو سکتا میں اُسی کو پیش کروں گا۔ اور دنیا کی کوئی چیز اور طاقت اس حق کے پیش کرنے سے مجھ کو روک نہیں سکتی اس لئے کہ سب سے پیاری چیز میرے لئے وہی ہے۔ پس میں پھر کہتا ہوں کہ آپ کی ایسی نیک خواہشوں کی قدر کرنے کے باوجود آپ کو یاد رکھنا چاہئے کہ مجھ سے یہ امید نہ رکھیں کہ میں منافق کا پارٹ پلے (Part Play) کروں گا۔

میں ہمیشہ سے اس امر کو عزت کی نظر سے دیکھتا ہوں کہ ایک شخص آزادی ضمیر کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار کرے کچھ پرواہ نہیں اگر وہ میرے خلاف بھی ہو۔ میں نے اپنے خلاف سخت سے سخت خیالات کے اظہار کو بھی خوشی سے سنا ہے۔ ایک واقعہ کا ذکر کرتا ہوں۔ بارہ سال کے قریب ہوتے ہیں جب میں حج کے لئے آیا تھا تو اس جہاز میں تین بیرسٹر بھی تھے جو ہندوستان سے آ رہے تھے انہوں نے امتحان پاس کر لیا تھا۔ ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ میں بانی سلسلہ احمدیہ کا بیٹا ہوں ان سے جہاز پر مذہب کے متعلق گفتگو ہوتی رہی اور اس سلسلہ میں وہ حضرت صاحب کے متعلق سخت الفاظ استعمال کرتے رہے مگر میں نے ظاہر نہ ہونے دیا تاکہ ان کو اپنے خیالات کے اظہار میں روک نہ ہو اور وہ اپنے اعتراضات کو چھپائیں نہیں۔ میں ان کے اعتراضات کا جواب دیتا

رہا۔ آخری دن ان کو معلوم ہوا کہ میں بانی سلسلہ احمدیہ کا بیٹا ہوں تو انہوں نے معذرت کی۔ میں نے ان کو کہا آپ کو اپنے خیالات کے آزادانہ اظہار کا حق تھا۔ غرض میں آزادانہ اظہار رائے کو ہمیشہ عزت اور قدر کی نظر سے دیکھتا ہوں۔

ہندوستان کے متعلق جس خواہش کا اظہار آپ نے کیا ہے اس کے متعلق میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مجھ سے زیادہ کوئی شخص اس کا خواہشمند نہیں ہے کہ ہندوستان آزاد ہو۔ خاندانی ٹریڈیشن کے لحاظ سے بھی اگر دیکھا جائے تو ہمارے خاندان نے سات سو سال تک اپنے علاقہ میں حکومت کی ہے جو میرے دادا صاحب پر آکر ختم ہو گئی اس لئے ہمارے خاندان میں حکومت کی روایتیں موجود ہیں۔ مجھ کو تعجب ہوتا ہے جب لوگ ہم کو گورنمنٹ کا خوشامدی کہتے ہیں حالانکہ کوئی شخص کبھی بھی یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ ہم نے گورنمنٹ سے کبھی کسی قسم کا فائدہ اٹھانے کی خواہش کی ہو۔ گورنمنٹ کے بعض افسروں نے یہ کہا بھی ہے کہ کیوں یہ لوگ خواہش نہیں کرتے۔ ہمارے خاندان میں گورنمنٹ کے اعلیٰ افسروں کی چٹھیاں موجود ہیں جن میں ہمارے خاندان کے امتیازات کا اعتراف ہے مگر میں سچ کہتا ہوں کہ ہم نے کبھی ان چٹھیات کو ویسٹ پیپر (ردّی کاغذ) سے زیادہ نہیں سمجھا اس لئے کہ کبھی یہ خواہش پیدا نہیں ہوئی کہ ان کو پیش کر کے کوئی اجر لیں۔ اب جو خدمات ہمارے سلسلہ نے کی ہیں ان کے بدلہ میں بھی کچھ نہیں چاہتے۔ اور میں ہتک سمجھتا ہوں کہ گورنمنٹ ہم کو کوئی خطاب دے یا کوئی اور اجر دے۔

مجھ کو ایک مرتبہ ایک بڑے آدمی نے خط لکھا کہ اگر آپ کو ہزہائی نس کا خطاب دیا جائے تو آپ کا کیا خیال ہے۔ میں نے اس کو لکھا کہ میں اس کو اپنی ہتک سمجھتا ہوں۔ غرض ہم نے کبھی گورنمنٹ کی خوشامد نہیں کی اور میں اس سے کسی خدمت کا معاوضہ لینا خواہ وہ ہمارے بزرگوں نے کی یا ہمارے سلسلہ نے اب کی ہے ہتک سمجھتا ہوں۔

میں نے گورنمنٹ کی جو تائید کی ہے وہ اس لئے کہ اسلام جو تعلیم دیتا ہے اس پر عمل کرنا میرا فرض ہے۔ اور میں بحالات موجودہ ضروری سمجھتا ہوں کہ جب تک ہندوستان ایک نہ ہوگا اور ہندو مسلمانوں میں حقیقی اتفاق و اتحاد نہ ہوگا ہندوستان کی ترقی نہ ہوگی۔ اور میں یہ بھی کہہ دینا چاہتا ہوں کہ میں اس کا مخالف ہوں کہ زبان سے ہم اتحاد کا شور مچائیں اور دل سے مختلف ہوں جیسا کہ واقعات اور حالات نے ہندو مسلم اتحاد کی حقیقت کو کھول دیا ہے۔ یہ بات میں آج آپ کے سامنے نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ میں عرصہ سے اس حقیقت کو واضح کر رہا ہوں۔ میرے خیالات

کی مخالفت بھی ہوئی مگر آج واقعات نے ثابت کر دیا ہے کہ جب تک دل ایک نہ ہوں کچھ نہیں ہو گا- پہلے ضروری ہے کہ ایسے اصول طے کر لئے جاویں کہ ہندو مسلمانوں میں حقیقی اتحاد ہو جائے-

میں یہ بھی بتانا چاہتا ہوں کہ میں مانگنے کا قائل نہیں- میں چار پانچ برس کی عمر سے اپنے واقعات کو یاد رکھتا ہوں- اور میں سچ کہتا ہوں کہ میں نے اپنے باپ سے بھی کچھ نہیں مانگا تھا پس میں مانگنے کا حامی نہیں ہوں- اگر ہم اتحاد پیدا کر لیں اور وہ اتحاد اخلاص کے ساتھ ہو تو میں دعوی سے کہتا ہوں کہ سلف گورنمنٹ خود مل جائے گی مانگنے کی ضرورت نہ ہو گی۔

مگر اس اتحاد کے لئے کوشش نہیں کی گئی- ہندو مسلمانوں کے اتحاد کو صحیح اصول پر قائم کرنے کے لئے کبھی کوشش نہیں ہوئی اور جس نے کی اس کی مخالفت کی گئی- جن تین بیرسٹروں کا میں نے ذکر کیا ہے ان میں سے ایک ہندو کامیاب بیرسٹر نے جو لاہور میں شاید کام کرتا ہے اس وقت اپنے مسلمان دوست سے کہا تھا کہ اگر میرے لڑکی ہوئی تو تمہارے لڑکے کو دوں گا اور ایسا ہی مسلمان کہتا تھا- مگر اب یہ حالت ہے کہ لاہور والے کسی سے ملتے نہیں اور دوسرے دو جو ملتان میں غالباً کام کرتے ہیں وہ اس سوسائٹی کے ممبر ہیں جو تفرقہ ڈلواتی ہے-

غرض آپ نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے میں ان کو قدر کی نظر سے دیکھتا ہوں- پس آپ اس کے مطابق عمل کریں اور ان نیک خواہشات کو رکھتے ہوئے اگر غلط راستہ پر بھی چلیں گے تو آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو فائدہ ہو گا بشرطیکہ اخلاص کے ساتھ کام کرو گے- یہ کہہ کر میں اس دعا پر ختم کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ آپ کو بھی ان کوششوں اور جذبات اور خواہشوں کو کامیاب بنانے کی توفیق دے اور مجھ کو اور میرے متبعین کو بھی-

(الفضل ۲۶-۱اکتوبر ۱۹۲۴ء)

مولوی نعمت اللہ خان صاحب کی عظیم قربانی

(۷ ستمبر ۱۹۲۴ء کو لندن میں معزز انگریزوں اور ہندوستانیوں کی جو میٹنگ حکومت کابل کے سنگدلانہ فعل کے خلاف منعقد ہوئی تھی اس میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے مولوی نعمت اللہ خان صاحب کی شہادت کے متعلق حسب ذیل مضمون پڑھا تھا)

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ ھُوَ النَّاصِرُ

شکریہ پریزیڈنٹ! بہنو اور بھائیو! میں آپ لوگوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے ہمارے صدمہ میں ہم سے ہمدردی کا اظہار کیا ہے۔ آپ لوگ یہ تو پڑھ چکے ہوں گے کہ مولوی نعمت اللہ خان صاحب احمدی کو ۳۱۔ اگست کے دن کابل گورنمنٹ نے سنگسار کرایا ہے صرف اس وجہ سے کہ اس نے احمدیت کو کیوں قبول کیا ہے۔ مگر آج آپ لوگوں کو اختصار کے ساتھ اس واقعہ کی تمام کیفیت سنانا چاہتا ہوں تاکہ آپ لوگوں کو معلوم ہو کہ یہ فعل کیسا ناروا تھا۔

شہید مرحوم کے حالات مولوی نعمت اللہ خان کابل کے پاس ایک گاؤں کے رہنے والے تھے۔ احمدی ہونے پر ان کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ وہ سلسلہ کی تعلیم بھی حاصل کریں اور وہ قادیان چلے آئے۔ جہاں وہ احمدیہ دینی کالج میں داخل ہوئے۔ وہ ابھی کالج ہی میں تعلیم پا رہے تھے کہ کابل کے احمدیوں کی تعلیم کے لئے ان کو وہاں بھیجنا پڑا۔ چنانچہ ۱۹۱۹ء میں وہ وہاں چلے گئے اور چونکہ افغانستان میں احمدیوں کے لئے امن نہ تھا مخفی طور پر اپنے بھائیوں کو سلسلہ کی تعلیم سے واقف کرتے رہے۔ اس عرصہ میں گورنمنٹ افغانستان نے کامل مذہبی آزادی کا اعلان کیا اور ہم نے سمجھا کہ اب احمدیوں کو اس علاقہ میں امن ہو گا مگر پیشتر اس کے کہ وہاں کی جماعت کے لوگ اپنے آپ کو علی الاعلان ظاہر کرتے مناسب سمجھا گیا کہ

گورنمنٹ سے اچھی طرح دریافت کرلیا جائے۔

ارکانِ حکومت کابل کے مواعید

چنانچہ جب محمود طرزی صاحب سابق سفیر پیرس کی امارت میں افغان گورنمنٹ کا ایک مشن برٹش گورنمنٹ سے معاہدہ صلح کرنے کے لئے آیا تو اس وقت میں نے ان کی طرف ایک وفد اپنی جماعت کے لوگوں کا بھیجا تاکہ وہ ان سے دریافت کرے کہ کیا مذہبی آزادی دوسرے لوگوں کے لئے ہے یا احمدیوں کے لئے بھی۔ اگر احمدیوں کے لئے بھی ہے تو وہ لوگ جو اپنے گھر چھوڑ کر قادیان میں آگئے ہیں واپس اپنے گھروں کو چلے جاویں۔ محمود طرزی صاحب نے میرے بھیجے ہوئے وفد کو یقین دلایا کہ افغانستان میں احمدیوں کو اب کوئی تکلیف نہ ہوگی کیونکہ ظلم کا زمانہ چلا گیا ہے اور اب اس ملک میں کامل مذہبی آزادی ہے اسی طرح دوسرے ممبران وفد نے بھی یقین دلایا۔ ان لوگوں میں سے جو اپنے ملک کو چھوڑ کر قادیان آگئے ہیں ایک نوجوان نیک محمد بھی ہے جو احمدیت کے اظہار کی آزادی نہ پاکر چودہ سال کی عمر میں اپنا وطن چھوڑ کر چلا آیا تھا اس نوجوان کا والد غزنی کے علاقہ کا رئیس تھا اور غزنی کا گورنر بھی رہا ہے۔ یہ نوجوان بھی وفد کے ساتھ تھا اس کو دیکھ کر کئی ممبران وفد کی آنکھوں میں آنسو آگئے کہ ایسے معزز خاندانوں کے بچے اس عمر میں اپنے عزیزوں سے جدا ہو کر دوسرے وطنوں کو جانے پر مجبور ہوں یہ بہت بڑا ظلم ہے جو ہز مجسٹی امیر امان اللہ خان [۳۵] کے وقت میں نہ ہوگا۔ اور ایشیائی طریق پر اپنے سینوں پر ہاتھ مار کر کہنے لگے کہ تم واپس وطن کو چلو دیکھیں تو تم کو کون ترچھی نظر سے دیکھتا ہے۔ اس ملاقات کے نتیجہ میں ہمارا وفد اپنے نزدیک نہایت کامیاب واپس آیا مگر مزید احتیاط کے طور پر میں نے چاہا کہ امیر افغانستان کو اپنے عقائد سے بھی مطلع کر دیا جائے اور ہماری امن پسند عادت سے بھی آگاہ کر دیا جائے تاکہ پھر کوئی بات نہ پیدا ہو۔ اور میں نے مولوی نعمت اللہ خان کو ہدایت کی کہ وہ محمود طرزی صاحب سے ان کی واپسی پر ملیں اور ان سے بعض احمدیوں پر جو ظلم ہوا ہے اس کا تذکرہ کریں اور امیر کے سامنے اپنے خیالات پیش کرنے کی بھی اجازت لیں۔ محمود طرزی صاحب نے ان احمدیوں کی تکلیف کا تو ازالہ کرا دیا اور اس امر کی اجازت دی کہ جو خط امیر کے نام آئے وہ اس کو غور سے پڑھیں گے۔ اس موقع پر ہمارے مبلّغ نے اپنے آپ کو جس طرح گورنمنٹ کے سامنے ظاہر کر دیا تھا پبلک پر بھی ظاہر کر دیا۔ چونکہ افغانستان کے بعض علاقوں سے یہ خبریں برابر آرہی تھیں کہ احمدیوں پر برابر ظلم ہو رہا ہے۔ ان کو بلاوجہ قید کر لیا جاتا ہے پھر ان سے روپیہ لے کر

ان کو چھوڑا جاتا ہے اس لئے میں نے اپنے صیغہ دعوت و تبلیغ کے سیکرٹری کو ہدایت کی کہ وہ اس کے متعلق افغان گورنمنٹ سے خط و کتابت کریں۔ چنانچہ انہوں نے ایک چٹھی وزیر خارجہ افغانستان کو لکھی اور ایک جمال پاشا[۳۶] ترکی مشہور جرنل کو جو سیکرٹری دعوت و تبلیغ کے ذاتی طور پر واقف تھے اور اس وقت افغانستان میں تھے ان سے یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ بھی اس امر کے متعلق افغانستان کی گورنمنٹ سے سفارش کریں۔ اس چٹھی کے جواب میں وزیر خارجہ افغانستان کی ایک چٹھی مئی ۱۹۲۱ء میں آئی جس میں لکھا تھا کہ احمدی اسی طرح اس ملک میں محفوظ ہیں جس طرح دوسرے وفادار لوگ۔ ان کو احمدیت کی وجہ سے کوئی تکلیف نہ دی جاوے گی اور اگر کوئی احمدی ایسا ہے جسے مذہب کی وجہ سے تکلیف دی جاتی ہو تو اس کا نام اور پتہ لکھیں گورنمنٹ فوراً اس کی تکلیف کو دور کردے گی۔

اس کے کچھ عرصہ بعد خوست کے علاقہ میں بعض احمدیوں کو پھر تکلیف ہوئی تو احمدیہ جماعت شملہ کی لوکل شاخ نے سفیرِ کابل متعینّہ ہندوستان کو اس طرف توجہ دلائی اور ان کی معرفت ایک درخواست گورنمنٹ کابل کو بھیجی جس کا جواب مؤرخہ ۲۴۔ مئی ۱۹۲۳ء کو سفیر کابل کی معرفت ان کو یہ ملا کہ احمدی امن کے ساتھ گورنمنٹ کے ماتحت رہ سکتے ہیں ان کو کوئی تکلیف نہیں دے سکتا باقی وفادار رعایا کی طرح ان کی حفاظت کی جائے گی۔ اس خط میں اس طرف بھی اشارہ کیا گیا تھا کہ یہ معاملہ ہِز مجسٹی امیر کے سامنے پیش کیا گیا تھا اور ان کے مشورہ سے جواب لکھا گیا ہے۔ شملہ کی لوکل احمدی انجمن کی درخواست میں احمدیہ عقائد کو بھی تفصیلاً ذکر کیا گیا تھا اور گورنمنٹ افغانستان نہیں کہہ سکتی کہ اس کو پہلے احمدی عقائد کا علم نہ تھا۔

اس طرح متواتر یقین دلانے پر کابل اور اس کے گرد کے احمدی ظاہر ہو گئے مگر علاقوں کے لوگ پہلے کی طرح مخفی ہی رہے کیونکہ گورنمنٹ افغانستان کا تصرف علاقوں پر ایسا نہیں کہ اس کی مرضی پر پوری طرح عمل کیا جائے۔ وہاں لوگ قانون اپنے ہی ہاتھ میں رکھتے ہیں اور بارہا حکام بھی لوگوں کے ساتھ مل کر کمزوروں پر ظلم کرتے رہتے ہیں۔

احمدیوں پر مصائب

ہم خوش تھے کہ افغانستان میں ہمارے لئے امن ہو گیا ہے کہ ۱۹۲۳ء کے آخر میں اطلاع ملی کہ دو احمدیوں کو افغانستان کی گورنمنٹ نے قید کر لیا ہے جن میں سے ایک کا بیٹا بھی ساتھ قید کیا گیا ہے۔ ان دو میں سے ایک تو دے دلا کر اپنے بیٹے سمیت چُھٹ گیا لیکن دوسرا میری قادیان سے روانگی تک قید تھا اور مجھے معلوم نہیں کہ اس

کا اب کیا حال ہے۔ دوسرا جو آزاد ہو گیا تھا اس کو ایام گرفتاری میں اس قدر مارا گیا کہ وہ آزاد ہونے کے بعد ۱۴ دن کے اندر فوت ہو گیا۔

مولوی نعمت اللہ خان کی سنگساری

شروع جولائی میں مولوی نعمت اللہ خان صاحب کو بھی حکام نے بلایا اور بیان لیا کہ کیا وہ احمدی ہیں۔ انہوں نے حقیقت کو ظاہر کر دیا اور ان کا بیان لے کر چھوڑ دیا گیا۔ اس کے چند دن بعد ان کو گرفتار کر لیا گیا اور پھر علماء کی کونسل کے سامنے پیش کیا گیا جس نے ۱۱۔ اگست کو ان سے بیان لیا۔ کہ وہ احمد کو کیا سمجھتا ہے۔ انہوں نے اپنے عقائد کا اظہار کیا جس پر علماء کی کونسل نے ان کو احمدی قرار دے کر مرتد قرار دیا اور موت کا فتویٰ دیا۔ اس کے بعد ۱۶۔ اگست ۲۴ء کو ان کو علماء کی اپیل کی عدالت کے سامنے پیش کیا گیا جس نے پھر بیان لے کر ماتحت عدالت کے فیصلہ کی تائید کی اور فیصلہ کیا کہ نعمت اللہ کو ایک بڑے ہجوم کے سامنے سنگسار کیا جائے۔

۳۱۔ اگست کو پولیس نے ان کو ساتھ لے کر کابل کی تمام گلیوں میں پھرایا اور وہ ساتھ ساتھ اعلان کرتی جاتی تھی کہ اس شخص کو ارتداد کے جرم میں سنگسار کیا جائے گا لوگوں کو چاہئے کہ وہاں چلیں اور اس نیک کام میں شامل ہوں۔

اسی دن شام کے وقت کابل کی چھاؤنی کے ایک میدان میں ان کو کمر تک زمین میں گاڑا گیا اور پہلا پتھر کابل کے سب سے بڑے عالم نے مارا۔ اس کے بعد ان پر چاروں طرف سے پتھروں کی بارش شروع ہو گئی یہاں تک کہ وہ پتھروں کے ڈھیر کے نیچے دب گئے۔ ان کی لاش ابھی تک ان پتھروں کے ڈھیر کے نیچے پڑی ہے اور اس پر پہرہ لگا ہوا ہے۔ اس کے بوڑھے باپ نے جو احمدی نہیں ہے گورنمنٹ سے درخواست کی کہ وہ اس کو لاش دے دیں تاکہ وہ اس کو دفن کر دے مگر گورنمنٹ نے اس کی لاش کو دفن کرنے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔

مولوی نعمت اللہ کی استقامت

کابل گورنمنٹ نے مولوی نعمت اللہ خان کو سنگسار کرنے سے پہلے بار بار احمدیت کے چھوڑ دینے کی صورت میں آزادی کا انعام پیش کیا مگر مولوی نعمت اللہ شہید نے ہر دفعہ اسے حقارت سے رد کر دیا اور ضمیر کی آزادی کو جسم کی آزادی پر ترجیح دی۔ جب ان کو سنگسار کرنے کے لئے گاڑا گیا تب پھر آخری دفعہ ان کو ارتداد کی تحریک کی گئی مگر انہوں نے جواب دیا کہ جس چیز کو میں حق جانتا ہوں اس کو زندگی کی خاطر نہیں چھوڑ سکتا۔ جس وقت ان کو گلیوں میں پھرایا جا رہا تھا اور ان کی

سنگساری کا اعلان کیا جا رہا تھا اس وقت کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ وہ بجائے گھبرانے کے مسکرا رہے تھے گویا کہ ان کی موت کا فتویٰ نہیں بلکہ عزت افزائی کی خبر سنائی جا رہی ہے۔

شہید مرحوم کی آخری خواہش اور اس کے متعلق افغان حکام کا شکریہ

جب ان کو میدان میں سنگسار کرنے کے لئے لے گئے تو انہوں نے اس وقت ایک خواہش کی جسے افغان حکام نے منظور کر لیا اور ہم اس کے لئے اس کے ممنون ہیں۔ وہ خواہش یہ نہ تھی کہ وہ اپنی ماں کو دیکھ لیں یا اپنے بوڑھے باپ کو ایک دفعہ مل لیں بلکہ یہ خواہش تھی کہ اس دنیا کی زندگی کے ختم ہونے سے پہلے ان کو ایک دفعہ اپنے رب کی عبادت کرنے کا پھر موقع دیا جائے۔ حکام کی اجازت ملنے پر انہوں نے اپنے رب کی عبادت کی اور اس کے بعد ان کو کہا کہ اب میں تیار ہوں جو چاہو سو کرو۔

کابل کے سرکاری اخبار کا بیان

کابل کا نیم سرکاری اخبار جس سے شہادت کے واقعات کا اکثر حصہ لیا گیا ہے اپنی ۶۔ ستمبر کی اشاعت میں حالات شہادت لکھتے ہوئے لکھتا ہے کہ

”مولوی نعمت اللہ بڑے زور سے احمدیت پر پختگی سے مُصِرّ رہا اور جس وقت تک اس کا دم نہیں نکل گیا سنگساری کے وقت بھی وہ اپنے ایمان کو باآواز بلند ظاہر کرتا رہا“

ایک چھوٹا سا زخم انسان کی توجہ کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے لیکن اس شخص کا خیال کرو جس پر چاروں طرف سے پتھر پڑ رہے تھے مگر اسے صرف ایک ہی دُھن تھی کہ جس امر کو وہ سچ یقین کرتا تھا وہ اسے مرنے سے پہلے پھر ایک دفعہ اپنے برادران وقت کے کانوں تک پہنچاوے۔

دیگر واقعات

ایسوسی ایٹڈ پریس پشاور کا ۴ ستمبر کا تار جو ہندوستان کے سب اخبارات میں چھپا ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ سنگساری سے پہلے مولوی نعمت اللہ شہید کو قید خانہ میں بھی کئی قسم کے عذاب دیئے گئے۔ ہندوستان کا سب سے وسیع الاشاعت اینگلو انڈین روزنامہ پائینیر لکھتا ہے کہ یہ معاملہ معمولی نہیں بلکہ نہایت اہم ہے۔ وہ اپنے تازہ ایشو میں یہ بھی لکھتا ہے کہ امیر نے نعمت اللہ خان کو صرف آرتھوڈکس پارٹی کے خوش کرنے کے لئے قتل کیا ہے۔ کابل کی آمدہ خبروں سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ گورنمنٹ کابل نے اعلان کیا ہے کہ وہ آئندہ بھی احمدیوں سے ایسا ہی معاملہ کرے گی۔ اور وہ یہ ظاہر کرتی ہے کہ ہمارے ملک کا قانون مرتد سے ایسے ہی سلوک کا مطالبہ کرتا ہے) مگر گورنمنٹ کی اپنی چٹھیاں اس امر کی تردید کر رہی

ہیں- یہ تمام واقعات مجھے قادیان سے میرے نائب نے بذریعہ تار مختلف تاریخوں میں بھیجے ہیں اور ان کی معلومات کا ذریعہ کابل کے اخبارات ہیں جن میں سے اکثر واقعات لئے گئے ہیں-

تین خون

اے بہنو! اور بھائیو! گو یہ واقعہ اپنی ذات میں بھی نہایت افسوس ناک ہے مگر یہ واقعہ منفرد نہیں ہے- یہ تیسرا خون ہے جو گورنمنٹ افغانستان نے صرف مذہبی اختلاف کی بناء پر کیا ہے- سب سے پہلے مولوی عبدالرحمٰن صاحب[۳۷] کو امیر عبدالرحمٰن خان[۳۸] نے احمدیت کی بناء پر گلا گھونٹوا کر مروا دیا- پھر صاحبزادہ مولوی عبداللطیف صاحب[۳۹] کو جو خوست کے ایک بڑے رئیس تھے اور تیس ہزار آدمی ان کے مرید تھے اور علم میں ان کا ایسا پایہ تھا کہ امیر حبیب اللہ خان[۴۰] کی تاج پوشی کے موقع پر انہوں نے ہی اس کے سر پر تاج رکھا تھا امیر حبیب اللہ خان نے سنگسار کروا دیا- اور باوجود اس عزت کے جو ان کو حاصل تھی ان کو پہلے چار ماہ تک قید رکھا اور زمانہ قید میں طرح طرح کے دکھ دیئے لیکن جب انہوں نے اپنے عقائد کو ترک نہ کیا تو ان پر سنگساری کا فتویٰ دیا اور حکم دیا کہ ان کی ناک چھید کر اس میں رسّی ڈالی جائے اور پھر اس رسّی سے گھسیٹ کر ان کو سنگسار کرنے کی جگہ تک لے جایا جائے- مسٹر مارٹن اپنی کتاب انڈر دی ایبسولیوٹ امیر میں ان کی شہادت کا واقعہ لکھتے ہوئے اس امر پر خاص طور سے زور دیتے ہیں کہ ان کے قتل کا اصل سبب احمدیہ جماعت کی وہ تعلیم ہے کہ دین کی خاطر جہاد جائز نہیں ہے- امیر ڈرتا تھا کہ اگر یہ تعلیم پھیلی تو ہمارے ہاتھ سے وہ ہتھیار نکل جائے گا جو ہم ہمیشہ ہمسایہ قوموں کے خلاف استعمال کیا کرتے ہیں-[۴۱]

ایک بے تعلق آدمی کی یہ شہادت ظاہر کرتی ہے کہ ہمارے آدمی محض مذہب کی خاطر نہیں مارے جاتے بلکہ وہ اس لئے بھی قتل کئے جاتے ہیں کہ کیوں وہ اس امر کی تعلیم دیتے ہیں کہ مذہبی اختلاف کی وجہ سے ہندوؤں' مسیحیوں اور دوسرے مذہب والوں کو مارنا یا ان کے خلاف لڑنا درست نہیں- پس وہ اپنی خاطر جان نہیں دیتے بلکہ تمام بنی نوع انسان کی خاطر جان دیتے ہیں-

قتل کو پولیٹیکل رنگ دینے کی کوشش

مجھے نہایت افسوس سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ افغان گورنمنٹ کے بعض سفیر اب یہ کوشش کر رہے ہیں کہ اس قتل کو پولیٹیکل رنگ دیں- مگر وہ ان واقعات کو کہاں چھپا سکتے ہیں کہ اس قتل سے پہلے وہ دو ہمارے آدمی محض مذہبی اختلاف کی وجہ سے قتل کر چکے ہیں اور مسٹر مارٹن ایک غیر جانبدار کی شہادت موجود ہے- پھر اس واقعہ کو وہ کہاں چھپا سکتے ہیں کہ کابل کے بازاروں میں اس

امر کا اعلان کیا گیا ہے کہ مولوی نعمت اللہ خان کو ارتداد کی وجہ سے سنگسار کیا جائے گا- اور آخر میں کابل کے نیم سرکاری اخبار حقیقت کو وہ کہاں لے جائیں گے جس نے مقدمہ کی پوری کارروائی چھاپ دی ہے اور تسلیم کیا ہے کہ شہید مرحوم کے سنگسار کئے جانے کا باعث اس کا مذہب تھا- اور پھر وہ اس تمام خط و کتابت کو کہاں چھپا دیں گے جو کابل گورنمنٹ اور برطانیہ کی سفارت میں پچھلے سال ہوتی رہی ہے جس میں کابل گورنمنٹ نے زور دیا ہے کہ ڈاکٹر فضل کریم کو لیگیشن (LEGATION) سے واپس کر دیا جائے کیونکہ وہ احمدی تھے یہ تمام واقعات بتا رہے ہیں کہ افغان گورنمنٹ مذہبی طور پر احمدیوں سے عداوت رکھتی ہے- یا ظاہر کرنا چاہتی ہے کہ اس کو عداوت ہے اور یہ کہ مولوی نعمت اللہ خان کے قتل کی وجہ صرف ان کی احمدیت تھی-

افغان گورنمنٹ ہمدردی کی محتاج ہے

شہادت کے حالات کے متعلق میں اور کچھ نہیں کہنا چاہتا مگر میں مضمون کو ختم کرنے سے پہلے یہ کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ باوجود اس کے لمبے عرصہ ظلم کے میں اپنے دل میں افغان گورنمنٹ اور اس کے حکام کے خلاف جذبات نفرت نہیں پاتا- اس کے فعل کو نہایت بُرا سمجھتا ہوں مگر میں اس سے ہمدردی رکھتا ہوں اور وہ میری ہمدردی کی محتاج ہے- اگر کوئی شخص یا اشخاص اخلاقی طور پر اس حد تک گر جائیں کہ ان کے دل میں رحم اور شفقت کے طبعی جذبات بھی باقی نہ رہیں تو وہ یقیناً ان لوگوں سے جو صرف جسمانی دکھوں میں مبتلاء ہیں ہماری ہمدردی کے زیادہ محتاج ہیں- میں نے آج تک کسی سے عداوت نہیں کی اور میں اپنے دل کو اس واقعہ کی بناء پر خراب کرنا نہیں چاہتا اور میں سمجھتا ہوں کہ میرے سچے متبع بھی اسی طریق کو اختیار کریں گے- میں کسی ایسی میٹنگ میں شامل نہیں ہوتا جو اظہارِ غیظ و غضب کی خاطر منعقد کی گئی ہو- میں جانتا ہوں کہ ظلم نہ ظلم سے مٹتے ہیں اور نہ عداوت سے- پس میں نہ ظلم کا مشورہ دوں گا اور نہ عداوت کے جذبات کو اپنے دل میں جگہ دوں گا-

میٹنگ میں شمولیت کی اغراض

میں صفائی سے کہتا ہوں کہ میری اغراض اس میٹنگ میں شمولیت سے یہ ہیں-

اول- اس امر کا اظہار کہ امیر کے اس فعل کو اسلام کی طرف منسوب نہیں کرنا چاہئے یہ فعل اسلام کے بالکل خلاف ہے- اسلام کامل مذہبی آزادی دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ حق اور باطل ظاہر امور ہیں- پس کسی پر زبردستی کرنے کی کوئی وجہ نہیں- ہر شخص کے لئے اس کا اپنا دین ہے-

حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں جو لوگ مرتد ہوئے ان کو کسی نے نہیں قتل کیا صرف اس وقت تک ان سے جنگ کی گئی جب تک انہوں نے حکومت سے بغاوت جاری رکھی۔ پس کسی شخص کو حق نہیں کہ وہ اس فعل کو اسلام کی طرف منسوب کرے۔ ایسے افعال مذہب کے لوگوں سے ہوتے رہتے ہیں۔

دوم۔ اس امر کا اظہار کہ ہم لوگ امیر کے اس فعل کو درست نہیں سمجھتے اور اس اظہار کی یہ غرض ہے کہ جب کسی شخص کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس کے فعل کو دنیا عام طور پر نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہے تو اس کی آئندہ اصلاح ہو جاتی ہے۔ پس بِلا جذبات عداوت کے اظہار کے جن کو میں اپنے دل میں نہیں پاتا میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ کابل گورنمنٹ کا یہ فعل اصول اخلاق و مذہب کے خلاف تھا اور ایسے افعال کو ہم لوگ ناپسندیدہ سمجھتے ہیں۔ مگر یہ افعال ہمیں اپنے کام سے پیچھے نہیں ہٹا سکتے۔ نہ پہلے شہیدوں کی موت سے ہم ڈرے ہیں اور نہ یہ واقعہ ہمارے قدم کو پیچھے ہٹا سکتا ہے۔ چنانچہ اس دل ہلا دینے والے واقعہ کی اطلاع ملتے ہی مجھے تار کے ذریعہ سے بائیس آدمیوں کی طرف سے درخواست ملی ہے کہ وہ افغانستان کی طرف مولوی نعمت اللہ خان کا کام جاری رکھنے کے لئے فوراً جانے کو تیار ہیں۔ اور ایک اور درخواست یہاں انگلستان میں چوہدری ظفر اللہ خان صاحب بار ایٹ لا ایڈیٹر انڈین کیسز نے اسی مضمون کی دی ہے۔ پس جو غرض ان قتلوں سے ہے وہ ہرگز پوری نہ ہوگی۔ ہم آٹھ لاکھ آدمیوں میں سے ہر ایک خواہ مرد ہو خواہ عورت خواہ بچہ اس راستہ پر چلنے کے لئے تیار ہے جس پر نعمت اللہ خان شہید نے سفر کیا۔

اب میں اس امید پر اس مضمون کو ختم کرتا ہوں کہ مذہبی آزادی کے دلدادہ اس موقع پر وہ کم سے کم خدمت کر کے جو آزادی کی راہ میں وہ کر سکتے ہیں اپنے فرض سے سبکدوش ہوں گے۔ یعنی اس فعل پر ناپسندیدگی کا اظہار کریں گے۔ قومیں الگ ہوں حکومتیں الگ ہوں مگر ہم سب انسان ہیں ہماری انسانیت کو کوئی نہیں مار سکتا۔ ہماری ضمیر کی آزادی کو کوئی نہیں چھین سکتا۔ پس کیا انسانیت اس وقت ظلم پر اپنی فوقیت کو بالا ثابت کر کے نہیں دکھائے گی؟

(الفضل ۲۵۔ اکتوبر ۱۹۲۴ء)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

لندن میں ہندوستانی طلباء سے گفتگو

(۲۰ ستمبر ۱۹۲۴ء شام چار بجے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی طرف سے مسلمان ہندوستانی طلباء کو چائے پر بلایا گیا-اس موقع پر طلباء سے جو سوال وجواب ہوئے وہ درج ذیل ہیں-)

غیر مسلم حکمرانوں کی فرمانبرداری

ایک طالب علم:- میں آپ سے یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ مسلمانوں کو غیر مسلم حکمران قوم کا کس حد تک لائل (LOYAL) ہونا چاہیئے-

حضرت اقدس:- میں اس سوال کا جواب دینے سے پہلے آپ سے اصولی طور پر ایک بات پوچھتا ہوں ممکن ہے اس سوال میں ہی اس کا جواب بھی آجائے-آپ یہ بتائیں کہ اگر مسلمان حکومت ہو تو مسلمانوں کو اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کس حد تک کرنی ضروری ہے-

طالب علم:- جب تک وہ مسلمان حکومت درست رہے' عدل وانصاف کے قوانین پر عمل کرے اور رعایا کے حقوق کی حفاظت کرتی رہے اس کا وفادار رہنا ضروری ہے-اگر وہ ان باتوں کو چھوڑ دے اور غلطیاں کرے تو نہیں-

حضرت اقدس:- بہت ٹھیک ہے جب تک وہ نیک رہے اس وقت تک اطاعت اور فرمانبرداری ضروری ہے-تو یہی اصول حکومت کی اطاعت کی حد کا ہو گیا-اس میں مسلم اور غیر مسلم کی کیا قید رہی-

طالب علم:۔ آخر وہ مسلمان ہیں۔
حضرت اقدس:۔ آپ نے جب یہ اصل قائم کیا کہ جب تک مسلمان حکمران نیک کام کریں ان کی اطاعت کرنی چاہیئے تو پھر اس اصل کو مخصوص تو نہیں کر سکتے کہ یہ صرف مسلمانوں کے متعلق ہے اور غیر مسلم کی حکومت اگر عدل وانصاف بھی کرے تو اس کی اطاعت نہ کی جائے۔ حکومت میں اپنے پرائے کا سوال نہیں ہوتا بلکہ حقوق اور رعایا کا سوال ہوتا ہے۔ دیکھو اس ملک میں انگریزوں ہی کی حکومت ہے۔ مگر کیا انگریز اس وجہ سے خوش ہو جائیں گے کہ ہمارے بھائی حکمران ہیں؟ نہیں بلکہ وہ اپنے حقوق مانگیں گے۔ آئرلینڈ کا قضیہ آپ کے سامنے ہے تو حکومت میں جو سوال معرض بحث میں آتا ہے وہ رعایا کے حقوق کا سوال ہوتا ہے۔
طالب علم:۔ انگریزوں کا غیر ہونا آپ نے بھی تسلیم کر لیا ہے کیونکہ آپ ان کو دعوتِ اسلام دیتے ہیں۔ جب ان کے سامنے اسلام پیش کیا جاتا ہے تو وہ غیر ہوئے۔
حضرت اقدس:۔ دعوتِ اسلام تو ہمارا فرض ہے ہم مسلمانوں کو بھی دعوت دیتے ہیں۔ میں تو کہتا ہوں کہ حکومت کے ساتھ اس بات کا کوئی تعلق نہیں۔ سوشل حقوق الگ ہوتے ہیں مذہبی الگ اور حکومت کے الگ اور ان میں جُدا جُدا احکام ہوتے ہیں۔ دیکھو انسان مختلف جوارح اور اعضاء کا مجموعہ ہے۔ ہاتھ پاؤں وغیرہ سب کے سب مجموعی طور پر ایک حیثیت رکھتے ہیں مگر ان کے کام الگ الگ ہیں۔ اسی طرح سوشل اور پولیٹیکل معاملات کا بھی ایک جدا جدا دائرہ ہے۔ اگر ہم ان کو ملا کر بحث کریں گے تو غلط راستہ پر جا پڑیں گے۔ ہر ایک دائرہ کے اندر رہ کر غور ہو سکتا ہے۔ گورنمنٹ اور رعایا کے متعلق جو احکام ہیں ان کو اسی نظر سے دیکھو' سوشل اصولوں پر اسے نہ پرکھو یا کسی اور نقطہ خیال سے اس پر بحث نہ کرو۔ آپ نے خود ایک اصل بتایا ہے کہ حکومت جب تک نیکی کے کام کرتی ہے' رعایا کی خبر گیری' انصاف اور عدل کے اصولوں پر ہوتی ہے اور ان کے حقوق محفوظ ہیں تو ایسی حکومت کی اطاعت اور اس سے وفاداری کرنی چاہیئے۔ پس جب تک حالات میں تغیر نہ ہو اس اصل کو کیوں چھوڑا جائے۔ مذہب میں سیاست ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر جگہ سیاست کو دخل دیا جائے۔ احکام اسلامی میں یہ بھی ایک اصل ہے کہ ان میں حالات کے بدلنے کے ساتھ استثناء ہو جاتا ہے۔ مثلاً وضو کرنے میں ہاتھ دھونا ضروری ہے لیکن جس شخص کے ہاتھ ہی نہ ہوں اس کے لئے ہاتھ دھونا ضروری نہیں۔ میں جہاں تک سمجھتا ہوں آپ کا یہ سوال اصل سوال نہیں بلکہ آپ کے دل میں جو سوال ہے وہ یہ ہے کہ فارن

(FOREIGN) حکومت کیوں حکومت کرتی ہے؟

(اس پر طالب علم مذکور نے کہا کہ ہاں اصل سوال یہی ہے) میں اس سوال کا بھی جواب اصولی طور پر دیتا ہوں آپ مانتے ہیں اور یہ واقعہ ہے کہ مسلمانوں نے بھی دوسروں پر حکومت کی ہے - حضرت ابو بکرصدیق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ ہوئے اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا اسوہ تھے اور ان کے بعد اسلامی حکومت کا دائرہ اور بھی وسیع ہوتا گیا- یہاں تک کہ ایران، مصر، شام اور دُور تک اسلامی حکومت پہنچ گئی- اب اگر کسی قوم کو کسی دوسری قوم پر حکومت کرنے کا حق نہیں تو سوال ہوتا ہے کہ پھر مسلمانوں کو دوسروں پر حکومت کرنے کا کیا حق تھا؟ اور دوسری قوموں پر اسلامی حکومت کی بنیاد خود آنحضرت ﷺ کے وقت میں پڑی ہے- اس لئے ہم یہ کہنے کے مجاز نہیں کہ یہ طریق غلط تھا- اب فرض کرو کہ اسلامی حکومت کے زمانہ میں عراق و شام کہتے کہ ہم تمہارے علاقہ میں نہیں رہتے اور فرض کرو کہ خالد اور ابو عبیدہ کی جگہ مَیں اور آپ ہوتے اور ہم سے یہ سوال کیا جاتا کہ ہم آپ کے ماتحت نہیں رہنا چاہتے آپ اپنے ملک کو چلے جائیں تو ہمارا کیا جواب ہوتا-

(اس موقع پر طالب علم مذکور سوچ میں پڑ گیا لیکن خلیفہ عبدالحکیم صاحب جو خلیفہ رجب الدین صاحب لاہوری کے بھتیجے اور خواجہ کمال الدین صاحب کے رشتہ دار تھے بول اُٹھے) ان کو سیکنڈری پوزیشن دو جیسے انگریز ہندوستان میں ہیں وہ غلامی پیدا کرتا ہے - مفتوح سے زیادہ ذلیل پوزیشن کسی کی نہیں ہوتی- اس کے تمام امور میں غلامی پیدا ہو جاتی ہے- جیسے اوڈوائر نے پیروں کو جمع کر لیا اور وہ سب کے سب اس کے دروازے پر پہنچے - اور جس قسم کا ایڈریس اس نے چاہا دے دیا (یہ فقرے کچھ ایسے طور پر خلیفہ عبدالحکیم صاحب نے ادا کئے جن سے طنز کا رنگ نمایاں تھا) حضرت نے ہنستے ہوئے فرمایا:-

ہم تو اس موقع پر نہ تھے- آپ کہتے ہیں ایسا ہوا شاید آپ ہوں گے' آپ کے کہنے سے مان لیتے ہیں- پروفیسر صاحب پر اس کا ایسا اثر ہوا کہ جھٹ بول اٹھے - نہیں نہیں میری مراد آپ سے نہیں تھی اور آپ ان میں شریک نہ تھے-

حضرت:- یہاں تو اصول کا سوال ہے اور اصولاً اس کو حل کرنا چاہئے- میں پوچھتا ہوں کہ کسی وجہ سے کسی قوم نے حملہ کرکے دوسری قوم کو فتح کر لیا تو کیا آپ کے نزدیک ایسے اسباب ہو سکتے ہیں کہ جس کو فتح کیا ہے اس کو ہمیشہ مفتوح رکھے-

پروفیسر عبد الحکیم:۔ ایک قوم ہے جو ہمیشہ تنگ کرتی ہے گھروں پر آکر حملہ کرتی ہے تو پھر ہماری قوم کا حق ہے کہ سیلف ڈیفینس (SELF DEFENCE) حفاظت خود اختیاری کے طور پر اس کو مفتوح رکھیں۔ میں ان جنگوں کو جو اسباب صداقت پر مبنی ہوں جائز سمجھتا ہوں امپیریل اِزم کو جائز نہیں سمجھتا۔

حضرت:۔ کیا ایسی صورت میں یہی جائز ہے کہ ان پر قبضہ رکھا جاوے یا اسی قدر کافی ہے کہ شکست دے دی جاوے۔

عبد الحکیم:۔ جیسی صورت ہو اس کے موافق عمل کیا جاتا ہے۔ جیسے جرمنی کے متعلق کیا گیا ہے۔ کابل کو فتح کرنا آسان ہے مگر کابل پر حکومت مشکل ہے یہ ایک ضرب المثل ہے۔

حضرت:۔ خیر کابل کی حکومت کی مشکلات تو پہاڑی علاقہ کی وجہ سے ہیں یہ بحث نہیں۔ آپ کے اس جواب سے یہ تو ثابت ہو گیا کہ بعض اسباب اور وجوہ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے مفتوح قوم کو دبائے رکھنا جائز ہے۔

عبد الحکیم:۔ ہاں بشرطیکہ ان کو تباہ نہ کیا جائے۔

حضرت:۔ کہاں تک دبایا جائے؟ اس کی حد بندی کون کرے گا اور کون جج ہو گا۔

عبد الحکیم:۔ زبردست اپنا فیصلہ آپ کرتا ہے' اپنا جج آپ ہوتا ہے' اس کا سَو سات بیس کا ہوتا ہے۔

حضرت:۔ اگر یہ اصول درست ہے تو آپ کے پوائنٹ آف ویو (POINT OF VIEW) سے یہ سوال حل ہو گیا۔ انگریزوں نے اپنا فیصلہ آپ ہی کر لیا۔

عبد الحکیم:۔ نہیں یہاں تو مورلیٹی (MORALITY) کے پوائنٹ آف ویو سے دیکھا جاوے گا۔ (اخلاقی نقطہ نگاہ سے)

حضرت:۔ مورلیٹی کے پوائنٹ آف ویو میں بھی تو اختلاف ہے تو جب اخلاقی نقطہ نگاہ مختلف ہوئے تو پھر کس پہلو پر فیصلہ ہو گا۔

عبد الحکیم:۔ میں تو یونہی درمیان میں آگیا۔

(یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گئے۔ اور حضرت کا سلسلہ کلام پھر سے طالب علم سے شروع ہوا)

حضرت:۔ بہتر' پھر وہی سوال آگیا کہ اگر حضرت ابوبکرؓ کا زمانہ ہو اور غیر مسلم علاقے بغاوت کریں۔ اور کہیں کہ ہم آپ کے ماتحت نہیں رہنا چاہتے آپ کو کوئی حق نہیں تو پھر آپ

کیا ایڈوائز (ADVISE) کریں گے کیا مشورہ دیں گے۔
پہلا طالب علم:۔ جب وہ لوگ چاہیں گے کہ ہم یہ حکومت نہیں چاہتے تو انکو چاہیئے کہ آزاد کردیں اور ان پر سے اپنی حکومت اٹھالیں۔
حضرت:۔ تو اب یہ اصل قائم ہوا کہ جب کوئی قوم اپنی غیر قوم حکمران کو کہے کہ ہمارا علاقہ خالی کردو تو خالی کردینا چاہیئے۔ اب ہم واقعات سے دیکھتے ہیں کہ ہمارے آباء واجداد کا کیا عمل ہے؟ انہوں نے تو کسی علاقہ کو نہیں چھوڑا۔ اس اصل کو قائم کرکے اب آگے چلایئے۔
(اس موقع پر طالب علم مذکور نے تو کوئی جواب نہ دیا۔ اور پھر پروفیسر عبدالحکیم صاحب نے دخل دیا)
عبدالحکیم:۔ جنرل تھیوری یہ ہے کہ کسی قوم کا حق نہیں کہ دوسری قوم پر اپنی اغراض کے لئے حکومت کرے خواہ وہ قوم کوئی ہی ہو' ہاں اس کی اصلاح کے لئے حکومت کرے۔
حضرت:۔ اُس قوم کے ارادہ اور مرضی کے موافق یا اس کے خلاف۔
عبدالحکیم:۔ اس کا فیصلہ مشکل ہے حکومت کے افعال کو دیکھ کر کہہ سکتے ہیں کہ یہ فعل جائز ہے یا ناجائز۔
حضرت:۔ جب فیصلہ مشکل ہے تو جائز ناجائز کا فیصلہ کون کرے گا۔ جس حکومت کو کہا جاوے کہ ناجائز ہے اس کا ہر فعل ناجائز ہوگا۔

کیا ہندوستانی حکومت کے قابل ہیں۔

عبدالحکیم:۔ اصل بات یہ ہے کہ کیا آپ ہندوستانیوں کو حکومت کے قابل سمجھتے ہیں؟
حضرت:۔ مجھ سے جو سوال ہوا ہے میں نے اس کا جواب بارہا دیا ہے۔ کل کے خطبہ جمعہ میں بھی اس سوال کا جواب آگیا ہے۔ میں نے ہمیشہ کہا ہے اور انگریزوں کو کہا ہے کہ یہ خیال غلط ہے کہ ہندوستانی حکومت کے قابل نہیں۔ میں نے اس سوال پر غور کیا ہے اور میں اس کے دلائل رکھتا ہوں کہ ہندوستانی ہندوستانیوں پر حکومت کرسکتے ہیں۔ ہاں اگر یہ سوال ہو کہ ہندوستانی فرانس یا انگلستان پر حکومت کرسکتے ہیں؟ تو ہم کہیں گے ہرگز نہیں۔ لیکن یہ سوال ہی غلط ہے کہ ہندوستانی ہندوستان پر حکومت کرسکتے ہیں یا نہیں۔ ہر ایک ملک کے باشندے اپنے ملک پر حکومت کرسکتے ہیں۔ کیا افغان افغانستان پر حکومت نہیں کرتے؟ کیا وہ ہندوستانیوں سے زیادہ تعلیم یافتہ ہیں؟
آپ نے خوشامد پر بہت زور دیا ہے (خلیفہ عبدالحکیم نے اپنی تقریر میں یہ بھی کہہ دیا تھا کہ گورنمنٹ کی خوشامد کی جاتی ہے۔ اس کی طرف اشارہ ہے۔ عرفانی) کسی وجہ سے آپ کا یہ خیال

ہو گا۔ہم تو کسی کی خوشامد نہیں کرتے خواہ وہ کوئی ہو۔ہم نے گورنمنٹ کو ہمیشہ اس کی غلطیوں سے آگاہ کیا ہے اور صاف صاف کُھلے الفاظ میں اس کو بتایا ہے۔ہمارے ایڈریس اس پر شہادت دے رہے ہیں اور تمام افسروں کو معلوم ہے کہ ہم نے ہمیشہ ان کی غلطیاں ظاہر کی ہیں۔خوشامد وہ شخص کرے جس کو گورنمنٹ سے کچھ لینا ہو۔ہم تو ان کو سلام کرنے کے لئے بھی نہیں جاتے۔اور کوئی شخص یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ ہم نے کبھی کسی قسم کی خواہش ان سے کی ہو۔میں اگر کبھی کسی سے ملا ہوں تو میری غرض بعض ان غلط فہمیوں کو دور کرنا ہوئی ہے جو ملکی مفاد اور ملکی امن کے خلاف ہوتی ہیں نہ کوئی ذاتی غرض۔آپ لاہور کے رہنے والے ہیں اور آپ کے خاندان کے لوگ اس بات کو اچھی طرح جان سکتے ہیں۔کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ ہم نے کوئی فائدہ اٹھایا ہے یا اس کی خواہش کی ہے۔

عبدالحکیم:۔ کیا آپ کا وفد لارڈ ریڈنگ کے پاس گیا تھا۔

حضرت:۔ ہاں۔

عبدالحکیم:۔ کیا غرض تھی۔

حضرت:۔ اس کے لئے ہمارا ایڈریس واضح ہے۔ہم نے اس کو بتایا تھا کہ ہم کوآپریٹ(CO-OPERATE) کر سکتے ہیں اور ان کو غلطیوں سے بھی آگاہ کرنا تھا جو حکومت کی طرف سے ہوتی ہیں۔

عبدالحکیم:۔ مطلب یہ ہے کہ آپ ریڈنگ کے پاس گئے اور اس کو رعایا پَرْوَر اور حُریت پَرْوَر کہتے ہیں۔

حضرت:۔ آپ نے یہ کہاں سے نکالا ہے کہ ہم حُریت پَرْوَر کہتے ہیں یا اس قسم کے اور الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ہمارا ایڈریس موجود ہے۔بغیر دیکھے اور معلوم کرنے کے ایک بات کہنا جس کی اصلیت نہ ہو پسندیدہ بات نہیں ہوتی۔

عبدالحکیم:۔ آپ نے پبلک کی شکایتوں کا بھی ذکر کیا ہے؟

حضرت:۔ میں تو ابھی کہہ چکا ہوں کہ ہمیشہ ہم نے حکومت کی غلطیاں ظاہر کی ہیں اور اسی ایڈریس میں موجود ہیں۔

عبدالحکیم:۔ میں نے پڑھا نہیں۔

حضرت:۔ پھر بغیر پڑھنے کے اس قسم کے اعتراض درست نہیں ہیں۔ہم کسی انسان کی خوشامد

کرسکتے اور حقیقت کے اظہار سے کوئی چیز ہم کو روک نہیں سکتی۔ابھی ڈائر کے مقدمہ میں شہادت کا سوال تھا۔ہم نے صاف کہہ دیا تھا کہ ہم ڈائر کی غلطیوں کا بھی اظہار کریں گے۔غرض ہم نے کسی موقع پر اظہارِ حقیقت سے پرہیز نہیں کیا ہے۔

عبدالحکیم:۔ میں ایک دفعہ شملہ پر تھا وہاں ایک احمدی نے کہا تھا کہ گورنمنٹ کی وجہ سے ہم مسلمانوں کی پناہ میں ہیں۔

حضرت:۔ اگر واقعات ایسے ہوں تو پھر اعتراض کیا ہے۔کیا آپ اس کو جائز سمجھتے ہیں کہ کسی احمدی کی لڑکی کو پکڑ کر کنجروں کو دے دیا جاوے کہ اس کو گانا سکھاؤ۔اور اس سے بڑھ کر کوئی ظلم اور بے حیائی ہو سکتی ہے کہ ایک عورت کی لاش کو قبر سے نکال کر کتوں کے سامنے پھینک دیا اور بعض اخباروں نے اس فعل کی تحسین کی اور کسی مسلمان سے نہ ہو سکا کہ ان پر اظہار افسوس کرتا۔اختلاف کے سوال کو چھوڑ کر یہ کیسی بے رحمی اور بداخلاقی ہے۔اسی رمضان میں ایک شخص کو پانی تک لینے نہ دیا اور سخت دکھ دیئے اور پکڑ کر بند کر دیا کہ وہ اپنی شکایت بھی نہ کر سکے۔

قصور میں ہماری جماعت کو جس طرح پر دُکھ دیا گیا وہ ایک تازہ مثال ہے۔آئے دن مختلف مقامات پر مسلمان محض اختلاف کی وجہ سے ہماری جماعت کو تکلیف دیتے ہیں پھر ان حالات میں اگر اس نے یہ کہا تو کیا غلط ہے؟

عبدالحکیم:۔ حالات اس قسم کے ہیں تو آپ اور آپ کی جماعت کا یہ فرض ہے کہ اپنی حفاظت اس طریق پر کریں۔مسئلہ خلافت کی وجہ سے بھی مخالفت ہوئی ہے۔

سلطنت ترکی سے ہمدردی

حضرت:۔ خلافت کے سوال کے متعلق سن لو۔جب لکھنؤ میں خلافت کانفرنس کا پہلا جلسہ ہوا ہے تو مولوی عبدالباری صاحب نے مجھے دعوت دی اور بلایا۔میں نے دیکھا کہ میرے جانے سے کوئی فائدہ نہیں۔یہ لوگ کسی کی صحیح بات کو مان نہیں سکتے۔تاہم میں نے ایک رسالہ لکھا اور ایک وفد بھیجا۔رسالہ میں مَیں نے بتایا کہ خلافت ترکی کا سوال پیش نہ کیا جاوے کیونکہ مسلمانوں کے بعض فرقے اس کو نہیں مانتے۔سلطان ترکی کے سوال کو رکھا جاوے جس کے ساتھ ہر مسلمان کو ہمدردی ہے۔اور میں نے یہ بھی لکھا کہ ترکوں اور اسلام کے متعلق جو غلط فہمیاں یورپ اور امریکہ میں پھیلائی گئی ہیں ان کو دور کیا جاوے۔میں نے خود اس کام کے لئے اپنی طرف سے مبلّغ دینے کا وعدہ کیا جو ان غلط فہمیوں کو دُور کریں۔اس وقت اس کی طرف کسی نے خیال نہ کیا لیکن بعد میں جب شیعہ اور

اہلحدیث اور دوسرے لوگوں نے جو خلافت کے قائل نہیں مخالفت کی تو اب ان کے بعض لیڈر تسلیم کرتے ہیں کہ جو طریق میں نے بتایا تھا وہی صحیح تھا۔ اور اب جس حالت میں یہ مسئلہ آگیا ہے وہ آپ کو معلوم ہے۔ میں نے ہر موقع پر اپنی طاقت کے موافق مدد دینی چاہی ہے لیکن یہ ہم سے نہیں ہو سکتا تھا کہ ہم مذہب کو قربان کر دیں۔ مذہب کے لئے ہم ہر ایک قربانی کر سکتے ہیں مگر اس صداقت کو ہم نہیں چھوڑ سکتے جو خدا کی طرف سے آئی ہے۔

(حضرت کی اس تقریر کا بہت اثر ہوا۔ اور پروفیسر عبدالحکیم صاحب کہنے لگے کہ یہ بالکل درست ہے۔ میں جب قسطنطنیہ میں تھا اور سید امیر علی اور سر آغاخان صاحب کی طرف سے خلافت کی تائید میں خیالات کا اظہار ہوا تو لوگ کہتے تھے کہ یہ خود تو خلافت کے قائل نہیں۔)

پہلا طالب علم:۔ میری سمجھ میں تو آپ کی پوزیشن آگئی ہے اور جو اعتراضات آپ پر ملک کی آزادی کے متعلق ہوتے ہیں وہ درست نہیں یہ بات بالکل صاف ہو گئی ہے۔

مسلمانوں کو کافر کہنا

ایک طالب علم:۔ کہتے ہیں کہ آپ مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں؟

حضرت:۔ آپ عیسائیوں کو کافر کہتے ہیں تو کیا ان کا حق ہے کہ آپ کو مار دیں؟

طالب علم:۔ لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اسلام کا خلاصہ ہے۔ پھر جب کوئی شخص کلمہ پڑھتا ہے تو احمدی اس کو کافر کیوں کہتے ہیں؟

حضرت:۔ ایک بات میں آپ سے پوچھتا ہوں۔ اگر کوئی شخص یہی کلمہ پڑھتا ہو مگر یہ کہے کہ میں موسیٰ علیہ السلام کو نبی نہیں مانتا وہ نَعُوْذُبِاللّٰهِ مفتری تھے تو آپ اسے کیا کہیں گے؟

طالب علم:۔ کافر ہی ہو گا۔

(اس موقع پر پھر پروفیسر عبدالحکیم صاحب نے سلسلہ کلام شروع کیا اور کہا۔)

عبدالحکیم:۔ اس میں ایک مغالطہ ہے۔ آنحضرت ﷺ شریعت کو کامل کر گئے اور اب کوئی چیز دین کے لئے باقی نہیں۔ اس لئے میں اس بات کے لئے مجبور نہیں ہوں کہ کسی دوسرے کو نبی یا نیک سمجھوں۔ اگر کوئی شخص آنحضرت ﷺ کو مانتا ہو اور موسیٰؑ کا غلام نہ ہو تو میرے خیال میں وہ مسلمان ہو گا۔

حضرت:۔ آپ کے خیال کو میں نہیں پوچھتا۔ دوسرے مسلمان اس کو مسلمان نہیں مانتے اور نہیں مانیں گے جو حضرت موسیٰؑ کا انکار کرے۔

طالب علم:۔ یہ بالکل درست ہے۔
عبدالحکیم:۔ سارے قرآن میں یہ ذکر نہیں کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی رسول آئے گا۔
حضرت:۔ یہ بحث تو الگ رہی کہ ذکر ہے یا نہیں۔ لیکن فرض کرو کہ ایک شخص کا خیال ہے کہ رسول آئے گا تو اس کو کیا کہو گے۔
عبدالحکیم:۔ کیا وہ شریعت کو مکمل سمجھتا ہے؟
حضرت:۔ ہاں وہ مکمل سمجھتا ہے۔ اور باوجود اس کے وہ مانتا ہے کہ ایک رسول آیا ہے۔ یہ خیال غلط ہے یا صحیح مگر وہ مانتا ہے تو اس رسول کا جو انکار کرے اس کو وہ کیا کہے گا اور اس کا کیا حق ہے۔
عبدالحکیم:۔ ہاں اس کا حق ہے کہ وہ نہ ماننے والے کو کافر کہے۔
حضرت:۔ تو پھر معلوم ہوا کہ یہ سوال نہیں کہ کافر کیوں کہتے ہو بلکہ سوال یہ ہو گا کہ کہاں لکھا ہے کہ رسول آئے گا۔ (اس پر حضرت اقدس نے سورہ اعراف کا تیسرا رکوع نکال کر پڑھا اور سوال کیا کہ اس میں یابنی آدم کا جو خطاب ہے' یہ کس زمانہ کے لوگوں کیلئے ہے۔)
پروفیسر عبدالحکیم:۔ وہ جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں موجود تھے یا آئندہ آئیں گے۔
حضرت:۔ بہت اچھا اب آگے چلئے چوتھے رکوع میں فرماتا ہے۔ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ۔ اس میں کون لوگ مراد ہیں؟
پروفیسر عبدالحکیم:۔ وہی جو موجود تھے یا جو آئندہ ہوں گے۔
حضرت:۔ پھر یہ آیت کیا ثابت کرتی ہے؟
پروفیسر عبدالحکیم:۔ اس آیت سے یہ بات ثابت ہے کہ انبیاء آئیں گے۔ میں نے جب اس کو پڑھا تھا تو یہی سمجھا تھا کہ رسول آئیں گے۔
حضرت:۔ پھر قرآن مجید سے یہ تو ثابت ہے کہ رسول آئیں گے پھر جو شخص کسی رسول کو مانتا ہے کہ آگیا' کیا اس کو یہ حق نہیں کہ اس کے نہ ماننے والوں کو کافر کہے؟
پروفیسر عبدالحکیم:۔ ہاں اس کا حق ہے۔
وہی طالب علم:۔ مگر میں نے مولوی محمد علی صاحب کے ترجمہ قرآن مجید میں یہ معنی نہیں پڑھے۔
حضرت:۔ اس کا مجھ سے کیا تعلق میں تو آپ ترجمہ کرتا ہوں اور ترجمہ صاف ہے۔ میں مولوی محمد علی صاحب کی اتباع نہیں کرتا۔ اور میں تعلّی سے نہیں کہتا بلکہ تحدیث نعمت کے طور پر کہتا ہوں

کہ ان سے زیادہ عربی جانتا ہوں۔
پروفیسر عبدالحکیم:۔ (طالب علم کو مخاطب کرکے) اس آیت سے یہی ثابت ہے اور اس میں بحث فضول ہے۔
پہلا طالب علم:۔ کیا پہلوں میں سے بھی کسی نے یہ معنی کئے ہیں اور کسی کا ایسا عقیدہ ہے؟
حضرت:۔ یہ سوال معقول ہے۔یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم دکھائیں چنانچہ مولانا روم' ابن عربی' دیوبند مدرسہ کے بانی مولانا محمد قاسم اجرائے نبوت کے قائل ہیں۔
طالب علم:۔ مرزا صاحب پر کونسی کتاب نازل ہوئی؟
حضرت:۔ ہر رسول کے لئے کتاب شرط نہیں۔ شریعت کامل اور ختم ہو چکی ہے۔پہلے ایسے رسول بنی اسرائیل میں آتے رہے ہیں جن پر کوئی کتاب نازل نہیں ہوئی۔
پروفیسر عبدالحکیم:۔ مگر حضرت مرزا صاحب تو اپنی رسالت کا انکار کرتے ہیں۔

من نیستم رسول ونیاوردہ ام کتاب

حضرت:۔ یہ تو آپؑ کی رسالت کو ثابت کرتا ہے کہ میں ایسا رسول نہیں جو کتاب لایا ہو۔
عبدالحکیم:۔ نہیں وہ تو کہتے ہیں کہ رسول بھی نہیں اور کتاب بھی نہیں لایا۔
حضرت:۔ آپ کو واؤ عطف سے غلطی لگتی ہے۔واؤ مخاطب کے لئے دلیل کے طور پر بھی آتا ہے اور اس کا دوسرا مصرع پڑھو۔

ہاں ملہم استم وز خداوند منذرم

اور نذیر قرآن مجید میں رسول کے لئے آیا ہے۔
عبدالحکیم:۔ قرآن مجید کسی نبی کو کسی پر فضیلت نہیں دیتا۔
حضرت:۔ قرآن مجید میں تو لکھا ہے تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ۔[۳۴]
عبدالحکیم:۔ قرآن مجید میں آنحضرت ﷺ نے کہا ہے کہ مجھے کسی پر فضیلت نہیں۔
حضرت:۔ قرآن مجید آپ کے سامنے ہے نکال کر دکھاویں اور قرآن مجید آنحضرتؐ کا کلام نہیں یہ خدا کا کلام ہے۔
دوسرا طالب علم:۔ آپ مسلمان کو پھر کافر تو کہتے ہیں؟
حضرت:۔ لوگ کافر کے معنے یہ کرتے ہیں کہ وہ جہنم میں چلا جائے گا' ہم یہ نہیں کہتے یہ ہمارے اختیار کی بات نہیں اس میں جہنم کا سوال نہیں۔یہ خدا کا کام ہے۔یہ ایک ریلیجس ٹرم ہے۔وہ انکار

کرتا ہے اس لئے کافر کہلاتا ہے (حضرت صاحب نے حقیقۃ الوحی سے اس کے متعلق حوالہ جات دکھائے)۔

طالب علم:۔ کافر کی تشریح ہو گئی ہے یہ درست ہے۔

سیاسی مسائل پر گفتگو

ایک طالب علم:۔ ہم کس طرح اپنے حقوق حاصل کریں۔

حضرت:۔ ہمارا طریق یہ ہے کہ ہم قانون کے ماتحت اپنے حقوق لیتے ہیں۔اگر نہ لے سکیں اور مذہبی مداخلت ہو تو پھر اس ملک کو چھوڑ دینا چاہیئے۔یہ آسان طریق ہے۔ملک میں رہ کر قانون شکنی کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے۔اور جب تک لاء (LAW) ہے اس کا احترام کرنا چاہیئے۔یہ نہ کہ اگر ایک دفعہ قانون شکنی کی عادت ڈال دو گے تو پھر قانون کا احترام اور اطاعت اُٹھ جائے گی۔جب وہ قانون درست نہ ہو تو امن سے اس کے تبدیل کرانے کی کوشش کرو۔اگر کامیابی نہ ہو تو اس سے باہر چلے جاؤ۔

طالب علم:۔ ہاں یہی درست طریق ہے

حضرت:۔ ہمارے خلاف دو قسم کا پرسیکیوشن (PERSECUTION) ہے۔اول مسلمان ہمارے مخالف ہیں۔دوم ہندو مسلمان کی مخالفت کی وجہ سے بحیثیت مسلمان ہماری مخالفت کرتے ہیں۔اب آپ ہی بتائیں کہ ہم کیا طریق اختیار کریں۔میں نے ہر موقع پر مسلمانوں کو صحیح مشورہ دیا ہے۔اور مسلمانوں کے مفاد میں ان سے کوآپریٹ (CO-OPERATE) کیا ہے مگر وہ خود فائدہ نہ اٹھائیں تو اس میں میرا کیا قصور ہے۔ابھی مسلم لیگ کے موقع پر جب انہوں نے مجھے دعوت دی تو میں نے اپنے خیالات کا اظہار تحریری طور پر کر دیا۔

طالب علم:۔ ہجرت کی جو تحریک ہوئی تھی اس کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں؟

حضرت:۔ میں نے ہجرت کے موقع پر گورنمنٹ کو لکھا تھا کہ وہ اس میں کسی قسم کی مداخلت نہ کرے۔اگر وہ روکے گی تو پھر وہ ملک میں رہ کر بھی جنگ کر سکتے ہیں۔مگر جو لوگ ہجرت کر کے گئے نہ تو وہ کسی اصول اور قانون کو مدنظر رکھ کر گئے اور نہ کسی کی سیادت میں گئے۔ایک بے اصول جوش کے ماتحت یہ کام کیا گیا جس کا نقصان بہت زیادہ ہوا۔سرحد والے اپنی جائدادیں نہایت ہی نقصان کے ساتھ بیچ کر چلے گئے اور آگے کوئی خبر گیراں نہ ہوا۔جس کا نتیجہ بے چینی ہوا اور تکالیف میں مبتلا ہو کر ناکام واپس ہوئے۔اور اس تحریک کی ناکامی نے اس کو بے اثر کر دیا۔اگر یہ تحریک صحیح اصول پر آرگنائزڈ (ORGANIZED) ہوتی تو یقیناً مؤثر ہوتی۔

عبدالحکیم:۔ قوم کی قوم تو ہجرت نہیں کرسکتی- کانسٹیٹیوشنل (CONSTITUTIONAL) طریق پر آپ سے متفق ہوں-

حضرت:۔ میں اس حد تک موافق ہوں جو لاء کے خلاف نہ ہو ورنہ انارکی پیدا ہوگی-اور اس سے سخت نقصان ہوگا جس وقت تک یہ احساس رہے کہ لاء(LAW) کی تعمیل کرنا ہے اس وقت تک امن قائم ہے-اورامن کے ساتھ ہم ایسے قوانین کو جو نقصان رساں ہوں تبدیل کراسکتے ہیں-

عبدالحکیم:۔ اگر قانون ایمان کے خلاف ہو-

حضرت:۔ اگر ایسی حالت پیدا ہوجائے تو ہمارا یہی ایمان ہے کہ ملک سے باہر چلے جانا چاہیئے-اگر اس کو تبدیل نہیں کراسکتے پھر نکل جانے میں اس بات کی پرواہ نہیں کرنی چاہیئے کہ کھانے کو ملے گا یا نہیں-

میں تو جماعت میں اسلام کے لئے ایک غیرت کی عملی سپرٹ(SPIRIT) پیدا کرتا ہوں-میری بیوی کا بھائی آیا' میں اس کے لئے شوق سے منتظر تھا-دروازہ کھول کر اسے دیکھا کہ اس نے ٹوپی پہنی ہوئی ہے-مجھے اس سے رنج ہوا کہ اس نے کیوں پہنی-تین دن تک میں اس سے نہیں ملا-جب تک کہ اس نے مجھے لکھ کر نہیں دے دیا کہ میں اسلام کے قومی کیریکٹر کا پابند رہوں گا-میں نے فیشن کی تقلید کرنے والوں کی اپنے کل کے خطبہ جمعہ میں مثال دی ہے کہ وہ اس فیشن کے ایسے غلام ہیں جیسے ایک کُتّا میم کے پیچھے پیچھے دوڑتا ہے-

میں اپنی جماعت میں جو روح پیدا کررہا ہوں تم اسے سمجھو تو تمہارے یہ خیالات نہ رہیں-میری جماعت میں کوئی شخص اپنے مقدمات عدالت میں نہیں لے جاتا بلکہ شریعت کے فیصلہ کے موافق قاضیوں سے طے کراتا ہے-

(اس پر ایک شخص نے طنزاً کہا کہ چماروں میں بھی ایسا ہی ہے-حضرت نے یہ سن کر فرمایا کہ) یہ اس لئے ہے کہ تم ان سے عبرت سیکھو جن کو تم چمار کہتے ہو وہ اس معاملہ میں تم سے بہتر ہیں-(سب نے متفق ہو کر کہا کہ یہ بالکل درست ہے)

ایک طالب علم:۔ میں نے سنا ہے کہ انڈیا آفس والے آپ کو بُلا کر پوچھتے ہیں کہ ہندوستان پر کیسے حکومت کریں-

حضرت:۔ یہ غلط ہے کہ مجھ سے یہ پوچھا گیا-

تعدّد ازدواج

طالب علم:۔ ایک سوال کرتا ہوں قرآن شریف نے کہاں تک اجازت دی ہے۔کہ ایک سے زیادہ شادیاں کریں۔

حضرت:۔ قرآن شریف نے چار تک حکم دیا ہے اگر عدل نہ کرسکے تو پھر ایک ہی کرے۔ہر ایک بیوی کو برابر باری دے اور برابر مال دے۔میں نے اپنی جماعت کے لئے حکم دے دیا ہے کہ اگر کوئی شخص ایک سے زیادہ شادی کر کے عدل نہیں کرے گا تو میں اس کو سزا دوں گا جو قومی بائیکاٹ ہوگا۔

سوال:۔ محبت برابر نہیں ہو سکتی۔

حضرت:۔ کیا ایک شخص اپنے متعدد بچوں سے محبت کرتا ہے یا نہیں۔یہ خیال صحیح نہیں۔اپنے عمل سے انسان مساوات رکھ سکتا ہے۔اور میں اپنے تجربہ سے کہتا ہوں کہ یہ عیش نہیں بلکہ ایک بہت بڑی قربانی ہے جبکہ وہ دوسری بیوی سے بھی ویسی ہی محبت کرے گا۔

سوال:۔ کیا یہ جائز ہے کہ عورت کا ولی یا اگر عورت بالغ ہو تو خود شادی کے وقت یہ شرط کرے کہ اس کا شوہر دوسری شادی نہ کرے گا۔

حضرت:۔ ہمارے نزدیک یہ جائز ہے۔

سوال:۔ لونڈیوں کی تو کوئی حد نہیں۔

حضرت:۔ ہم اس کو جائز نہیں سمجھتے۔

عبدالحکیم:۔ اب تک مکہ میں اس کا رواج ہے کہ لونڈیاں فروخت ہوتی ہیں۔

حضرت:۔ اگر ہمارا اختیار ہو تو سب سے پہلے اس کو منسوخ کریں۔اگر وہ لونڈی کہہ دے کہ وہ جنگی قیدی نہیں ہے تو اسے حق ہے کہ اپنے حق کی بناء پر آزاد ہو جائے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں ایک قوم کو آزاد کر دیا گیا تھا۔

عبدالحکیم:۔ غلام کی کمائی کس کی ہوگی؟

حضرت:۔ جس دن وہ آزاد ہو جاوے اس کی کمائی الگ ہو جائے گی۔قرآن مجید سے تو ثابت ہوتا ہے کہ جب وہ آزاد ہونا چاہے فوراً اسے آزاد کرنا چاہیئے۔اور اگر اس کے پاس روپیہ نہ ہو تو گورنمنٹ روپیہ دیکر آزاد کرائے۔

عبدالحکیم:۔ تعدّد ازدواج کے متعلق میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ ایک عورت نے جب شادی کی تو اس کے شوہر کی ایک سو روپیہ آمدنی تھی۔اب اگر وہ چار کرے تو اس کے حصہ میں پچیّس

روپے آئیں گے۔کیا یہ اس پر ظلم ہو گا یا نہیں؟

حضرت:۔ عورت اگر سمجھتی ہے کہ ظلم ہے تو اس کو اسلام نے خلع کرا لینے کا حق دیا ہے۔علاوہ ازیں کیا اس کے ساتھ مرد کی ضروریات میں بھی کمی ہو گی یا نہیں؟اور پھر اگر ایک عورت کے ہی چار بچے ہو جائیں تو وہ رقم تقسیم ہو جائیگی یا نہیں؟

عبدالحکیم:۔ معمولی آمدنی کا آدمی جب دوسری شادی کرتا ہے تو بچوں کے اخراجات میں بھی کمی ہو جاتی ہے اور ان بچوں پر ظلم ہوتا ہے اور اس خاندان کا کلچر کمزور ہو جاتا ہے۔

حضرت:۔ اس کا جواب دو طرح ہے۔اول تو اگر بچے زیادہ ہو جائیں تو آپ کے اصول کے موافق اس کثرت سے ہی کلچر کمزور ہو گا اور پہلے بچے پر ظلم ہو گا۔اس لئے اولاد پر کنٹرول ہونا چاہیئے اور یہ طریق غلط ہے۔

دوسرے اسلام نے تعلیم کا بار حکومت پر رکھا ہے۔حکومت کو یہ بار اُٹھانا چاہیئے کیونکہ وہ بچے قومی طاقت کا جزو ہیں۔

عبدالحکیم:۔ کیا آپ کا مطلب یہ ہے کہ تعلیم دلانا قوم کا حق ہے۔

حضرت:۔ ہاں۔

عبدالحکیم:۔ گورنمنٹ کو ٹیکس بڑھانے پڑیں گے اور لوگ جب تعلیمی بوجھ سے اپنے آپ کو آزاد سمجھیں گے تو اولاد بڑھے گی۔

حضرت:۔ گورنمنٹ پر تعلیمی بار سے یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ سب بوجھ اٹھائے۔بلکہ جس قدر والدین اٹھائیں ان پر ڈالا جائے باقی حکومت کو اٹھانا چاہیئے۔اور اس کے لئے اگر ٹیکس لگانے پڑتے ہیں تو وہ قوم کی مشترکہ ضروریات اور بہتری کے لئے ہیں‘ اس میں حرج کیا ہے؟

عبدالحکیم:۔ میرا سوال حل ہو گیا۔

مبلّغین کا شادی کرنا

ایک شخص:۔ میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ آپ کے مشنری یہاں آکر شادی کریں۔

حضرت:۔ میں مبلّغین کے لئے یہ جائز نہیں رکھتا کہ وہ باہر جا کر شادی کریں۔ کیونکہ اگر وہ روپیہ کمانے کے لئے جاتے ہیں تو ان کی بیوی کو یہ تسلی ہوتی ہے کہ وہ روپیہ کما کر لائے گا۔لیکن جب وہ تبلیغ کے لئے آتا ہے تو اسکی بیوی اس کے اس نیک مقصد کے لئے خود بہت بڑی قربانی کرتی ہے۔اس لئے اگر وہ آکر شادی کرتا ہے تو وہ اس قربانی کی ہتک کرتا ہے جو اس کی بیوی نے کی

ہے-پس اس کو بھی قربانی کرنی چاہیئے اور میں نے یہ قاعدہ بنادیا ہے-
سائل:- یہ بہت ہی اچھا قانون ہے-
ایک اور شخص:- اگر کوئی شخص ایک سے زیادہ شادی کرلے اور پہلی بیوی کو شکایت ہو تو وہ کیا کرے-
حضرت:- میں اپنی جماعت میں اگر ایسا دیکھتاہوں کہ کوئی شخص اپنی بیوی سے اچھا اور برابر کا سلوک نہیں کرتا تو خواہ اس کی بیوی شکایت بھی نہ کرے میں دخل دیتاہوں اور بازپرس کرتاہوں-ایک شخص نے ایسا کیا اور اس کی بیوی نے بھی شکایت نہیں کی تھی مگر میرے علم میں جب اس کا سلوک آیا تو میں نے فوراً اس پر نوٹس لیا-

تعدّد ازدواج اور یتامیٰ

عبدالحکیم:- تعدّد ازدواج کے سلسلہ میں ایک اور سوال ہے جہاں قرآن مجید نے اس کا حکم دیاہے وہاں یتامیٰ کا ذکر ہے-اس سے کیا تعلق؟دوسرے مسلمانوں نے اس کو عام کس طرح کرلیایعنی چار کی حد بندی کیونکر کی جس انداز میں قرآن نے بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ وہ معیّن نہیں کرتا بلکہ غیر معیّن ہے-
حضرت:- بعض لوگوں نے یہ معنی بھی کئے ہیں کہ حد بندی نہیں مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چونکہ حد بندی کردی ہے اس لئے وہی معنی مقدم ہوں گے جو آنحضرت ﷺ نے کئے ہیں-

یتامیٰ کے ساتھ اس کا کیا تعلق ہے-اس کے متعلق مثلاً حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص کو دس یتیم بچے مل گئے-اگر اس کے اپنے اور بچے بھی ہوں تو ایک عورت کہاں تک خدمت کرسکے گی ایسے موقع پر ضروری ہے کہ وہ دوسری شادی کرلے تاکہ سب کی ہوسکے- یہ ایک صورت ہے-دوسری صورت یہ ہے کہ خود ان یتامیٰ کی ماں سے شادی کرلے تاکہ وہ ان یتامیٰ کی پرورش میں پوری دلچسپی لے سکے-کیونکہ ممکن ہے کہ پہلی بیوی کو انٹرسٹ(INTREST) نہ ہو-تو یہ تعلق اور جوڑ اس آیت کا ہے-اور اس سے مقصد یتامیٰ کی صورتوں میں سے ایک کثرت ازدواج ہے-

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا واقعہ احادیث میں ہے کہ انہوں نے بڑی عمر کی عورت سے شادی کی-اور آنحضرتؐ نے دریافت کیاتو انہوں نے وجہ یہ بتائی کہ میری بہنیں چھوٹی عمر کی تھیں' یہ ان کی خبر گیری کرسکے گی-غرض یتامیٰ کے ساتھ دوسری شادی کا تعلق ہے-عام اس کو اس طرح پر

کرلیا کہ فَانْکِحُوْا کو یا حکم قرار دیں گے یا اجازت-تو اس کے معنے یہ ہوں گے کہ ایسی صورت میں حکم ہے دوسری صورت میں اجازت-

یتامیٰ کی حفاظت کے سوال کو مد نظر رکھ کر جب شادی ہوتی ہے تو عورت کا حق تلف نہیں ہوتا-پھر اصل اشیاء کی حِلّتِ اسلام کے اس حکم کے ماتحت کہ یتامیٰ کی حفاظت کے لئے شادی کرسکتا ہے اس سے حِلّتِ ثابت ہوتی ہے-

عبدالحکیم:- میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ دوسری شادی کرنا سزا ہے-

حضرت:- سزا نہیں قربانی ہے-

عبدالحکیم:- کیا ایسے شخص کو جو گذارا نہ کرسکتا ہو اور وہ دوسری شادی کرے آپ سزا دیں گے-

حضرت:- میں یہ ضروری نہیں سمجھتا کہ شادی کے لئے مجھ سے اجازت لی جاوے-لیکن اگر میرے نوٹس میں ایسی بات آئے کہ وہ عدل نہیں کرسکتا یا حدودِ شرعیہ کو توڑتا ہے تو میں اس پر ایکشن لوں گا-

(الفضل ۳۰-اکتوبر ۱۹۲۴ء)

کانفرنس مذاہب میں کامیاب لیکچر اور اس کا اثر

لندن سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا پانچواں مکتوب گرامی

(تحریر فرمودہ ۲۵ ستمبر ۱۹۲۴ء)

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ - ھُوَالنَّاصِرُ

برادران ! اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ -جیسا کہ آپ لوگوں کو تاروں سے معلوم ہو چکا ہو گا' خدا تعالیٰ کے فضل سے لیکچر بہت کامیاب ہوا-اور جس قدر آدمی ہمارے لیکچر میں تھے اور کسی لیکچر میں نہ تھے' جگہ باقی نہ رہی تھی اور لوگوں نے نہایت غور سے سنا اور بعد میں سر تھیوڈور ماریسن اور دوسرے لوگوں نے مبارک بادیں دیں-اور آدھ گھنٹہ تک مختلف دوستوں کو گھیرے کھڑے رہے اور باتیں کرتے رہے-اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس علاقہ میں اس قدر شہرت اسلام کی ہو گئی ہے اور احمدیت کا نام مشہور ہو گیا ہے کہ اگر آئندہ محنت سے کام کیا جائے تو بہت بڑی کامیابی کی امید ہے-

میر صاحب☆ کی وفات کی خبر سے کل سے طبیعت افسردہ ہے اور ادھر کل ایک لیکچر ہے- اس

☆ حضرت میر ناصر نواب صاحب (مرتب)

کے لئے مضمون لکھ رہاہوں اس لئے طبیعت میں عجیب قسم کی بے چینی ہے-کام چھوڑا نہیں جاسکتااور طبیعت کا ضعف اور متواتر پریشان کرنے والی خبروں کااثر چاہتاہے کہ کام میں وقفہ کیاجائے-اللہ تعالیٰ ہی اپنا رحم فرمائے'مجھے کچھ دن اسہال سے آرام رہاتھاکل سے پھراسہال شروع ہوگئے ہیں اور بخار تیز ہوگیا ہے-بھوک بالکل بند ہوگئی ہے اور کھانسی کی بھی شکایت ہے-

میں ؓنے چلنے سے پہلے کہاتھاکہ آپ لوگوں کو وہ کچھ معلوم نہیں جو مجھے معلوم ہے-اگر آپ لوگوں کو معلوم ہوتا تو آپ مجھ پر رحم کرتے-سو آپ نے اب دیکھ لیا ہے کہ برابرافسردہ کرنے والی خبریں چلی آرہی ہیں-میں دیکھ رہاتھا کہ افسردگی اور غم کے دن آگے ہیں-اوران دنوں میں قادیان سے باہرجانامجھ پر سخت دوبھرتھا-میں نے بعض ایسے نظارے دیکھے تھے جن کی تعبیریہ تھی کہ غموم پیش آنے والے ہیں-دو تین دفعہ ایسی خوابیں دیکھیں کہ جن سے معلوم ہوتاتھاکہ میر صاحب جلد فوت ہونے والے ہیں-اسی طرح بعض اورامور بھی رؤیامیں دیکھے- خداتعالیٰ کرے کہ بقیہ اخبارِ غم خوشی سے بدل جائیں اور یہ اس کی قدرت سے بعید نہیں-

قادیان میں ہیضہ کی شکایت'بھیرہ کاواقعہ'قادیان کے بعض دوستوں پر مقدمہ'نعمت اللہ صاحب شہید کاواقعہ'مرکزی مالی حالت کی خرابی'میر صاحب کی وفات'بابو فضل کریم صاحب کی وفات'قادیان کے کئی دوستوں اور بعض عزیز بچوں کی وفات کی خبریں ان دنوں بارش کی طرح پہنچیں ہیں-اوپر سے اپنی طبیعت کی بیماری اورکام کی کثرت نے ان کے اثر کواور بھی زیادہ کردیاہے-اس وقت بھی کہ مضمون لکھ رہاہوں بخارکی گرمی سے جسم پھنکاجارہاہے اور سردرد کررہاہے-نادان دشمن اعتراض تو کرتاہے مگراس کو کیا معلوم جو مجھے معلوم تھااور ہے-اگر اسے وہ سب تکالیف معلوم ہوتیں جو مجھے معلوم تھیں تووہ اپنے گھر سے قدم باہر نہ نکالتا-مگر افسوس!کہ بعض لوگ پیدائشی اندھے ہوتے ہیں-اور اپنی بینائی پر افسوس کرنے کی بجائے دوسروں پر تمسخر کرتے ہیں-خداکرے کہ آئندہ کی آفات اور غموم سے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے کہ وہ رحم کرنے والا اور بخشنے والا ہے-

والسلام

خاکسار

مرزا محمود احمد

(الفضل ۱۶-اکتوبر ۱۹۲۴ء)

ہندوستان کے حالات حاضرہ اور اتحاد پیدا کرنے کے ذرائع

(اس لیکچر کا انگریزی ترجمہ ڈنچ ہال لندن میں مؤرخہ ۲۶ ستمبر ۱۹۲۴ء کو پڑھ کر سنایا گیا)

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ ھُوَالنَّاصِرُ

سیاسی امور پر تقریر کرنے کی ضرورت

صدر جلسہ! بہنو اور بھائیو! گو میں ایسا آدمی ہوں جس کی زندگی دینی کاموں کے لئے وقف ہے لیکن چونکہ سیاست گو مذہب میں داخل نہیں مگر کئی پہلوؤں سے اس کیساتھ تعلق رکھتی ہے اور چونکہ دنیا کے امن کا قیام مذہب کی سب سے بڑی غرضوں میں سے ہے جو کبھی قائم نہیں ہو سکتا جب تک کہ سیاسی امن بھی قائم نہ ہو اس لئے میں نہایت ہی خوش ہوں کہ مجھے ہندوستان کے موجودہ حالات اور ان کے علاج کے متعلق بولنے کا موقع ملا ہے۔

میرا کسی پولیٹیکل پارٹی سے تعلق نہیں

پیشتر اس کے کہ میں اپنے مضمون کو شروع کروں میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ مجھے ہندوستان کی کسی پولیٹیکل جماعت سے تعلق نہیں ہے۔ بہت سے لوگ ہمیں گورنمنٹ کا خوشامدی کہتے ہیں لیکن جو شخص ہمارے حالات سے واقف ہے جانتا ہے کہ ہماری پالیسی آزاد ہے۔ ہم جیسا موقع ہو گورنمنٹ کی پالیسی پر یا قوم پرستوں کی پالیسی پر نکتہ چینی کرنے سے باز نہیں رہتے۔ مگر ہاں ہمارا یہ اصل ہے کہ ہمیں کبھی ایسا رویہ اختیار نہیں کرنا چاہئے جس سے ملک کی قائم شدہ گورنمنٹ کے لئے کام کرنا مشکل ہو جائے ورنہ ہم گورنمنٹ سے نہ کسی انعام کے امیدوار ہوتے ہیں نہ پسند کرتے ہیں کہ گورنمنٹ ملکی خدمات کے بدلہ میں لوگوں کو انعام دے کیونکہ اس سے

نیک نیتی کی خدمت کی روح مرجاتی ہے اور ملک کو انجام کار نقصان پہنچتا ہے۔

ہندوستان کی جغرافیکل حالت

اس تمہید کے بعد میں سب سے پہلے ہندوستان کی جغرافیکل اور سوشل حالت بیان کرنا چاہتا ہوں کیونکہ بغیر اس حالت کے علم کے کوئی شخص ہندوستان کے متعلق صحیح اندازہ نہیں لگا سکتا۔ ہندوستان ایک ایسا ملک ہے جس کے مشرقی اور شمالی طرف چینی حکومت ہے اور شمال مغربی طرف افغانستان کی حکومت ہے چینی حکومت گو خود ایسی نہیں ہے کہ اس سے ہندوستان پر حملہ کی امید کی جائے مگر چینی سرحد پر ایسی ریاستیں موجود ہیں جو جنگی لوگوں کی نسل سے آباد ہیں اور اگر ہندوستان کسی وقت کمزور ہو جائے تو بعید نہیں کہ وہ ہندوستان کے بعض حصوں پر قبضہ کرنے کی کوشش کریں جس طرح کہ وہ پہلے بھی کرتی رہی ہیں۔

افغانستان ایک ایسا علاقہ ہے جہاں کے لوگوں کو یقین ہے کہ ہندوستانی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور پرانی روایات ان کے جوشوں کو قائم رکھتی ہیں۔ افغان اپنے دل سے اس بات کو نہیں نکال سکتے کہ ہمیشہ ہندوستان شمالی حملہ آوروں کے حملوں کا مقابلہ کرنے سے قاصر رہا ہے۔ پس اگر ہندوستان میں حکومت طاقتور نہ ہو تو ہندوستان ہر وقت بیرونی حملہ آوروں سے محفوظ نہیں ہے۔ ان حملوں کے علاوہ جو خشکی کی طرف سے ہو سکتے ہیں سمندر کی طرف سے بھی ہندوستان محفوظ نہیں ہے اور یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ ہندوستان میں حکومت کے کمزور ہونے پر سولھویں اور سترھویں صدی کی دست درازیوں کا زمانہ پھر نہ آجائے گا اور بعض چھوٹے چھوٹے علاقے ایک وسیع ہونے والی حکومتوں کے لئے بیج کا کام نہ دیں گے۔

قومی حالت

قومی حالت ہندوستان کی یہ ہے کہ ایک سرے سے دوسرے سرے تک مختلف قوموں کا جال پھیلا ہوا ہے۔ باہر سے آنے والی قوموں میں سے پٹھان سب سے زیادہ ہیں۔ پھر سید، مغل اور قریشی ہیں ان کے علاوہ اور چھوٹی چھوٹی قومیں بھی ہیں۔ خود ہندوستان کی بہت سی قومیں ہیں برہمن، راجپوت، مرہٹے، جاٹ، گوجر، بنئے، ارائیں، کشمیری، ککے زئی ان قوموں کے علاوہ شودر یا نجس اقوام بہت سی ہیں جیسے چوہڑے، چمار، گونڈ، بھیل، ناسودر دو وغیرہ۔ یہ تمام قومیں ابھی تک اپنی علیحدہ ہستی کو قائم رکھے چلی جاتی ہیں اور ان میں ایسا قومی اتحاد ہے کہ کوئی خارجی اثر ان کو مٹا نہیں سکتا۔ ہندوستان کے الیکشن اس قدر لیاقت یا اصول کی بناء پر نہیں ہوتے جس قدر کہ قومیت کی بنیاد پر۔ جب کوئی شخص کسی لوکل یا امپیریل

انسٹیٹیوٹ کی ممبری کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو سب سے پہلا سوال اس کے متعلق یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس کے علاقہ میں اس کی قوم کے اس قدر آدمی ہیں کہ اس کو جیتنے کی امید ہو۔ پچھلے الیکشن میں ہمارے ضلع سے سات آٹھ آدمی امیدوار کھڑے ہوئے تھے مگر وہی لوگ آخر تک رہ سکے جو قومی ووٹ رکھتے تھے۔ راجپوتوں نے راجپوت امیدواروں کو گوجروں نے گوجروں کو اور پٹھانوں نے پٹھان امیدوار کو ووٹ دیئے۔ استثناء ہوتے ہیں مگر قانون یہی ہے۔

مذہبی حالت

مذہبی حالت یہ ہے کہ ہندو مسلم کا سوال ہمیشہ زور پر رہتا ہے گو بعض لوگ ایسے ہوں کہ ملکی فائدہ کو قومی فائدہ پر مقدم کریں مگر کثرت سے لوگ ایسے ہی ہیں کہ مذہبی تعصّب کو دور نہیں کر سکتے۔ گورنمنٹ کے ہر صیغہ میں چھوٹے عہدوں کے متعلق جو مقامی طور پر دیئے جاتے ہیں یہ بات نظر آئے گی کہ مذہبی تعصب رونما ہوگا۔ مسلمان چونکہ تعلیم میں پیچھے رہ گئے تھے اس لئے لازماً سرکاری ملازمت میں بھی کم تھے۔ اب تعلیم یافتہ مسلمان بہت کثرت سے مل سکتے ہیں۔ مگران کو ملازمت نہیں ملتی کیونکہ قومی تعصب ہمیشہ راستہ میں حائل ہو جاتا ہے۔ پنجاب میں مسلمانوں کی آبادی باون فیصدی سے بھی زیادہ ہے مگر سرکاری ملازمتوں میں وہ تیس فیصدی کے بھی حصہ دار نہیں ہیں۔ ٹیکنیکل کالجوں میں ان کو داخلہ کا موقع نہیں ملتا۔ جس وقت انگریزی حکومت کا سوال ہوتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ عمدہ گورنمنٹ، سلف گورنمنٹ کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ مگر جس وقت ملازمت کا سوال ہوتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ اصل معیار لیاقت ہے۔ کسی قوم کو بحیثیت قوم کے حکومت میں کوئی حق نہیں ہے مگر لیاقت کی تعریف ایسی غیر معیّن ہے کہ دوسری قوموں کے آدمی اس کا وجود اپنی ذات میں ثابت ہی نہیں کر سکتے۔ غرض سوائے نہایت محدود جماعت کے باقی لوگوں میں سخت تعصب کے آثار پائے جاتے ہیں۔

زبان کا سوال

زبان کا سوال بھی نہایت پیچیدہ اور اہم ہے۔ سلف گورنمنٹ کے لئے ایک سرکاری زبان ہونا ضروری ہے۔ ہندوستان میں بیسیوں زبانیں ہیں علاوہ اردو کے جو پنجاب، یوپی، بہار، حیدرآباد، صوبہ سرحد میں تو اچھی طرح بولی اور سمجھی جاتی ہے باقی ہندوستان کے صوبوں میں بھی کم و بیش اس کا رواج ہے ہندی زبان ہے، بنگالی ہے، سندھی ہے، تامل ہے، ٹیلگو ہے، مالاباری ہے، اڑیا ہے، کشمیری ہے، پشتو ہے، مرہٹی ہے، گجراتی ہے ان سب زبانوں میں سے اردو اور ہندی کے متعلق اختلاف ہے کہ کونسی زبان ملکی زبان ہونی چاہئے ہندو پورا زور لگاتے ہیں کہ ہندی زبان کو ملکی زبان قرار دیا جائے اور مسلمان اس بات پر مصر ہیں کہ

اردو زبان اصل قرار دی جائے اور اس اختلاف میں پھر قومی اور مذہبی تعصب کا دخل ہے۔ ہندی کا زیادہ رواج ہندوؤں میں ہے اور اردو کا مسلمانوں میں۔ اگر ملک میں ہندی زبان کو سرکاری زبان قرار دیا جاوے تو اکثر مسلمانوں کو ملازمت سے علیحدہ ہونا پڑے۔ کچھ دنوں سے بنگالی کی نسبت بھی کہا جاتا ہے کہ وہ بھی سرکاری زبان ہونے کی امیدواری کی خواہش رکھتی ہے۔

رواداری کا فقدان

یہ تمام اختلاف مل کر ہندوستان کی طاقت کو نقصان پہنچا رہے ہیں مگر افسوس کہ ان اختلافات کو مٹانے کی کوشش نہیں کی جاتی بلکہ ان کو بڑھایا جاتا ہے۔ رواداری بالکل نہیں ہے مختلف مذہب تو الگ رہے خود ایک مذہب کے ساتھ تعلق رکھنے والوں میں ایک دوسرے سے انصاف کی امید نہیں ہوتی۔ ابھی ایک احمدیہ مشنری کو افغانستان میں صرف مذہبی اختلاف کی وجہ سے سنگسار کیا گیا ہے۔ مجھے پرسوں ہی گورنمنٹ آف انڈیا کا تار ملا ہے جس میں اس نے تصدیق کی ہے کہ وہ خالص مذہبی مخالفت کی وجہ سے مارا گیا ہے۔ مگر انسانی ہمدردی کا یہ حال ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کے سب سے بڑے مذہبی کالج دیوبند کے پروفیسروں نے جلسہ کر کے امیر افغانستان کو تار دیا ہے کہ اس نے بہت ہی اچھا کام کیا ہے اور اس سے امید کی جاتی ہے کہ وہ آئندہ بھی اسی طرح کرے گا۔

ان اختلافات کی وجہ سے قومی فوائد کو بھی نقصان پہنچ رہا ہے۔ مثلاً سود کا لین دین قریباً سب کا سب ہندوؤں کے ہاتھ میں ہے۔ اس کا بہت بڑا اثر غرباء پر پڑتا ہے جو مسلمان ہیں۔ گورنمنٹ بھی چاہتی ہے کہ کچھ اس کا تدارک ہو مسلمان بھی چاہتے ہیں کہ یہ مصیبت ان کے گلے سے اُترے لیکن ہندو زمیندار جو خود بھی اس بلاء کے پنجہ میں پھنسے ہوئے ہیں ہر اس کوشش کا مقابلہ کرتے ہیں جو سود کے محدود کرنے کے لئے ہو اس لئے کہ اس کا زیادہ فائدہ ہندوؤں کو پہنچتا ہے۔ اس وقت سود کا ایسا خطرناک بوجھ غرباء پر ہے کہ بعض دفعہ سو روپیہ لے کر لوگوں کو چار چار پانچ پانچ ہزار دینا پڑتا ہے۔ گورنمنٹ نے کوآپریٹو بنکوں کا سلسلہ شروع کیا ہے مگر اس کا زیادہ تر فائدہ پنجاب کے بعض علاقوں کو پہنچا ہے۔ یو پی۔ بہار وغیرہ کے علاقوں میں اب تک اس بلاء سے لوگوں کو نجات نہیں ہوئی۔

ہندو برات اگر باجہ بجاتی ہوئی مسلمانوں کی مسجد کے سامنے سے گذر جائے تو اس کو مارنے کو دوڑ پڑتے ہیں اور اگر مسلمان کسی ہندو مندر کے پاس سے گذریں تو ہندو ان پر حملہ کرتے ہیں۔ محرم اور عید پر ہندو لڑ پڑتے ہیں اور دسہرہ اور دیوالی پر مسلمان اور وجہ صرف یہ ہوتی ہے کہ

فلاں پروسیشن فلاں گلی سے کیوں گزرا اور فلاں شخص اپنے کھانے کے لئے گائے کا گوشت کیوں لایا۔ دو سمجھدار قوموں کا ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کے لئے لڑنا کیا قابل تعجب نہیں ہے؟

ہندوستان زبردست جنگی طاقت کا محتاج ہے

ان حالات کو دیکھ کر لازماً ماننا پڑتا ہے کہ ہندوستان ابھی مکمل سلف گورنمنٹ کے لئے تیار نہیں ہے وہ ابھی ایک ایسی قوم کی مدد کا محتاج ہے جو اول تو زبردست جنگی طاقت رکھتی ہو تاکہ اسے خشکی اور تری کے حملوں سے بچائے کیونکہ بوجہ جنگی سامانوں کی عدم موجودگی کے اور فنون جنگ سے ناواقفی کے ہندوستان ابھی اپنی حفاظت خود نہیں کر سکتا۔ دوسرے وہ قوم ہندوستان سے باہر کی ہو تاکہ مختلف اقوام کے درمیان توازن قائم رکھ سکے اور کسی قوم کو اس کے خلاف یہ شکایت پیدا نہ ہو کہ وہ کسی کی رعایت کرتی ہے اور میرے نزدیک انگریزوں سے زیادہ اور کوئی قوم اس کے لئے مناسب نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ ہندوستان کو جانتے ہیں اور ہندوستانی ان کو جانتے ہیں۔

دوسرا رخ

یہ تصویر کا ایک رخ ہے مگر کبھی نتیجہ صحیح نہیں نکلتا جب تک کہ تصویر کے دونوں رخ نہ دیکھے جائیں اس لئے ہم کو ہندوستان کے حالات کا دوسرا رخ بھی دیکھنا چاہئے۔ ہندوستان میں اب مغربی تعلیم کا چرچا پھیلتا جاتا ہے وہ لوگ جو پہلے اسے گناہ سمجھ کر اس کے قریب نہیں جاتے تھے اب ضرورت سے مجبور ہو کر اس کے حصول کے لئے کوشاں ہیں۔ مغربی تعلیم کے ساتھ ہی مغرب کی آزادی اور اقتصادی ترقی اور علمی فروغ کا خوشنما منظر بھی لوگوں کی آنکھوں کے سامنے آرہا ہے۔ وہ جو کچھ کتب میں پڑھتے ہیں اس کو جب اپنے گردوپیش نہیں دیکھتے تو قدرتاً ان کے دلوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ اور جس طرح اس شخص کا حال ہوتا ہے کہ جو اپنا کام دوسروں سے کرانے کا عادی ہوتا ہے اور جب کام اس کے نزدیک خراب ہو تو بغیر اس امر پر غور کرنے کے کہ حالات کی مجبوریوں کی وجہ سے وہ کام خراب ہوا ہے وہ اس کام کے کرنے والے کو بُرا کہنے لگتا ہے۔ اسی طرح ہندوستانیوں کے دلوں میں گورنمنٹ کے خلاف جوش پیدا ہوتا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ اس کی سستی کی وجہ سے کام درست نہیں ہوتے۔ پھر جبکہ وہ مغربی قوموں کی ترقی کے ساتھ ان کے حکومتی نظام پر نظر ڈالتے ہیں تو ان کو یقین ہو جاتا ہے کہ مغرب کی ترقی کا اصل باعث اس کا نیابتی طریقۂ حکومت ہے اور ان کے دلوں میں بھی ترقی کی امنگ پیدا ہوتی ہے اور وہ بھی چاہتے ہیں کہ ہمیں بھی یورپ کی قوموں کی طرح حکومت میں دخل حاصل ہو

اور یہ ان کی خواہش طبعی ہے ان پر اس دلیل کا کچھ اثر نہیں ہوتا کہ تمہارا ملک تعلیم میں کم ہے کیونکہ وہ فوراً جواب دیدیتے ہیں کہ جس وقت مغربی اقوام کو آزادی حاصل ہوئی ہے اس وقت کی نسبت ہماری تعلیم مغربی لوگوں سے کم نہیں ہے۔ دوسرا جواب وہ یہ دیتے ہیں کہ تعلیم ہمارے ہاتھ میں نہ تھی اگر تعلیم کم ہے تو اس کی جوابدہ گورنمنٹ ہے نہ کہ ہم۔ اس طرح تو ایک قوم کو تعلیم میں پیچھے رکھ کر ہمیشہ کی غلامی میں رکھا جا سکتا ہے۔

اہل مغرب سے میل جول

مگر تعلیم سے بھی زیادہ اثر رکھنے والی چیز ان کا وہ بڑھنے والا تعلق ہے جو مغرب سے ان کو پیدا ہو رہا ہے۔ جوں جوں ہندوستانی باہر نکلتے ہیں وہ مغربی طرز حکومت کو عملی صورت میں دیکھ کر اس قسم کی حکومت اپنے ملک میں جاری کرنا چاہتے ہیں۔ آج ہزاروں لاکھوں آدمی ہندوستان کا مغربی ممالک میں پھیلا ہوا ہے حالانکہ ایک وقت وہ تھا کہ ایک ہندو اگر ملک سے باہر آتا تھا تو اس کی قوم اس کو فوراً قوم سے خارج کر دیتی تھی کیونکہ ان کے نزدیک ہندوستان سے باہر جاتے ہی ہندو اپنے مذہب سے الگ ہو جاتا تھا۔ آج کوئی مغربی ملک نہیں جہاں ہندوستانی باشندے عارضی یا مستقل رہائش نہیں رکھتے۔ باہر آنے والے لوگ جو خیالات ان کے دل میں پیدا ہوتے ہیں ان کو واپس جا کر یا خطوں کے ذریعہ سے باقی ملک میں پھیلاتے ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ روزمرہ ان لوگوں کی تعداد بڑھتی چلی جا رہی ہے جو نیابتی حکومت کے خواہشمند ہیں۔ یہ لوگ جو ہندوستان سے باہر جاتے ہیں ان کے خیالات تین طرح متاثر ہوتے ہیں۔ اول باہر کی حکومتوں کو دیکھ کر دوسرے اس وجہ سے کہ بعض جگہ پر ہندوستانیوں سے اچھا معاملہ نہیں کیا جاتا اور ان کے دلوں میں اس سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ہماری اپنی حکومت ہوتی تو ہمیں اس طرح ذلیل نہ کیا جاتا اور اگر کوئی ہمیں ذلیل کرنے والی بات کر بھی بیٹھتا تو فوراً ہماری حکومت ہماری مدد کرتی۔ تیسرے بعض مغربی حکومتوں کے لوگ انگریزی حکومت سے عداوت کی وجہ سے ہندوستانیوں کے قومی جوش کو ابھارنے کے لئے ہمیشہ ان ہندوستانیوں کو جو آج ان کے ملک میں جاتے ہیں یہ طعنہ دیتے ہیں کہ تم لوگ معزز ہو سکتے ہو جن پر ایک چھوٹے سے جزیرہ کے لوگ حکومت کر رہے ہیں۔ دنیا میں دلیلیں اس قدر گہرا اثر نہیں کرتی ہیں جس قدر کہ طعنے اثر کرتے ہیں اور یہ طعنے بہت سے ہندوستانیوں کے دلوں میں گہرے زخم کر چکے ہیں۔

گذشتہ جنگ کا اثر

مگر سب سے زیادہ ہندوستانیوں کے خیالات کو بدلنے والی پچھلی جنگ ثابت ہوئی ہے۔ انگریزوں سے سب سے زیادہ ملنے کا موقع تعلیم یافتہ لوگوں کے بعد ہندوستانی سپاہی کو ملتا تھا۔ مگر وہ ان روایات کے ماتحت جو نسلاً بعد نسلٍ چلی آئی ہیں انگریزی سپاہی کی برتری کو تسلیم کئے چلا آتا تھا اور انگریزی سپاہی اس سے الگ بھی رکھا جاتا تھا اور جو نئے سپاہی آتے تھے وہ اپنے سے پہلے سپاہیوں سے مل کر عام طور پر ہندوستانی سپاہی سے الگ رہنے کے عادی ہو جاتے تھے مگر اس جنگ نے نقشہ ہی بدل دیا۔ ہندوستان سے ایک وقت میں پانچ لاکھ آدمی کے قریب غیر ممالک میں رہا۔ اسے پہلے فرانسیسیوں میں رہنے کا موقع ملا جنہوں نے موقع کی اہمیت کو مدنظر رکھ کر ان کی خوب خاطر کی۔ پھر اس کی جگہ کو بدل تو دیا گیا مگر پھر بھی کثرت سے انگریز سپاہیوں کے ساتھ اسے رہنے کا موقع ملا جو انگلستان سے وہاں تازہ گئے تھے اور ہر وقت کے ساتھ رہنے اور جنگ کے خطرناک دنوں کے اثر کی وجہ سے اپنے ریزرو کو قائم نہیں رکھ سکتے تھے۔ پس ہندوستانی سپاہی جو پہلے صرف اطاعت اور ادب سے واقف تھا اسے معلوم ہوا کہ میرے بھی کچھ حقوق ہیں اور ہندوستانی طریق حکومت کے علاوہ دنیا میں اور بھی طریق حکومت ہیں۔ یہ لاکھوں آدمی جو ملک کے گوشہ گوشہ کے قائم مقام تھے جب جنگ سے واپس گئے تو انہوں نے ان علاقوں میں بھی جہاں کہ تعلیم کی وجہ سے لوگ اس امر کے سمجھنے کی قابلیت نہیں رکھتے تھے کہ دنیا میں ایک سے زیادہ طریق حکومت بھی ہیں ان خیالات کو پھیلا دیا۔ اور ہندوستان کی کثیر آبادی گو مغربی ممالک کے طریق حکومت کی باریکیوں سے واقف نہ تھی اور نہ ہے مگر اس امر کو خوب سمجھ گئی کہ یہ بھی ممکن ہے کہ اپنے ملک کے لوگوں کے ذریعہ سے ملک پر حکومت کی جائے اور یہ کہ ساری دنیا کے پردہ پر اس حکومت کو بہتر سمجھا جاتا ہے۔

جنگ کا ایک اور بھی اثر ہوا۔ اس جنگ سے پہلے عام ہندوستانی یہ خیال کرتا تھا کہ انگریزوں کے برابر اور کوئی قوم نہیں۔ ان کے نزدیک سب دنیا مل کر بھی انگریزوں کو پریشان نہیں کر سکتی تھی اور وہ اس خیال پر ایسا مضبوط تھا کہ اس کے نزدیک انگریزوں سے حکومت ہند کا مطالبہ کرنا ایسا ہی تھا جیسے چاند لینے کی خواہش کرنا لیکن جنگ میں جب اس کے گھر پر افسروں نے متواتر آنا اور یہ کہنا شروع کیا کہ اس وقت سرکار پر سخت مصیبت ہے ان کو سرکار کی مدد کرکے اپنی وفاداری کا ثبوت دینا چاہئے۔ جرمن نے بِلا وجہ سرکار انگریزی سے لڑنا شروع کر دیا ہے۔ تو تمام ملک کی ایک سرے سے دوسرے سرے تک آنکھیں کُھل گئیں اور انہوں نے سوچنا شروع کیا کہ دنیا میں

ایک ہی حکومت نہیں ہے بلکہ اور بھی ہیں اور جوں جوں ریکروٹنگ پر زور دیا جانا شروع ہوا ان لوگوں کے دلوں میں یہ خیال بڑھتا گیا کہ جرمن کی حکومت انگریزوں سے زیادہ زبردست ہے اور یہ کہ ہندوستان ایسا کمزور نہیں ہے اس وقت انگلستان اپنے بچاؤ کے لئے اس کی مدد کا محتاج ہے۔

جنگ سے پہلے لوگ اس قدر اخبار پڑھنے کے عادی نہ تھے لیکن جب ہر قصبہ سے لوگ جنگ پر جانے شروع ہوئے تو ان کے عزیزوں، رشتہ داروں نے قدرتاً اخباروں کا مطالعہ شروع کیا تاکہ ان کو جنگ کے حالات معلوم ہوتے رہیں اور دل کو ایک حد تک تسلی رہے۔ اس اخباری مطالعہ سے ان کی عام علمیت میں بھی اضافہ ہوا مگر جنگی حالات کے نقصانات کے حالات پڑھ کر اور یہ دیکھ کر کہ سب طرف جرمنی کا ہی شور ہے ان کے دلوں میں یہ خیال اور بھی مضبوط ہو گیا کہ انگریزی حکومت ایسی مضبوط نہیں ہے جیسی کہ وہ سمجھتے تھے بلکہ ان کے توہمات نے جرمنی کی طاقت کے ایسے نقشے کھینچ دیئے کہ ان کو سن کر انسان حیران ہو جاتا ہے۔ پھر ان اخباروں کے ساتھ ساتھ وہ قومی آزادی کے مضمون پڑھتے رہے جو اخباروں میں چھپتے تھے اور اس سے ان کی سیاسی دلچسپی ترقی کر گئی۔

عوام الناس پر تو یہ اثر پڑا۔ تعلیم یافتہ طبقہ پر جنگ کا یہ اثر پڑا کہ جنگ کے دوران میں اس مسئلہ پر خاص طور پر زور دیا گیا کہ کسی حکومت کو حق نہیں کہ وہ کسی ملک کی آبادی کی مرضی کے خلاف اس پر حکومت کرے اور اس پر اس قدر زور دیا گیا کہ یہ اصل ایک ازلی مذہبی اصل کی طرح مقدس ہو گیا۔ ہندوستان کے بعض ہوشیار سیاسی لیڈروں نے خوب پھیلا پھیلا کر اس اصل کو شائع کیا اور اس موقع کا انتظار بڑے شوق سے کرنے لگے جبکہ اس اصل کو استعمال میں لایا جائے گا۔ خلاصہ یہ کہ جنگ کے دوران میں ہندوستان کا سیاسی مطلع بالکل بدل گیا اور دوسرے طبعی حالات سے مل کر اس نے ہندوستان میں ایک ایسا تغیر پیدا کر دیا ہے کہ انسان اس کو دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے۔ اس تغیر نے لوگوں کے اندر سلف گورنمنٹ کی ایک پوشیدہ خواہش پیدا کر دی جس کے اُبھرنے کے لئے کسی تحریک کی بھی ضرورت تھی۔

جنگ کے بعد کی حالت

جنگ کے ختم ہوتے ہی ایسے سامان پیدا ہونے لگے جن سے کہ ایک یہ تحریک بھی پیدا ہو گئی۔ جنگ کے بعد لاکھوں آدمی جو جنگی کاموں پر مقرر تھے فارغ ہو گئے اور ان کو اپنے گھروں میں واپس آکر کام نہ ملے جن سے ان کا ایسا گزارہ ہو سکتا جس کے اب وہ عادی ہو چکے تھے۔ دوسرے ریکروٹنگ کے وقت لوگوں کو بہت

امیدیں دلائی جاتی تھیں کہ ان سے بہت سے فوائد ہوں گے اور چونکہ چند سال پہلے سرگودھا اور لائل پور میں آبادی کی خاطر گورنمنٹ نے لوگوں کو مربعے دیئے تھے حتیٰ کہ بعض دفعہ اس وجہ سے دیئے تھے کہ فلاں شخص نے گاؤں میں چیچک کا ٹیکہ لگوا دیا تھا ہر شخص جو جنگ کو جاتا تھا اسے یہ امید تھی کہ وہاں سے آتے ہی اسے کم سے کم ایک مربع زمین کا ضرور ملے گا۔ گورنمنٹ کے پاس اس قدر زمین نہ تھی کہ سب کو خوش کر سکے اس لئے واپس آنے والے سپاہیوں میں بے چینی پیدا ہو گئی اس عرصہ میں صلح کی تجویز شروع ہوئی اور تعلیم یافتہ ہندوستانی جو یہ امید لگائے بیٹھے تھے کہ صلح کے ہوتے ہی بہت کچھ حقوق ہندوستان کو ملیں گے اس امید کے بر نہ آنے پر برافروختہ ہو گئے۔ اگر مختلف ناموں کے ماتحت بعض اور ڈومینز کو فائدہ نہ پہنچتا تو ہندوستانیوں کو اس قدر محسوس نہ ہوتا مگر چونکہ گو لفظاً اقرار نہ کیا جاتا ہو مگر فی الواقع جنگ میں تعاون کی وجہ سے بہت سی نو آبادیوں کو فائدہ پہنچا اور اس کا ہندوستان پر بہت ہی برا اثر پڑا اور اس کا نقطہ نگاہ بدل گیا۔

حصول سوراج کی خواہش

رولٹ ایکٹ [۴۴] اور تحریک خلافت ایسے بہانے بن گئے جن کے ذریعہ سے پوشیدہ خواہشات جو ملک میں پیدا ہو رہی تھیں بیدار ہو گئیں اور ایک سرے سے دوسرے سرے تک لوگ سلف گورنمنٹ کی نہ پوری ہونے والی امید کے حصول کے لئے کھڑے ہو گئے اور تمام مذکورہ بالا امور نے اس خواہش میں عوام الناس کو بھی شامل کر دیا میرے نزدیک ہندوستان میں امن کبھی قائم نہیں ہو سکتا جب تک انگلستان کے لوگ ان امور کو مد نظر نہ رکھیں جو ہندوستان میں بے چینی پیدا کرنے کے موجب ہیں اور وہاں کی اصلی حالت سے واقف ہوں۔ اور میں آپ لوگوں کو بڑے زور سے اس بات کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ اب سلف گورنمنٹ کی تحریک ہرگز شہروں اور تعلیم یافتہ لوگوں تک محدود نہیں ہے۔ بلکہ یہ تحریک گاؤں اور غیر تعلیم یافتہ لوگوں میں پھیل گئی ہے۔ عورتیں جو ہندوستان میں بہت ہی کم تعلیم رکھتی ہیں وہ بھی اس سے واقف ہو گئی ہیں کیونکہ جیسا کہ میں بتا چکا ہوں جنگ نے ہر گاؤں کو طلباء پالیٹکس کا ایک سکول بنا دیا ہے۔ یہ بالکل درست ہے کہ عوام الناس اس امر کی حقیقت کو نہیں سمجھتی کہ سلف گورنمنٹ کی حقیقت کیا ہے مگر اس امر سے اس حقیقت میں کوئی فرق نہیں آتا کہ ملک کا بیشتر حصہ اس تحریک سے متفق ہے وہ سوراج [۴۵] کو جانتا ہے یا نہیں مگر وہ اس کو حاصل ضرور کرنا چاہتا ہے۔

موجودہ حالت میں سب سے بڑی تباہی

ان حالات کو جب دیکھا جائے تو مجبوراً ماننا پڑتا ہے کہ ہندوستان کی اس خواہش کا کچھ علاج ضرور ہونا چاہئے ورنہ قیام امن مشکل ہوگا۔ مگر میں جو حالات پہلے حصہ مضمون پر بتلا آیا ہوں وہ اس کے مخالف ہیں کہ ہندوستان کو موجودہ وقت میں سوَراج ملے۔ جو قومیں اس وقت ایک دوسرے سے انصاف نہیں کر سکتیں اور ایک معمولی سے اشتعال پر ایک دوسرے کا گلا کاٹنے کے لئے تیار ہو جاتی ہیں وہ اس وقت کیا کریں گی جب انگریز واپس جاویں اور ان کو کامل اختیارات حاصل ہو جائیں۔ میرے نزدیک ہندو مسلمان بھی اپنے دلوں میں اس امر کو خوب سمجھتے ہیں لیکن ان میں سے کم سے کم ایک حصہ اپنے دلوں میں اس امر پر خوش ہے کہ ہم طاقتور ہیں۔ انگریزوں کے باہر نکلتے ہی ہم حکومت پر قابض ہو جائیں گے۔ مسلمانوں کو اپنی طاقت اور ہمسایہ مسلمان حکومتوں پر گھمنڈ ہے۔ ہندوؤں کو اپنی تعداد اور بعض ہمسایہ بدھ حکومتوں پر گھمنڈ ہے۔ نہایت دبی آرزوؤں میں ہم گورکھا اور سکھ سپاہی اور پٹھان سپاہی کی قابلیت اور طاقت کے موازنے سنتے ہیں اور میرے نزدیک ہندو قوم ایسی منظم ہو چکی ہے کہ مسلمانوں کے دعوے ایک ورثہ میں ملے ہوئے خیال سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ پس میرے نزدیک موجودہ حالات میں سب سے بڑی تباہی ہندوستان کے لئے یہی ہو سکتی ہے کہ انگریز اپنا قدم وہاں سے ہٹالیں۔ سلف گورنمنٹ اچھی چیز ہے مگر وہ سلف گورنمنٹ جو سیلف ڈسٹرکشن کی طرف لے جائے ہرگز قابل پسند نہیں۔

مگر ہمارا یہ فیصلہ کہ اس وقت کے سوشل حالات ہندوستان کو سلف گورنمنٹ دلانے کی تائید نہیں کرتے کافی نہیں ہو سکتا کیونکہ خواہش پیدا ہو چکی ہے اور عام بھی ہو چکی ہے اور اگر اس خواہش کو کسی طرح ٹھنڈا نہ کیا گیا تو اس سے مایوسی پیدا ہوگی۔ اور اس کے نتیجہ میں پھر مایوسی کا نتیجہ یا ہلاکت نفس ہوتی ہے یا ہلاکت غیر۔ پس سلف گورنمنٹ دی جائے یا نہ دی جائے دونوں صورتوں میں ہلاکت ہندوستان کا منہ تک رہی ہے اور برٹش ایمپائر کے بہی خواہوں کا فرض ہے کہ وہ اس کا علاج سوچیں کیونکہ ہندوستان کی ہلاکت میں ایمپائر کی ہلاکت ہے اور برٹش ایمپائر کے بد خواہ ابھی سے اس پر خوشی کا اظہار کر رہے ہیں۔

ریفارم سکیم

بعض لوگ کہتے ہیں کہ مانٹیگو چیمسفورڈ ریفارم سکیم[۴۶] اس کا علاج ہے۔ میرے نزدیک جن اصول پر اس رپورٹ کی بنیاد ہے اور جس نیت سے تیار کی گئی ہے وہ قابل تعریف ہیں۔ مگر میرے نزدیک اس سکیم میں بعض اصولی غلطیاں ایسی رہ گئیں

ہیں کہ یہ سکیم اپنی موجودہ صورت میں ہندوستان کی بیماری کا علاج نہیں ہے۔

میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس سے زیادہ اختیارات ہندوستانیوں کو دینے چاہئیں جو یہ سکیم دیتی ہے بلکہ میرا مطلب یہ ہے کہ جس طریق سے اختیار دیئے گئے ہیں وہ درست نہیں بلکہ ان سے فساد پیدا ہوتا ہے۔ جس وقت اس سکیم کو رائج کیا گیا ہے اس وقت اس کے متعلق میری رائے بھی پوچھی گئی تھی اور میں نے جو رائے اس وقت دی تھی گو اس وقت کے حالات کے ماتحت کہ حکام میں ایک تسلی کی روح پھیلی ہوئی تھی قبولیت کے قابل نہیں سمجھی گئی تھی۔ مگر بعد کے واقعات نے ثابت کردیا ہے کہ میری رائے درست تھی۔

ریفارم سکیم نے یہ اصل قرار دیا ہے کہ ہندوستانی ایلیکٹڈ (ELECTED) ممبر کونسلوں میں زیادہ ہونے چاہئیں میرے نزدیک یہ غلط اصل تھا اور ایجی ٹیشن کی بنیاد یہیں سے رکھی گئی ہے۔ میں نے اعتراض کیا تھا کہ ضرور ہے کہ مختلف موقعوں پر ہندوستانی ممبر گورنمنٹ کی رائے کے خلاف ہوں جب وہ خلاف ہوں گے اور گورنمنٹ کے مسودہ کو رد کریں گے یا اس کی رائے کے خلاف کوئی مسودہ پاس کریں گے اور گورنمنٹ اس کو قبول نہ کرے گی تو یقیناً ملک کے لوگ ہندوستانی ممبروں کے ساتھ ہوں گے اور اس سے ایجی ٹیشن پیدا ہوگا اور اگر اس ایجی ٹیشن کے ذریعہ گورنمنٹ اس کو قبول کرے گی تو گویا وہ خود اس اصل کو باطل کردے گی کہ ابھی کچھ عرصہ کے لئے ہندوستانی کامل سلف گورنمنٹ کے قابل نہیں ہیں۔

ویٹو صرف اس جگہ کام دیتا ہے جہاں یہ تسلیم کرلیا جاتا ہے کہ گو دارالنواب حکومت کی قابلیت رکھتا ہے لیکن کسی غیر معمولی موقع کے خیال سے ویٹو کا دروازہ کھلا رکھا جاتا ہے اور چونکہ وہ شاذونادر ہوتا ہے اس لئے اس پر ملک اس قدر برا فروختہ نہیں ہوتا مگر جہاں اعلیٰ اتھارٹیز اس امر کو تسلیم کرتی ہیں کہ ابھی دارالنواب حکومت کے قابل نہیں ہے وہاں اس کو اختیار دیکر ویٹو سے بد نتائج کو روکنے کی کوشش کرنا گویا خود فساد پیدا کرنا ہے۔ غرض ویٹو کا طریق اسی وقت بغیر فساد پیدا کرنے کے کام دے سکتا ہے جب واضعانِ قوانین اس امر کو تسلیم کرلیتے ہیں کہ جن لوگوں کے خلاف اس کو استعمال کرنا ہے وہ فیصلہ کرنے کی پوری قابلیت رکھتے ہیں اور ان کے فیصلہ کے خلاف اس کو استعمال کرنے کا موقع یا تو بالکل نہیں ملے گا یا شاذونادر ہی ملے گا۔

اسی طرح ایجی ٹیشن کا دروازہ بھی اسی وقت جائز طور پر کھولا جاسکتا ہے جبکہ وہ حکام جن کے خلاف اس کو استعمال کیا جائے رائے عامہ کے ماتحت بدلے جاسکتے ہوں۔ اس وقت بے شک

ایجی ٹیشن ایک عمدہ ذریعہ عام رائے کے نفاذ کا ہے مگر جب حکام عام رائے کے ماتحت بدلے نہ جاسکتے ہوں تو پھر ایجی ٹیشن سوائے ریولیوشن کے اور کیا نتیجہ پیدا کر سکتا ہے۔ جب حکام عام رائے کے ماتحت ہوتے ہیں تو وہ یہ نہیں دیکھتے کہ عام رائے صحیح ہے یا غلط بلکہ جو عام رائے ہو وہ اس کی اتباع کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں نہیں تو کام سے علیحدہ ہو کر ان لوگوں کو موقع دیتے ہیں جو عام رائے سے متفق ہیں۔ مگر جو حکام عام رائے کے ماتحت نہیں وہ اگر دیانتدار ہوں تو عام امور کو اس نقطہ نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ کیا وہ بات ملک کے لئے مفید بھی ہے یا نہیں اگر وہ کسی بات کو ملک کے لئے مُضِر پاتے ہیں تو اس کو رد کردیتے ہیں ایسے لوگوں کے خلاف ایجی ٹیشن ہو اور حکام اور عام رائے میں اتفاق نہ ہو سکے تو اس کا لازمی نتیجہ ریولیوشن ہوگا۔ میرے نزدیک ریفارم سکیم بناتے وقت اس امر کو واضعین نے بالکل نظرانداز کردیا ہے اور انگلستان کی موجودہ حالت پر قیاس کرکے ایجی ٹیشن کو ریولیوشن کا ذریعہ سمجھ لیا ہے حالانکہ ہندوستان میں ملک کی رائے کو گورنمنٹ کے مقرر کرنے یا الگ کرنے میں کوئی دخل نہیں ہے اور اس وجہ سے وہاں ایسا طریق حکومت جو لازماً ایجی ٹیشن پیدا کرتا ہو یقیناً رنجش یا ریولیوشن ان دو میں سے ایک نتیجہ پیدا کرے گا۔

کیا ہونا چاہئے تھا؟ میری یہ رائے تھی اور اب بھی ہے کہ کونسلوں میں کثرت رائے گورنمنٹ ممبروں کی ہونی چاہئے تھی لیکن گورنر جنرل اور گورنروں کو ہدایت ہونی چاہئے تھی کہ جب ایسے حالات پیش ہوں جن کی نسبت گورنمنٹ سمجھتی ہے کہ کوئی فیصلہ بھی کونسل کرے وہ اس پر عمل کریں گے ان میں گورنمنٹ ممبر ووٹ نہ دیں اور پبلک رائے پر اس معاملہ کو چھوڑ دیں۔ جو معاملات زیادہ اہم نہ ہوں لیکن ان کا اثر گورنمنٹ پر بھی پڑتا ہو۔ ان میں گورنمنٹ ممبروں کو آزاد چھوڑدے کہ وہ اپنی ذاتی رائے کے مطابق عمل کریں اور جس امر میں گورنمنٹ یہ سمجھے کہ وہ اپنے نقطہ نگاہ کو نہیں بدل سکتی اس میں کثرت رائے سے جو اس کی ہوگی فیصلہ کرے۔ اس امر کو نہیں بھولنا چاہئے کہ انسانی فطرت ہر وقت زندہ رہتی ہے اور عقل اور دلیل اس پر پورے طور پر غالب نہیں آسکتی ملک پر اس کا اثر بالکل اور پڑتا ہے کہ اس کی منتخب کردہ جماعت ایک فیصلہ کرے اور اسکو رد کردیا جائے اور اسکا اثر اور پڑتا ہے کہ ایک کونسل جس میں خواہ گورنمنٹ کے ممبر ہی ہوں کثرت رائے سے ایک مسودہ کو رد کردے یا پاس کردے دوسرا نقص ریفارم سکیم میں یہ رہ گیا ہے کہ اس میں کامل اختیار ہندوستانیوں کو کسی

صیغہ میں بھی نہیں ملے اور جرح کرنے کا اختیار ہر صیغہ میں مل گیا ہے۔ بغیر ذمہ داری کے تنقید کرنا بالکل آسان ہوتا ہے ذمہ داری انسان کو بہت محتاط بنا دیتی ہے نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ہندوستانیوں کے لئے تسلی کی صورت کوئی پیدا نہیں ہوئی اور رنج کی صورتوں کے نکلنے کے لئے دروازہ کھول دیا گیا ہے۔ میرا مشورہ یہ تھا کہ دو صیغے مثلاً تعلیم اور جنگلات اور تعلیم یا کوئی اور صیغہ کُلّی طور پر ہندوستانیوں کو سپرد کر دیا جائے صوبوں میں بھی اور مرکزی حکومت میں بھی ان صیغوں میں ہندوستانی وزراء اور گورنران گورنر جنرل سے مل کر کام کریں اور وزراء پورے طور پر کونسلوں کے ماتحت ہوں۔ اگر کونسلیں وزراء کے کام پر خوش نہ ہوں تو وہ کام سے علیحدہ ہو جائیں۔ جس طرح کہ مغربی ممالک میں ہوتا ہے اس کے کئی فائدے تھے اول تو یہ کہ ہندوستانیوں کو بغیر حکومت کو کوئی معتد بہ نقصان پہنچانے کے حکومت کا تجربہ ہو جاتا۔

دوسرے ان کو یہ تسلی ہوتی کہ بعض صیغوں میں ان کو اپنی لیاقت اور حسن انتظام کا موقع مل گیا ہے۔ تیسرے ملک کو بھی ممبران کونسل کے کام دیکھنے کا موقع ملتا اور صحیح اصول پر سیاسی پارٹیوں کے نشوونما کا راستہ کھل جاتا۔ اب چونکہ ذمہ داری کوئی نہیں صرف تنقید ہی ان کا کام ہے اس لئے سب ملک ان کے کام کی خوبی کی وجہ سے نہیں بلکہ ان کے ہندوستانی ہونے کے سبب سے ان کی تائید کرنے لگتا ہے۔ چوتھے وزراء چونکہ کونسلوں کے سامنے ذمہ دار ہوتے ان کو اپنے ہم خیال بنانے اور ان کو ساتھ ملائے رکھنے کا خیال رہتا اور مختلف خیالات میں توازن قائم رہتا۔ اب یہ ہوتا ہے کہ وزراء گو ملکی ہوتے ہیں مگر چونکہ کونسل کے سامنے جوابدہ نہیں ہوتے اس لئے دوسروں کی دلجوئی اور ان کو اپنے ساتھ رکھنے کی پوری کوشش نہیں کرتے اور اس کا بد اثر گورنمنٹ کی نیک نامی پر پڑتا ہے۔ پانچواں زبردست فائدہ یہ تھا کہ اس سے غیر ذمہ دارانہ تنقید کا دروازہ آسانی سے بند کیا جا سکتا تھا۔ اسی وقت اور انہیں معاملات میں مؤثر تنقید کا موقع کونسلوں کو دیا جاتا جب اور جن معاملات کی نسبت خیال کیا جاتا کہ انکو ہندوستانیوں کے سپرد کر دینے سے کوئی حرج نہیں۔ آئندہ سلف گورنمنٹ کی ترقی کے مدارج اختیارات کی زیادتی میں نہ ہوتے بلکہ صیغوں کی زیادتی میں ہوتے۔ رفتہ رفتہ پھر جو صیغے محفوظ سمجھے جاتے وہ ہندوستانیوں کو دے دیئے جاتے۔ اس طرح گورنمنٹ اور رعایا کے تعلقات بھی درست رہتے اور فرقوں کو آپس میں نیک سلوک پیدا کرنے کا بھی موقع ملتا۔

اب کیا کیا جائے؟ مگر چونکہ ایک اور اصول پر ریفارم سکیم کی بنیاد پڑ چکی ہے اور ان سے اس کو ہٹانا شاید اصول سیاست کے خلاف سمجھا جائے۔ اس لئے موجودہ حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے میرے نزدیک مندرجہ ذیل امور قابل غور ہیں جن کے علاج سے موجودہ شورش میں کچھ کمی ہو سکتی ہے۔

پیشتر اس کے کہ میں علاج بتاؤں موجودہ شورش کی نسبت آپ کو کچھ بتانا چاہتا ہوں اس وقت ہندوستان میں حد اعتدال سے باہر دو پارٹیاں ہیں اور یہ دونوں پارٹیاں عدم تعاون کے عنوان کے نیچے کام کرتی ہیں۔ ان میں سے ایک مسٹر گاندھی کی پارٹی ہے جس کا یہ خیال ہے کہ گورنمنٹ سے کُلّی طور پر عدم تعاون کرنا چاہئے نہ کونسلوں میں جانا چاہئے نہ اس کے سکولوں میں داخل ہونا چاہئے نہ اس کی عدالتوں میں جانا چاہئے۔ دوسری پارٹی کے لیڈر داس اور نہرو ہیں۔ اول الذکر بنگال کے اور ثانی الذکر یوپی کے مشہور وکیل ہیں۔ ان کی پارٹی کا یہ خیال ہے کہ ہمارے نان کوآپریٹ کرنے سے گورنمنٹ کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا جبکہ دوسرے لوگ ایسے موجود ہیں جو گورنمنٹ سے کوآپریٹ کرنے کے لئے تیار ہیں اس لئے ان کے نزدیک ایسی کوآپریشن جس کا آخری نتیجہ مؤثر نان کوآپریشن ہو جائے جائز ہے اور اس اصل کے ماتحت یہ لوگ کونسلوں میں داخل ہوئے ہیں۔ اور ان کی ایک غرض تو اس سے یہ ہے کہ انگلستان کے لوگوں پر ثابت کر دیں کہ یہ امر غلط ہے کہ ملک کی رائے ان کے خلاف ہے۔ چنانچہ کثرت سے ان لوگوں کے نامزد کردہ ممبر کامیاب ہوئے ہیں سوائے پنجاب کے جہاں ان کو بہت ہی کامیابی ہوئی ہے۔ دوسری غرض ان کی یہ ہے کہ جو لوگ گورنمنٹ سے کوآپریٹ کرنا چاہتے ہیں ان کو جہاں تک ہو سکے کونسلوں سے نکال دیں تا کہ گورنمنٹ اور رعایا کا تعلق کمزور ہو جائے۔ تیسری غرض ان کی یہ ہے کہ کوآپریٹرز (COOPERATORS) کو نان کوآپریشن (NON COOPERATION) پر مجبور کریں اور وہ اس طرح کہ جب کوئی ایسا موقع آئے کہ جس میں ان کی رائے اعتدال پسندوں سے مل جائے تو اس وقت گورنمنٹ کو شکست دے کر اس کے غیر معقول ہونے کو ظاہر کریں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کے کونسلوں میں داخل ہونے کے بعد جو لوگ پہلے اشتراک فی العمل کے حامی تھے مگر اب ان کے داخل ہونے کے سبب سے چونکہ ان کی اور نان کوآپریٹروں کی خدمت کا مقابلہ کرنے کا ملک کو موقع ملتا ہے اس لئے وہ اس پالیسی کو اختیار نہیں کر سکتے اور ان کو اپنی عزت اور اپنے نام کے

خیال سے مجبوراً اس پہلی سودا کرنے والی پالیسی کو ترک کرنا پڑا ہے۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ ریفارم سے جو فائدہ مد نظر تھا وہ نکلتا ہوا نظر نہیں آتا۔ جیسا کہ سی پی' بنگال اور امپیریل کونسل کے واقعات سے ظاہر ہے۔ اگر گورنمنٹ بار بار پرانی کونسلوں کو منسوخ کرکے نئے انتخاب کرے گی تو تب بھی ان لوگوں کا فائدہ ہے کیونکہ اس سے لوگوں کی توجہ اس پارٹی کی طرف اور بھی پھرے گی اور اگر گورنمنٹ کونسلوں کو موقوف کرکے خود کام کرے گی تب بھی ان کا فائدہ ہے کیونکہ اس صورت میں یہ پارٹی لوگوں سے کہے گی کہ دیکھو ہندوستان کو کوئی اختیارات نہیں دیئے گئے تھے۔ جب کوئی بات گورنمنٹ کی رائے کے خلاف ہوئی اس نے کونسلوں ہی کو توڑ دیا۔ پس اختیارات صرف دکھاوے کے تھے۔

میرے نزدیک موجودہ حالات میں گورنمنٹ کے لئے اصل میں تو یہی راستہ کھلا ہے کہ ریفارم سکیم کی اصلاح کرکے اس کے بدنتائج سے محفوظ ہو۔ لیکن اگر یہ قابل عمل نہ سمجھا جائے تو پھر یہ چاہئے کہ جس ذریعہ سے ان لوگوں کو کامیابی ہوئی ہے اسی ذریعہ کو گورنمنٹ بھی اختیار کرے اور وہ ذریعہ جو انہوں نے اختیار کیا ہے یہ ہے کہ وہ پبلک اپیل کرتے ہیں۔ گورنمنٹ کو بھی یہی ذریعہ اختیار کرنا چاہئے اور یہ موقع سب سے بہتر ہے اس وقت ملک کے لوگوں میں بین الاقوام فسادات کی وجہ سے یہ احساس پیدا ہو رہا ہے کہ انکو برطانوی گورنمنٹ کی ابھی ضرورت ہے۔ پس اس وقت اگر گورنمنٹ عوام الناس کی طرف توجہ کرے تو وہ ملک کو اسی سڑک پر ڈال سکتی ہے جس سے وہ کامیابی کا منہ دیکھ سکے۔

مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ گورنمنٹ کچھ مدت سے سوئی ہوئی ہے۔ جس وقت ہندو مسلمانوں کے فسادات شروع ہوئے میں نے پچھلے سال کے نومبر میں پنجاب گورنمنٹ کو توجہ دلائی تھی کہ ملک میں فساد ہمیشہ نہیں رہ سکتا۔ کچھ دن فساد ہوگا پھر لوگ اکٹھے ہو جائیں گے اور مسٹر گاندھی اس موقع کو کبھی نہیں جانے دیں گے اور لوگ خیال کریں گے کہ اصل خیر خواہ ملک کے مسٹر گاندھی ہیں۔ پس گورنمنٹ کو چاہئے کہ اس وقت خود دخل دے کر ہندوستان کے جھگڑے کو ختم کردے اور میں نے اس کے لئے اپنی جماعت کی خدمات بھی پیش کی تھیں کہ ہم پہلے طرفین کے خیالات معلوم کرکے ابتدائی کام کرسکتے ہیں۔ اگر ایسا ہو جاتا تو یقیناً لوگوں کے دلوں میں یہ بات بیٹھ جاتی کہ گورنمنٹ ملک کی سچی بھی خواہ ہے اور عوام الناس جو ان جھگڑوں سے دل ہی دل میں تنگ ہیں اس کو ایک احسان سمجھتے مگر گورنمنٹ نے مجھے یہ جواب دیا کہ اگر ہم صلح

کرانے کی کوشش کریں گے تو لوگ اس کو بدنیتی پر محمول کریں گے۔ ایک حقیقی فائدہ کو نظر انداز کر کے ایک خیالی خطرہ کی اتباع کرنا صرف بزدلوں کی علامت ہے۔ اب مسٹر گاندھی نے فاقہ کشی کا ڈراوا دیا ہے اور یقیناً ملک کے اکثر لوگ محسوس کریں گے کہ گورنمنٹ فساد چاہتی تھی مگر مسٹر گاندھی نے اپنی جان کی قربانی دے کر ملک کو بچا لیا۔

انگریز افسر کیسا ہو

گو بہت سی باتیں ہیں جن کی اصلاح سے موجودہ حالت کو بدلا جا سکتا ہے مگر ان کو ایک لیکچر میں بیان نہیں کیا جا سکتا اس لئے میں صرف ایک بات کو بیان کر دیتا ہوں جو گورنمنٹ سے نہیں بلکہ اقوام سے تعلق رکھتی ہے۔ میرے نزدیک اس وقت سب سے زیادہ جو اس فساد کی اصلاح میں مدد دے سکتا ہے وہ فرد ہے نہ کہ گورنمنٹ۔ انگریز افسر جو ہندوستان کو بھیجا جاتا ہے اس کے ذہن میں اس بات کو اچھی طرح ڈالنا چاہئے کہ اب ہندوستانیوں کے احساسات بدل گئے ہیں اب ایک حاکم باپ کی طرح حکومت نہیں کر سکتا اب وہ ایک بھائی کی طرح اپنی بات منوا سکتا ہے۔ آج سے پہلے ہندوستانی انگریز افسر کو ماں باپ کہتا تھا اب وہ باہر کے خیالات سے متأثر ہو کر اس کو بھائی کی شکل میں دیکھنا چاہتا ہے اور چاہئے کہ انگریز افسر جو ہمیشہ اپنے ملک کے فوائد کو مد نظر رکھ کر ضرورت زمانہ کے مطابق اپنے حالات بدلتا رہا ہے اب برادرانہ سلوک کو اختیار کرے اور عوام الناس میں مل کر رہے۔ وہ لوگوں سے زیادہ تعلق پیدا کرے۔ وہ اپنی افسریت کے خیال کو ترک کر کے اصرار اور سمجھانے سے کام لے وہ ان کی دعوتوں' ان کی مجلسوں اور ان کی خوشیوں اور غمیوں میں شامل ہو اور اس پرانے ریزرو کو جس کا وہ عادی رہا ہے ترک کر دے تاکہ ہندوستانی اسے صرف اپنا خیر خواہ ہی نہ سمجھیں بلکہ اسے اپنے ہی میں سے خیال کریں۔

انگلستان کے اخبارات کیا کریں

اسی طرح چاہئے کہ انگلستان کے لیکچرار اور اخبار اپنی تقریروں اور تحریروں میں ہندوستانیوں کے احساسات کا خیال رکھیں بعض معمولی باتیں بڑے نتائج پیدا کر دیتی ہیں۔ میرے نزدیک اس قدر ایجیٹیٹر کو کسی اور چیز نے فائدہ نہیں دیا جس قدر کہ بعض انگریزی لیکچراروں کی تقریروں اور بعض نامہ نگاروں کی تحریروں نے۔ ایک ہندوستانی جس وقت یہ پڑھتا ہے کہ اس کے ہم وطنوں کو برا کہا جاتا ہے یا ان کی نسبت یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ملک کی رائے ان کے ساتھ نہیں تو طبعاً وہ ان کی طرف کھنچ جاتا ہے اور اگر پہلے ان کا مخالف تھا تو اب ہمدرد ہو جاتا ہے بس میں آپ لوگوں

سے یہ درخواست کروں گا کہ ہندوستانی طبیعت کا زیادہ مطالعہ کریں اور اپنی تقریروں اور تحریروں اور سلوک میں ہندوستانیوں کے احساسات کا خیال رکھیں۔ مجھے تعجب آتا ہے جبکہ میں انگریزوں سے سنتا ہوں کہ ہندوستانی انگریزوں کی طبیعت کا مطالعہ نہیں کرتے۔ میں مانتا ہوں کہ یہ درست ہے مگر اس میں شبہ نہیں کہ انگریز ہندوستانی کی طبیعت کا بہت ہی کم مطالعہ کرتے ہیں۔ جس قوم کے ہاتھ میں حکومت کی باگ ہو اس کا فرض ہے کہ وہ پہلے قدم اٹھائے۔ پس چاہئے کہ برطانیہ کے لوگ ہندوستانیوں کی طبیعت کا گہرا مطالعہ کریں پھر ان سے ہمدردانہ معاملہ کریں اس سے لازماً ہندوستانیوں کی بدظنیاں دور ہو جائیں گی اور طبائع اس امر کے لئے تیار ہو جائیں گی کہ ٹھنڈے دل سے ان اختلافات کو دور کرنے کے لئے باہم بیٹھ کر غور کر سکیں جن کی موجودگی دونوں قوموں کو تکلیف دے رہی ہے۔ اگر تھوڑی سی احساسات کی قربانی اگر تھوڑا سا جذبات کو دباتا ہندوستان کے ہیرے کو جو برٹش تاج کی زینت رہا ہے مگر اس وقت اپنی جگہ سے ہل رہا ہے پھر اپنی جگہ پر مضبوطی سے قائم کر دے تو کیا آپ لوگ اس کے لئے تیار نہیں ہوتے؟ مجھے یقین رکھنا چاہئے کہ ضرور ہوں گے!!!

(الفضل یکم نومبر ۱۹۲۴ء)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور تعلیم

(حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا لیکچر جو ۲۸ ستمبر ۱۹۲۴ء کی شام کو لندن میں بزبان انگریزی پڑھا گیا)

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ - ھُوَالنَّاصِرُ

صدر جلسہ! میرے عزیز نوجوانانِ انگلستان!! بہنو اور بھائیو!!! مجھے نہایت خوشی ہوئی ہے کہ آپ لوگوں نے مجھے اس شخص کے حالات اور تعلیم بیان کرنے کا موقع دیا ہے جو انسانوں میں سے مجھے سب سے زیادہ پیارا اور عزیز ہے اور جو نہ صرف بڑی عمر کے لوگوں کا راہنما ہے بلکہ چھوٹے بچوں کا بھی راہنما ہے۔

ہر انسان کی زندگی کے کئی پہلو ہوتے ہیں اور کئی نقطہ نگاہ کو مدنظر رکھ کر اس کی زندگی کے حالات پر روشنی ڈالی جاسکتی ہے۔ میں آج رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور آپؐ کی تعلیم کے متعلق اس امر کو مدنظر رکھتے ہوئے روشنی ڈالوں گا کہ نوجوان اور بچے اس سے کیا فائدہ حاصل کرسکتے ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جائے پیدائش

تیرہ سو سال سے زیادہ کا عرصہ ہوا کہ ۲۰- اپریل ۵۷۱ء کو عرب کے ملک میں بحیرہ احمر کے مشرقی کناروں کے قریب ساحل سمندر سے ۴۰ میل کے فاصلہ پر مکّہ نامی گاؤں میں ایک لڑکا پیدا ہوا- ایک معمولی بچہ اس قسم کا بچہ جس قسم کے بچے کہ دنیا میں روز پیدا ہوتے ہیں مگر مستقبل اسکے لئے اپنے اخفاء کے پردہ میں بہت کچھ چھپائے ہوئے تھا-

اس بچہ کی والدہ کا نام آمنہ تھا اور باپ کا نام عبداللہ اور دادا کا نام عبدالمطّلب ۔ اس بچہ کی پیدائش اسکے گھر والوں کے لئے دلوں میں دو متضاد جذبات پیدا کررہی تھی، خوشی اور غم کے

جذبات- خوشی اس لئے کہ ان کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا ہے جس سے ان کی نسل دنیا میں قائم رہے گی اور نام محفوظ رہے گا- اور غم اس وجہ سے کہ وہ بچہ اپنی ماں کو ایک نہایت ہی محبت کرنے والے خاوند کی اور اپنے دادا کو ایک نہایت ہی اطاعت گزار بیٹے کی جو اپنے بچہ کی پیدائش سے پہلے ہی اس دنیا کو چھوڑ چکا تھا یاد دلا رہا تھا-

اس کی شکل اور شباہت' اس کا سادگی سے مسکرانا' اس کا حیرت سے اس نئی دنیا کو دیکھنا جس میں وہ بھیجا گیا تھا غرض اس کی ہر ایک بات اس نوجوان خاوند اور بیٹے کی یاد کو تازہ کرتی تھی جو سات ماہ پہلے اپنے بوڑھے باپ اور جوان بیوی کو داغ جدائی دے کر اپنے پیدا کرنے والے سے جاملا تھا' مگر خوشی غم پر غالب تھی کیونکہ اس بچہ کی پیدائش سے اُس مرنے والے کا نام ہمیشہ کے لئے محفوظ ہوگیا- دادا نے اس بچہ کا نام جو پیدائش سے پہلے ہی یتیم ہو چکا تھا مُحمد رکھا اور اس یتیم بچہ نے اپنی والدہ اور اپنے چچا کی ایک خادمہ کے دودھ پر پرورش پانی شروع کی-

آپؐ کی پرورش

مکہ کے لوگوں میں رواج تھا کہ وہ اپنے بچوں کو گاؤں کی عورتوں کو پرورش اور دودھ پلانے کے واسطے دے دیتے تھے کیوں کہ وہ سمجھتے تھے کہ بچہ کی پرورش شہر میں اچھی طرح نہیں ہوسکتی اور اس طرح صحت خراب ہوجاتی ہے- مکہ کے ارد گرد کے تیس چالیس میل کے فاصلہ کے گاؤں کے لوگ وقتاً فوقتاً شہر میں آتے اور بچوں کو لے جاتے اور جب وہ پال کر واپس لاتے تو ان کے ماں باپ پالنے والوں کو بہت کچھ انعام دیتے-

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے بعد جب یہ لوگ آئے تو ان کی والدہ نے بھی چاہا کہ آپ کو بھی کسی خاندان کے سپرد کر دیں مگر ہر ایک عورت اس بات کو معلوم کر کے کہ آپ یتیم ہیں آپ کو لے جانے سے انکار کردیتی- کیونکہ وہ ڈرتی تھی کہ بِن باپ کے بچہ کی پرورش پر انعام کون دے گا- اس طرح یہ آئندہ بادشاہوں کا سردار ہونے والا بچہ ایک ایک کے سامنے پیش کیا گیا اور سب نے اس کے لے جانے سے انکار کر دیا-

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دائی حلیمہ کا عجیب و غریب واقعہ

مگر خدا تعالیٰ کی قدرتیں بھی عجیب ہوتی ہیں- اس نے اس مبارک بچہ کی والدہ کا دل رکھنے کے لئے اور اس بچہ کے گاؤں میں پرورش پانے کے لئے اور سامان کر چھوڑے تھے- یہ لوگ جو بچے لینے کے لئے آئے تھے ان میں سے غریب عورت حلیمہ

نامی بھی تھی۔ جس طرح محمد (ﷺ) ایک ایک عورت کے سامنے کئے جاتے تھے اور رد کر دیئے جاتے تھے اسی طرح وہ عورت ایک ایک گھر میں جاتی تھی اور رد کر دی جاتی تھی چونکہ وہ غریب تھی اور کوئی شخص پسند نہ کرتا تھا کہ اس کا بچہ غریب کے گھر پرورش پا کر تکلیف اُٹھائے۔ یہ عورت مایوس ہو گئی تو اپنے ساتھ والوں کے طعنوں کے ڈر سے اس نے ارادہ کیا کہ وہ آپ کو ہی لے جائے چنانچہ وہ آپ کو ہی ساتھ لے گئی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی والدہ کی وفات

جب آپ نے کچھ ہوش سنبھالی تو آپ کی دائی آپ کو آپ کی ماں کے پاس چھوڑ گئی وہ آپ کو اپنے ماں باپ کے گھر مدینہ لے گئیں اور وہاں کچھ عرصہ رہ کر جب مکہ کی طرف واپس آ رہی تھیں تو راستہ میں ہی فوت ہو گئیں اور محمد ﷺ چھ سال کی عمر میں اپنی ماں کی محبت بھری گود سے بھی محروم رہ گئے۔ کسی نے آپ کو مکہ آپ کے دادا کے پاس پہنچا دیا جو دو سال کے بعد جب آپ آٹھ سال کے ہوئے فوت ہو گئے اور آپ کو آپ کے چچا ابو طالب نے اپنی کفالت میں لے لیا۔ اس طرح یکے بعد دیگرے اپنے محبت کرنے والوں کی گود سے آپ جدا ہوتے رہے حتیٰ کہ آپ جوانی کو پہنچے۔

غریب گھرانے میں پرورش

جن گھروں میں آپ نے پرورش پائی وہ امیر گھر نہ تھے وہاں میز بچھا کر کھانا نہیں ملتا تھا بلکہ مالی، حالی اور ملکی رواج کے ماتحت جس وقت کھانے کا وقت آتا بچے ماں کے گرد جمع ہو کر کھانے کے لئے شور مچا دیتے اور ہر ایک دوسرے سے زیادہ حصہ چھین لے جانے کی کوشش کرتا۔ آپ کے چچا کی نوکر بیان کرتی ہے کہ آپؐ کی یہ عادت نہ تھی جس وقت گھر کے سب بچے چھینا جھپٹی میں مشغول ہوتے آپ ایک طرف خاموش ہو کر بیٹھ جاتے اور اس بات کی انتظار کرتے کہ چچی خود انکو کھانا دے اور جو کچھ آپ کو دیا جاتا اسے خوش ہو کر کھا لیتے۔

صادق اور امین

جب آپ کی عمر بیس سال کی ہوئی تو آپ ایک ایسی سوسائٹی میں شامل ہوئے جس کا ہر ایک ممبر اس امر کی قسم کھاتا تھا کہ اگر کوئی مظلوم خواہ کسی قوم کا ہو اسے مدد کے لئے بلائے گا تو وہ اس کی مدد کرے گا یہاں تک کہ اس کا حق اس کو مل جائے اور اس نوجوانی کی عمر میں آپ کا یہ مشغلہ تھا کہ جب کسی شخص کی نسبت معلوم ہوتا کہ اس کا حق کسی نے دبا لیا ہے تو آپ اس کی مدد کرتے یہاں تک کہ ظالم مظلوم کا حق واپس کر دیتا۔ آپ کی سچائی، امانت اور نیکی اِس عمر میں اس قدر مشہور ہو گئی کہ لوگ آپ کو صادق اور امین کہا

کرتے تھے۔

حضرت خدیجہؓ سے شادی

جب اس نیکی کا چرچا بہت ہونے لگا تو ۲۵ سال کی عمر میں آپ کو مکہ کی ایک مالدار تاجر عورت خدیجہ نے نفع پر شراکت کا فیصلہ کر کے تجارت کے لئے شام کو بھیجا اور آپ کے ساتھ ایک غلام بھی گیا۔ اس سفر میں آپ کی نیکی اور دیانتداری کی وجہ سے اس قدر نفع ہوا کہ پہلے خدیجہ کو کبھی اس قدر نفع نہ ملا تھا اور آپ کے نیک سلوک اور شریفانہ برتاؤ کا ان کے غلام پر جس کو انہوں نے ساتھ بھیجا تھا اس قدر اثر ہوا کہ وہ آپ کو نہایت ہی پیار کرنے لگا اور اس نے حضرت خدیجہؓ کو سب حال سنایا۔ ان کے دل پر بھی آپ کی نیکی کا اس قدر اثر ہوا کہ انہوں نے آپ سے شادی کی درخواست کی اور آپ نے اسے منظور کرلیا۔ اُس وقت حضرت خدیجہؓ کی عمر ۴۰ سال کے قریب تھی اور آپ کی عمر صرف ۲۵ سال۔[۲۶]

غلاموں کو آزاد کرنا

خدیجہؓ نے نکاح کے بعد سب سے پہلا کام یہ کیا کہ جس قدر مال ان کے پاس تھا اور غلام ان کی خدمت میں تھے پیش کردیئے اور کہا کہ یہ سب کچھ اب آپ کا ہے اور آپ نے سب سے پہلے یہ کام کیا کہ سب غلاموں کو آزاد کر دیا اور اس طرح اپنی جوانی میں وہ کام کیا جو اس سے پہلے بوڑھے بھی نہیں کر سکتے تھے۔

گوشہ تنہائی میں عبادت کی عادت

آپ اپنے ملک کی خرابیوں کو دیکھ کر بہت افسردہ رہتے تھے اور بالعموم شہر سے تین میل کے فاصلہ پر "حرا" نامی پہاڑ کی چوٹی پر ایک پتھروں کی غار میں بیٹھ کر اپنے ملک کی خرابیوں اور شرک کی کثرت پر غور کیا کرتے تھے اور اس جگہ ایک خدا کی پرستش کیا کرتے تھے۔ اس عبادت میں آپ کو اس قدر لطف آتا تھا کہ آپ کئی دفعہ کئی کئی دن کی غذا گھر سے لے کر جاتے تھے اور کئی کئی دن اس غار میں رہتے تھے۔

۴۰ سال کی عمر میں الہام الٰہی کا نزول

آخر جب کہ آپ ۴۰ سال کی عمر کے تھے آپ پر خدا کی طرف سے الہام نازل ہوا کہ خدا تعالیٰ کی عبادت کر اور اس سے علم کی ترقی اور روحانی عزت اور اُن علوم کے حصول کے لئے دعا کر جو پہلے دنیا کو معلوم نہ تھے۔

آپ کی طبیعت پر اس وحی کا ایسا اثر ہوا کہ آپ گھبرا کر گھر آئے اور اپنی بیوی حضرت خدیجہؓ سے

کہاکہ مجھے ایسا الہام ہوا ہے- میں ڈرتا ہوں کہ یہ میری آزمائش ہی نہ ہو- حضرت خدیجہؓ نے جو آپ کی ایک ایک حرکت کا غور سے مطالعہ کرتی تھی اس بات کو سن کر جواب دیا کہ نہیں ہرگز نہیں' یہ نہیں ہو سکتا کہ خدا تعالیٰ اس طرح آپ کو ابتلاء میں ڈالے- حالانکہ آپ رشتہ داروں سے نیک سلوک کرتے ہیں اور جو لوگ کام نہیں کرسکتے ان کی مدد کرتے ہیں اور آپ سے وہ اخلاق ظاہر ہوتے ہیں جو دنیا میں اور کسی سے ظاہر نہیں ہوتے اور آپ مہمانوں کی خوب خاطرومدارات کرتے ہیں اور جو لوگ مصائب میں مبتلا ہیں ان کی مدد کرتے ہیں-[۴۵]

یہ اُس عورت کی رائے ہے جو آپ کی پہلی بیوی تھی اور جو آپ کے تمام اعمال سے واقف تھی اور اُس سے زیادہ سچا گواہ اور کون ہو سکتا ہے؟ کیونکہ انسان کی حقیقت ہمیشہ تجربہ سے معلوم ہوتی ہے اور تجربہ جس قدر بیوی کو خاوند کے حالات کا ہوتا ہے دوسرے کو نہیں ہو سکتا مگر آپ کی تکلیف اس تسلی سے دور نہ ہوئی اور حضرت خدیجہؓ نے یہ تجویز کی کہ آپ میرے بھائی جو بائیبل کے عالم ہیں سے ملیں اور ان سے پوچھیں کہ اس قسم کی وحی کا کیا مطلب ہوتا ہے؟

ورقہ بن نوفل یہودی کا تصدیق کرنا

چنانچہ آپ وہاں تشریف لے گئے اور ورقہ بن نوفل سے جو حضرت خدیجہؓ کے رشتہ میں بھائی تھے جاکر پہلے ان کو سب حال سنایا- انہوں نے سن کر کہا کہ گھبرائیں نہیں تمہیں اسی طرح خدا تعالیٰ کی طرف سے وحی ہوئی جس طرح کہ موسیٰؑ کو ہوا کرتی تھی اور پھر کہا کہ افسوس کہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں کاش! کہ میں اس وقت جوان ہوتا جب خدا تعالیٰ تجھے دنیا کی اصلاح کے لئے مبعوث کرے گا اور تیری قوم تجھے شہر سے نکال دے گی-

رسول کریم ﷺ جو رات دن دنیا کی بہتری کی فکر میں لگے ہوئے تھے اور سب اہل شہر ان سے خوش تھے اس امر کو سن کر حیران ہوئے اور حیرت سے دریافت فرمایا کہ کیا میری قوم مجھے نکال دے گی؟ ورقہ نے کہا ہاں! کبھی کوئی شخص اس قدر بڑے پیغام کو لے کر نہیں آیا جو تُو لایا ہے[۴۶] کہ اس کی قوم نے اس پر ظلم نہ کیا ہو اور اس کو دکھ نہ دیا ہو- اس سلوک اور محبت کی وجہ سے جو آپ لوگوں سے کرتے تھے اس محبت کے سبب سے جو آپ کو ہر ایک آدمی کے ساتھ تھی اور اس خدمت کے ماتحت جو آپ اپنے شہر کے غرباء کی کرتے تھے. یہ بات کہ شہر کے لوگ آپ کے دشمن ہو جائیں گے آپ کو عجیب معلوم ہوئی مگر مستقبل آپ کے لئے کچھ اور چھپائے ہوئے تھا-

توریت کی پیشگوئی پوری ہوئی

اس واقعہ کے چند ہی ماہ کے بعد آپ کو پھر وحی ہوئی اس میں آپ کو حکم دیا گیا کہ آپ سب لوگوں کو خدا تعالیٰ کی طرف بلائیں اور بدی کو دنیا سے مٹائیں اور شرک دور کریں اور نیکی اور تقویٰ کو قائم کریں اور ظلم کو دور کریں- اس وحی کے ساتھ آپ کو نبوت کے مقام پر کھڑا کیا گیا اور آپ کے ذریعہ سے استثناء باب ۱۸ آیت ۱۸ کی وہ پیشگوئی پوری ہوئی کہ میں تیرے بھائیوں میں تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا- آپ بنو اسماعیل میں سے تھے جو بنی اسرائیل کے بھائی تھے اور آپ اسی طرح ایک نیا قانون لے کر آئے جس طرح کہ حضرت موسیٰؑ ایک نیا قانون لے کر آئے تھے-

دعویٰ نبوت پر یگانے بیگانے ہوگئے

رسول کریم ﷺ کو نبوت کا عہدہ ملنا تھا کہ یکدم آپ کے لئے دنیا بدل گئی - وہ لوگ جو پہلے محبت کرتے تھے نفرت کرنے لگے اور جو عزت کرتے تھے حقارت کی نگاہ سے دیکھنے لگے جو تعریف کرتے تھے مذمت کرنے لگے اور جو لوگ پہلے آپ کو آرام پہنچاتے تھے تکلیف پہنچانے لگے- مگر چار آدمی جن کو آپ سے بہت زیادہ تعلق کا موقع ملا تھا وہ آپ پر ایمان لائے یعنی خدیجہؓ آپ کی بیوی، علیؓ آپ کے چچا زاد بھائی اور زیدؓ آپ کے آزاد کردہ غلام اور ابوبکرؓ آپ کے دوست-اور ان سب کے ایمان کی دلیل اس وقت یہی تھی کہ آپ جھوٹ نہیں بول سکتے - ان چاروں میں سے حضرت ابوبکرؓ کا ایمان لانا عجیب تر تھا- جس وقت آپ کو وحی ہوئی کہ آپ نبوت کا دعویٰ کریں اس وقت حضرت ابوبکرؓ مکہ کے ایک رئیس کے گھر میں بیٹھے تھے - اس رئیس کی لونڈی آئی اور اس نے آکر بیان کیا کہ خدیجہؓ کو معلوم نہیں کہ کیا ہو گیا ہے؟ وہ کہتی ہیں کہ میرے خاوند اسی طرح نبی ہیں جس طرح حضرت موسیٰؑ تھے-

لوگ اس خبر پر ہنسنے لگے اور اس قسم کی باتیں کرنے والوں کو پاگل قرار دینے لگے مگر حضرت ابوبکرؓ جو رسول کریم ﷺ کے حالات سے بہت گہری واقفیت رکھتے تھے اسی وقت اٹھ کر حضرت رسول کریم ﷺ کے دروازے پر آئے اور پوچھا کہ کیا آپ نے کوئی دعوی کیا ہے؟ آپؐ نے بتایا ہاں! اللہ تعالیٰ نے مجھے دنیا کی اصلاح کے لئے مبعوث کیا ہے اور شرک کے مٹانے کا حکم دیا ہے- حضرت ابوبکرؓ نے بغیر اس کے کہ کوئی اور سوال کرتے جواب دیا کہ مجھے اپنے باپ کی اور ماں کی قسم! کہ تُو نے کبھی جھوٹ نہیں بولا اور میں نہیں مان سکتا کہ تُو خدا پر جھوٹ بولے گا پس میں ایمان لاتا ہوں کہ خدا کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور یہ کہ آپ خدا تعالیٰ کی طرف سے رسول

ہیں۔ اس کے بعد ابوبکرؓ نے ایسے نوجوانوں کو جمع کر کے جو ان کی نیکی اور تقویٰ کے قائل تھے سمجھانا شروع کیا اور سات آدمی اور رسول کریم ﷺ پر ایمان لائے۔ یہ سب نوجوان تھے جن کی عمر ۱۲ سال سے لیکر ۲۵ سال تک تھی۔

ایمان لانے والوں پر مصائب کے ہجوم

سچائی کا قبول کرنا آسان کام نہیں۔ مکہ کے لوگ جن کا گزارہ ہی بتوں کے معبدوں کی حفاظت اور مجاورت پر تھا۔ وہ کب اس تعلیم کو برداشت کرسکتے تھے کہ ایک خدا کی پرستش کی تعلیم دی جائے؟ جونہی ایمان لانے والوں کے رشتہ داروں کو معلوم ہوا کہ ایک ایسا مذہب مکہ میں جاری ہوا ہے اور ان کے عزیز اس پر ایمان لے آئے ہیں۔ انہوں نے ان کو تکلیف دینی شروع کی۔ حضرت عثمانؓ کو ان کے چچا نے باندھ کر گھر میں قید کر دیا اور کہا کہ جب تک اپنے خیالات سے توبہ نہ کرے میں نہیں چھوڑوں گا۔ اور زبیرؓ ایک اور مؤمن تھے جن کی عمر ۱۵ سال کے قریب تھی۔ ان کو انکے رشتہ داروں نے قید کر لیا اور تکلیف دینے کے لئے جس جگہ ان کو بند کیا ہوا تھا اس میں دُھواں بھر دیتے تھے مگر وہ اپنے ایمان پر پختہ رہے اور اپنی بات کو نہ چھوڑا۔ ایک اور نوجوان کی والدہ نے ایک نیا طریق نکالا اس نے کھانا کھانا چھوڑ دیا اور کہا جب تک تو اپنے آباء کی طرح عبادت نہیں کرے گا اس وقت تک میں کھانا نہیں کھاؤں گی مگر اس نوجوان نے جواب دیا کہ میں دنیا کے ہر معاملہ میں ماں باپ کی فرمانبرداری کروں گا مگر خدا تعالیٰ کے معاملہ میں ان کی نہیں مانوں گا کیوں کہ خدا تعالیٰ کا تعلق ماں باپ سے بھی زیادہ ہے۔

غرض سوائے ابوبکرؓ اور خدیجہؓ کے آپ پر ابتدائی زمانہ میں ایمان لانے والے سب نوجوان تھے جن کی عمر ۱۵ سال سے لے کر ۲۵ سال تک کی تھیں۔ پس یوں کہنا چاہئے کہ محمد ﷺ جنہوں نے بوجہ یتیم ہونے کے نہایت چھوٹی عمر سے اپنے لئے راستہ بنانے کی مشق کی جب ان کو خدا تعالیٰ نے مبعوث کیا تو اس وقت بھی آپ کے گرد نوجوان ہی آکر جمع ہوئے پس اسلام اپنی ابتداء کے لحاظ سے نوجوانوں کا دین تھا۔

اہلِ مکّہ کو علی الاعلان تبلیغ

چونکہ ہر نبی کے لئے عام تبلیغ کرنی ضروری ہوتی ہے آپؐ نے ایک دن ایک بلند جگہ پر کھڑے ہو کر مختلف گھرانوں کا نام لے کر بلانا شروع کیا۔ چونکہ لوگ آپ پر بہت ہی اعتبار کرتے تھے سب لوگ جمع ہونے شروع ہوگئے اور جو لوگ خود نہ آسکتے تھے انہوں نے اپنے قائم مقام بھیجے تاکہ سنیں کہ آپ کیا کہتے ہیں

جب سب آکر جمع ہوگئے تو آپ نے فرمایا کہ اے اہل مکہ! اگر میں تم کو یہ ناممکن خبردوں کہ مکہ کے پاس ہی ایک بڑا لشکر اترا ہوا ہے جو تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے توکیا تم میری بات مان لوگے؟ یہ بات بظاہر ناممکن تھی کیونکہ مکہ اہل عرب کے نزدیک ایک متبرّک مقام تھا اور یہ خیال بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ کوئی.قوم اس پر حملہ کرنے آئے گی اور پھر یہ بھی بات تھی کہ مکہ کے جانور دور دور تک چَرتے تھے اگر کوئی لشکر آتا تو ممکن نہ تھا کہ جانور چَرانے والے اس سے غافل رہیں اور دوڑ کر لوگوں کو خبر نہ دیں- مگر باوجود اس کے کہ یہ بات ناممکن تھی سب لوگوں نے کہا کہ ہم آپ کی بات ضرور مان لیں گے کیونکہ آپ کبھی جھوٹ نہیں بولتے - آپ نے فرمایا کہ جب تم گواہی دیتے ہو کہ میں کبھی جھوٹ نہیں بولتا تو میں تم کو بتاتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے مجھے اس لئے مبعوث کیا ہے کہ میں اسکا پیغام تم کو پہنچاؤں اور یہ سمجھاؤں کہ جو کام تم کرتے ہو اس کا نتیجہ اچھا نہیں ہو گا- یہ بات سنتے ہی لوگ بھاگ گئے اور کہا کہ یہ شخص پاگل ہو گیا ہے یا جھوٹا ہے- تمام شہر میں شور پڑ گیا اور جو لوگ آپ پر ایمان لائے تھے ان پر نہایت سختیاں ہونے لگیں- بھائی نے بھائی کو چھوڑ دیا' ماں باپ نے بچوں کو نکال دیا' آقاؤں نے نوکروں کو دکھ دینا شروع کیا' چودہ چودہ پندرہ پندرہ سالہ نوجوانوں کو جو کسی رسم و رواج کے پابند نہ تھے بلکہ مذہب کی تحقیق میں اپنی عقل سے کام لیتے تھے اور اسی لئے جلد آپ پر ایمان لے آتے تھے- ان کے ماں باپ قید کر دیتے اور کھانا اور پانی دینا بند کر دیتے تاکہ وہ توبہ کرلیں مگر وہ ذرہ بھی پرواہ نہ کرتے تھے اور خشک ہونٹوں اور گڑھوں میں گھسی ہوئی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتے - یہاں تک کہ ماں باپ آخر اس ڈر سے کہیں مر نہ جائیں ان کو کھانا پینا دے دیتے - نوجوانوں پر تو رحم کرنے والے لوگ موجود تھے مگر جو غلام آپ پر ایمان لائے ان کی حالت نہایت نازک تھی- اور یہی حال دوسرے غرباء کا تھا جن کی مدد کرنے والا کوئی نہ تھا- غلاموں کو لوہے کی زِرہیں پہنا دیتے تھے اور پھر ان کو سورج کے سامنے کھڑا کر دیتے تھے تاکہ موسم گرم ہو کر ان کا جسم جھلس دے (یہ مد نظر رکھنا چاہئے کہ وہ عرب کا سورج تھا نہ کہ انگلستان کا) بعض کی لاتوں میں رسیاں ڈال کر ان کو زمین پر گھسیٹتے تھے - بعض دفعہ لوگ لوہے کی سیخیں گرم کرکے ان سے مسلمانوں کا جسم جلاتے تھے اور بعض دفعہ سوئیوں سے ان کے چمڑوں کو اس طرح چھیدتے تھے جس طرح کہ کپڑا سیتے ہیں مگر وہ ان سب باتوں کو برداشت کرتے تھے اور عذاب کے وقت کہتے جاتے تھے کہ وہ ایک خدا کی پرستش کو نہیں چھوڑ سکتے- ایک عورت جو نہایت ہی پختہ مسلمان تھی اس کے پیٹ میں نیزہ مار کر

اس کو مار دیا گیا۔

آپ پر لوگوں کے ظلم خود رسول کریم ﷺ کو بھی بہت دکھ دیتے تھے گو ڈرتے بھی تھے کیونکہ آپ کے خاندان کی مکہ میں بہت عزت تھی۔ لوگ آپ کو گالیاں دیتے بعض دفعہ نماز میں جب آپ سجدہ کرتے تو سر پر اوجھری ڈال دیتے۔ کبھی سر پر راکھ پھینک دیتے۔ ایک دفعہ آپ سجدہ میں تھے کہ ایک شخص آپؐ کی گردن پر پاؤں رکھ کر کھڑا ہو گیا اور دیر تک اس نے آپ کو اس طرح دبائے رکھا۔ ایک دفعہ آپ عبادت کے لئے خانہ کعبہ میں گئے تو آپ کے گلے میں کپڑا ڈال کر گھونٹنا شروع کر دیا[۵۲]۔ مگر باوجود ان مخالفتوں کے آپ تبلیغ میں لگے رہتے اور ذرہ پرواہ نہ کرتے۔

آپ کا تعلیم دینا جہاں بھی لوگ بیٹھے ہوتے آپؐ وہاں جا کر ان کو تعلیم دیتے کہ خدا تعالیٰ ایک ہے اسکے سوا کوئی معبود نہیں، نہ اس کا کوئی بیٹا ہے نہ بیٹی، نہ اس سے کوئی پیدا ہوا اور نہ وہ کسی کا بیٹا ہے۔ نہ زمین میں نہ آسمان میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس پر ایمان لانا چاہئے اور اس سے دعائیں مانگنی چاہئیں۔ وہ لطیف ہے اس کو کوئی نہیں دیکھ سکتا اس میں سب طاقتیں ہیں اسی نے دنیا کو پیدا کیا ہے اور جب لوگ مرجاتے ہیں تو ان کی روحیں اسی کے پاس جاتی ہیں اور ایک زندگی ان کو دی جاتی ہے۔ اور چاہئے کہ اس کی محبت کو اپنے دل میں پیدا کریں اور اس سے تعلق کو مضبوط کریں اور اس کے قریب ہونے کی خواہش کریں اور اپنے خیالات اور اپنی زبان کو پاک کریں۔ کوئی جھوٹ نہ بولے، قتل نہ کرے، فساد نہ کرے، چوری نہ کرے، ڈاکہ نہ مارے، عیب نہ لگائے، طعنہ نہ دے، بدکلامی نہ کرے، ظلم نہ کرے، حسد نہ کرے اور اپنے وقت کو اپنے آرام اور عیاشی میں صرف نہ کرے بلکہ بنی نوع انسان کی ہمدردی اور بہتری میں گذارے اور محبت اور اُنس کی اشاعت کرے۔

مشرکوں کی حالت کا نقشہ یہ تعلیم تھی جو آپ دیتے مگر باوجود اس کے کہ یہ تعلیم اعلیٰ درجہ کی تھی لوگ آپ پر ہنستے۔ مکہ کے لوگ سخت بُت پرست تھے اور سینکڑوں بت بنا کر اپنے معبد میں رکھے ہوئے تھے جن کے سامنے وہ روزانہ عبادت کرتے تھے اور جن کے آگے باہر سے آنیوالے لوگ نذرانے چڑھاتے تھے جن پر کئی معزز خاندانوں کا گزارہ تھا۔ ان لوگوں کے لئے ایک خدا کی عبادت بالکل عجیب تعلیم تھی، وہ اس بات کو سمجھ ہی نہیں سکتے تھے کہ خدا تعالیٰ کیوں انسان کی شکل میں کسی پتھر کے بُت میں ظاہر نہیں ہو سکتا۔ وہ

ایک نہ نظر آنے والے خدا کا تخیّل ناممکنات سے سمجھتے تھے- پس جب وہ آپ کو دیکھتے' ہنستے اور کہتے کہ دیکھو اس شخص نے سب خداؤں کو اکٹھا کر دیا ہے کیونکہ وہ خیال کرتے تھے کہ کئی خداؤں کے ہونے میں تو کوئی شُبہ ہی نہیں - پس محمد ﷺ جو کہتے ہیں کہ ایک ہی خدا ہے اس سے مراد ان کی یہ ہے کہ انہوں نے اب سب خداؤں کو اکٹھا کرکے ایک ہی بنا دیا ہے- اور اپنی اس غلط فہمی کی بیہودگی کو آپ کی طرف منسوب کرکے خوب قہقہے لگاتے - بعث بعد الموت کا عقیدہ بھی ان کے لئے عجیب تھا وہ ہنستے اور کہتے کہ یہ شخص خیال کرتا ہے کہ جب ہم مرجائیں گے تو پھر زندہ ہوں گے-

صحابہؓ کا حبشہ کو ہجرت کرنا

جب مسلمانوں کی تکلیفیں بہت بڑھ گئیں تو رسول کریم ﷺ نے صحابہؓ کو اجازت دے دی کہ وہ حبشہ کو جو اس وقت بھی ایک مسیحی حکومت تھی ہجرت کرکے چلے جاویں- چنانچہ اکثر مسلمان مرد و عورت اپنا وطن چھوڑ کر افریقہ کو چلے گئے- مکہ والوں نے وہاں بھی ان کا پیچھا نہ چھوڑا بادشاہ کے پاس ایک وفد بھیجا کہ ان لوگوں کو واپس کردیں تاکہ ہم انکو سزا دیں- مسیحی بادشاہ بہت ہی منصف مزاج تھا جب اس کے پاس وفد پہنچا تو اس نے دوسرے فریق کا بھی بیان سننا پسند کیا اور مسلمان دربار شاہی میں بلائے گئے- یہ واقعہ نہایت ہی دردناک ہے ہم قوموں کے ظلموں سے تنگ آکر اپنے وطن کو خیرباد کہنے والے مسلمان ابی سینیا کے بادشاہوں کے دربار میں اس خیال سے پیش ہوتے ہیں کہ اب شاید ہم کو ہمارے وطن کو واپس کرایا جائے گا اور ظالم اہل مکہ اور بھی زیادہ ظلم ہم پر کریں گے- جب وہ بادشاہ کے سامنے پیش ہوئے تو اس نے پوچھا کہ تم میرے ملک میں کیوں آئے ہو؟ مسلمانوں نے جواب دیا کہ اے بادشاہ ہم پہلے جاہل تھے اور ہمیں نیکی اور بدی کا کوئی علم نہ تھا بُتوں کو پوجتے تھے اور خدا تعالیٰ کی توحید سے ناواقف تھے- ہر اک قسم کے بُرے کام کرتے تھے' ظلم' ڈاکہ' قتل' بدکاری ہمارے نزدیک معیوب نہ تھے- اب اللہ تعالیٰ نے محمد (ﷺ) کو مبعوث کیا اس نے ہمیں ایک خدا کی پرستش سکھائی اور بدیوں سے ہمیں روکا اِنصاف اور عدل کا حکم دیا' محبت کی تعلیم دی اور تقوی کا راستہ بتایا تب وہ لوگ جو ہمارے بھائی بند ہیں انہوں نے ہم پر ظلم کرنا شروع کیا اور ہم کو طرح طرح کے دکھ دینے شروع کئے ہم آخر تنگ آکر اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور ہوگئے اور تیرے ملک میں آئے ہیں- اب یہ لوگ ہمیں واپس لے جانے کے لئے یہاں بھی آگئے ہیں ہمارا قصور اسکے سوا کوئی نہیں کہ ہم اپنے خدا کے پرستار ہیں-

شاہِ حبشہ کا واپس کرنے سے انکار اور صحابہؓ کی مدد کرنا

اس تقریر کا بادشاہ پر ایسا اثر ہوا کہ اس نے مسلمانوں کو واپس کرنے سے انکار کردیا مکہ کے وفد نے درباریوں سے ساز باز کرکے پھر بھی دوسرے دن بادشاہ کے سامنے وہی سوال پیش کیا اور کہا کہ یہ حضرت مسیحؑ کو گالیاں دیتے تھے۔ بادشاہ نے پھر دوبارہ مسلمانوں کو بلایا انہوں نے جو اسلام کی تعلیم مسیحؑ کے متعلق ہے بیان کی کہ ہم انکو خدا تعالیٰ کا پیارا اور نبی مانتے ہیں ہاں ہم انہیں کسی طرح بھی خدائی کے قابل نہیں جانتے۔ کیونکہ ہمارے نزدیک خدا تعالیٰ ایک ہے اور اس بات پر درباری جوش میں آگئے اور بادشاہ سے مطالبہ کیا کہ وہ انکو سزا دے مگر بادشاہ نے کہا کہ یہی میرا عقیدہ ہے اور اس عقیدہ کیوجہ سے ان لوگوں کو ظالموں کے ہاتھوں میں نہیں دے سکتا۔ پھر درباریوں سے کہا کہ مجھے تمہارے غصہ کی بھی پروا نہیں ہے خدا کو بادشاہت پر ترجیح دیتا ہوں

اہل مکہ کا آپ کے چچا کو تنگ کرنا

ادھر اہل مکہ نے رسول کریم ﷺ کو اور زیادہ تکلیفیں دینی شروع کیں۔ اور آکر آپ کے چچا کو جو مکہ کے بڑے رئیس تھے اور انکی وجہ سے لوگ آپکو زیادہ دکھ دینے سے ڈرتے تھے کہا کہ آپ کسی اور رئیس کا لڑکا اپنا لڑکا بنالیں اور محمد ﷺ کو ہمارے حوالہ کردیں تاہم اسکو سزا دیں۔ انہوں نے کہا یہ عجیب درخواست ہے تم چاہتے ہو کہ میں تمہارے لڑکے کو لے کر اپنا مال اس کے حوالہ کردوں اور اپنے لڑکے کو تمہارے حوالہ کردوں کہ تم اسے دکھ دے دے کر مار دو۔ کیا کوئی جانور بھی ایسا کرتا ہے کہ اپنے بچہ کو مارے اور دوسرے کے لڑکے کو پیار کرے؟ جب اہل مکہ ناامید ہوئے تو انہوں نے درخواست کی کہ اچھا آپ اپنے بھتیجے کو یہ سمجھائیں کہ وہ خدا تعالیٰ کے ایک ہونے پر اسقدر زور نہ دیا کرے اور یہ نہ کہا کرے کہ بتوں کی پرستش جائز نہیں اور جو کچھ چاہے کہے۔ چنانچہ آنحضرت کو انکے چچا نے بلاکر کہا کہ مکہ کے رؤساء ایسا کہتے ہیں کیا آپ ان کو خوش نہیں کرسکتے؟ رسول کریم ﷺ نے جواب دیا کہ آپ کے مجھ پر بہت احسان ہیں مگر میں آپ کے لئے خدا کو نہیں چھوڑ سکتا۔ اگر آپ کو لوگوں کی مخالفت کا خوف ہے تو آپ مجھ سے الگ ہوجائیں مگر میں اس صداقت کو جو مجھے خدا سے ملی ہے ضرور پیش کروں گا۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ میں اپنی قوم کو جہالت میں مبتلا دیکھوں اور خاموش بیٹھا رہوں۔

تبلیغ توحید سے روکنے کی ایک اور کوشش

جب اہل مکہ کو اس سے بھی ناامیدی ہوئی تو انہوں نے ایک رئیس کو اپنے میں سے چُنا اور اس کی معرفت آپ کو کہلا بھیجا کہ آپ یہ بتائیں کہ ملک میں یہ فساد آپ نے کیوں مچادیا ہے؟ اگر آپ کی یہ غرض ہے کہ آپ کو عزت مل جائے تو ہم سب شہر میں سے آپ کو معزز قرار دیدیتے ہیں - اگر مال کی خواہش ہے تو ہم سب شہر کے لوگ اپنے مالوں کا ایک ایک حصہ الگ کرکے دے دیتے ہیں جس سے آپ سارے شہر سے زیادہ امیر ہوجائیں گے- اگر حکومت کی خواہش ہے تو ہم آپ کو اپنا بادشاہ بنانے کے لئے تیار ہیں - اگر شادی کی خواہش ہے تو جس عورت سے آپ چاہیں آپ کی شادی کرادی جائے گی - مگر آپ ایک خدا کی پرستش کی تعلیم نہ دیں۔[۵۴]

جس وقت وفد نے یہ پیغام آپ کو آکر دیا - آپ نے فرمایا کہ دیکھو! اگر سورج کو میرے ایک طرف اور چاند کو میرے دوسری طرف لاکر کھڑا کردو - یعنی یہ دنیا کا مال تو کیا ہے اگر چاند اور سورج کو بھی میرے قبضہ میں دے دو تب بھی میں اس تعلیم کو نہ چھوڑوں گا۔

مخالفین کا تبلیغ میں روکیں ڈالنا اور مقاطعہ کرنا

اُس وقت تک کُل اسّی ۸۰ آدمی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تھے مگر جب مکہ کے ظلموں کی خبر باہر پہنچی تو لوگوں نے تحقیقات کے لئے مکہ آنا شروع کیا- اس پر اہل مکہ بہت گھبرائے اور انہوں نے شہر کی سڑکوں پر پہرے مقرر کر دیئے کہ کوئی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مل نہ سکے اور ارادہ کیا کہ آپ کو قتل کردیں - اس پر آپ کے چچا اور دیگر رشتہ دار آپ سمیت ایک وادی میں چلے گئے تاکہ آپ کی حفاظت کریں- پس جب اس طرح بھی کام چلتا نہ دیکھا تو سب اہل مکہ نے معاہدہ کرلیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے خاندان اور تمام مسلمانوں کا مقاطعہ کیا جائے اور کوئی شخص ان کے پاس کوئی کھانے پینے کی چیز فروخت نہ کرے اور نہ ان سے شادی بیاہ کا تعلق کیا جائے اور نہ ان سے کبھی صلح کی جاوے جب تک وہ آپ کو قتل کے لئے نہ دے دیں -

مکہ ایک اکیلا شہر ہے اس کے ارد گرد ۴۰ میل تک اور کوئی شہر نہیں - پس یہ فیصلہ سخت تکلیف دہ تھا - مکہ والوں نے پہرے لگادیئے کہ کوئی شخص ان کے ہاتھ کوئی کھانے کی چیز فروخت نہ کرے - اور برابر تین سال تک اس سخت قید میں آپ کو رہنا پڑا - راتوں کے اندھیروں میں

پوشیدہ طور پر جس قدر غلہ وہ داخل کرسکتے تھے کرلیتے مگر پھر بھی اس قدر نگرانی میں وہ لوگ کہاں تک انتظام کرسکتے تھے۔ بہت دفعہ کئی کئی دن جھاڑیوں کے پتے اور شاخوں کے چھلکے کھاکر انکو گذارہ کرنا پڑتا تھا۔ ایک صحابی کہتے ہیں کہ اُن تکلیف کے دنوں میں سب کی صحتیں خراب ہوگئیں اور بہت دست لگ گئے - ہفتہ نہیں دو ہفتہ نہیں تین سال متواتر وہ بھی خواہ بنی نوع انسان اپنے ماننے والوں کے ساتھ صرف اس لئے دکھ دیا گیا کہ وہ کیوں خدائے واحد کی پرستش اور اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دیتا ہے مگر اس نے ان تکالیف کی ذرہ بھی پروا نہیں کی - تین سال کی متواتر تکلیف کے بعد بعض رؤسائے مکہ کی انسانیت اس ظالمانہ فعل پر بغاوت کرنے لگی اور انہوں نے اس معاہدہ کو جو رسول کریم ﷺ کے خلاف کیا گیا تھا چاک کردیا اور آپ اس وادی سے نکل کر باہر آگئے مگر آپ کے بوڑھے چچا اور وفادار بیوی ان صدمات کے اثر سے نہ بچ سکے اور کچھ دنوں کے بعد فوت ہوگئے۔

اہلِ طائف کو تبلیغ

اہل مکہ کی بے پروائی کو دیکھ کر آپ نے عرب کے دوسرے شہروں کی طرف توجہ کی اور طائف کے لوگوں کو خدائے واحد کی پرستش کی دعوت دینے کے لئے تشریف لے گئے۔ طائف مکہ سے ۶۰ میل کے فاصلہ پر ایک پرانا شہر ہے - اس شہر کے لوگوں کو جب آپ نے خدا کا کلام سنایا تو وہ مکہ والوں سے بھی زیادہ ظالم ثابت ہوئے پہلے انہوں نے گالیاں دیں پھر کہا کہ شہر سے نکل جاویں - جب آپ واپس آرہے تھے تو بدمعاشوں اور کتوں کو آپکے پیچھے لگادیا پتھر پر پتھر چاروں طرف سے آپ پر پڑتے اور کتے پیچھے دوڑتے تھے سر سے پاؤں تک آپ خون سے تر بہ تر تھے۔ مگر اُس وقت اُن ظالموں کی نسبت جو خیالات آپ کے دل میں موجزن تھے وہ اِن الفاظ سے ظاہر ہیں جو اس سنگساری کے وقت آپ کی زبان پر جاری تھے آپ خون اپنے جسم سے پونچھتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ اے خدا! ان لوگوں کو معلوم نہیں ہے کہ میں جو کچھ ان لوگوں کو کہتا ہوں سچ اور درست ہے اور یہ جو کچھ کررہے ہیں اچھا سمجھ کر کررہے ہیں اس لئے تو ان پر ناراض نہ ہو اور ان پر عذاب نازل نہ کر بلکہ انکو سچائی کے قبول کرنے کی توفیق دے - تکلیف کے وقت میں کیسے محبت سے بھرے ہوئے الفاظ کہے گئے ہیں کیا ان سے بڑھ کر ہمدردی کی مثال کہیں مل سکتی ہے؟

حج کے موقع پر اہل مدینہ کا تعلیم حاصل کرنا

سچ چھپا نہیں رہتا - آپ کی تعلیم کی خبریں باہر مشہور ہوئیں اور یثرب

نامی ایک شہر کے لوگ (جسے اب مدینہ کہتے ہیں) حج کے لئے مکہ آئے تو آپ سے بھی ملے۔ آپ نے انکو اسلام کی تعلیم دی اور ان کے دلوں پر ایسا گہرا اثر ہوا کہ انہوں نے واپس جاکر اپنے شہر کے لوگوں سے ذکر کیا اور ستر (۷۰) آدمی دوسرے سال تحقیق کے لئے آئے جو سب اسلام لے آئے اور انہوں نے درخواست کی کہ آپ ان کے شہر میں چلے جائیں مگر آپ نے اسوقت انکی بات پر عمل کرنا مناسب نہ سمجھا۔ ہاں وعدہ کیا کہ جب ہجرت کا موقع ہو گا آپ مدینہ تشریف لائیں گے۔

مدینہ کی طرف ہجرت

جب اہل مکہ کو معلوم ہوا کہ اب باہر بھی آپ کی تعلیم پھیلنی شروع ہوئی ہے تو انہوں نے ہر قبیلہ میں سے ایک ایک آدمی چُنا تاکہ سب ملکر آپ کو قتل کردیں اور یہ اس لئے کیا کہ اگر آپ کی قوم اسکو ناپسند کرے تو وہ سب قوموں کے اجتماع سے ڈر کر بدلہ نہ لے سکیں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے پہلے سے بتادیا تھا۔ آپ اسی رات مکہ سے نکل کر ابوبکرؓ کو ساتھ لے کر مدینہ کی طرف ہجرت کر گئے جہاں کے لوگوں پر اسلام کی تعلیم کا ایسا اثر ہوا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں قریباً سب مدینہ کے لوگ اسلام لے آئے اور آپ کو انہوں نے اپنا بادشاہ بنالیا اور اس طرح وہ کونے کا پتھر جسے اس شہر کے معماروں نے ردّ کردیا تھا مدینہ کی حکومت کا تاج بنا۔

زمانۂ ترقی میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اُسوہ

اس ترقی کے زمانہ میں بھی آپ نے اپنا شغل تعلیم اور وعظ ہی رکھا اور اپنی سادہ زندگی کو کبھی نہیں چھوڑا۔ آپکا شغل یہ تھا کہ آپ لوگوں کو خدائے واحد کی پرستش کی تعلیم دیتے۔ اخلاقِ فاضلہ اور معاملات کے متعلق اسلامی احکام لوگوں کو سکھلاتے۔ پانچ وقت نماز خود آکر مسجد میں پڑھاتے۔ (مسلمانوں میں بجائے ہفتہ میں ایک مرتبہ عبادت کرنے کے پانچ دفعہ روز مسجد میں جمع ہو کر عبادت کی جاتی ہے) جن لوگوں میں جھگڑے ہوتے آپ فیصلہ کرتے۔ ضروریات قومی کی طرف توجہ کرتے جیسے تجارت، تعلیم، حفظانِ صحت وغیرہ۔ اور پھر غرباء کے حالات معلوم کرتے اور انکی ضروریات کو پورا کرنے کی کوشش کرتے۔ حتّٰی کہ جن لوگوں کے گھروں میں کوئی سودا لادینے والا نہ ہوتا ان کے لئے سودا لادیتے۔ پھر باوجود ان سب کاموں کے کبھی بچوں کے اندر قومی روح پیدا کرنے کے لئے ان میں جاکر شامل ہو جاتے اور انکو انکی کھیلوں میں جوش دلاتے۔ جب گھر میں داخل ہوتے تو اپنی بیویوں سے مل کر گھر کا کام کرنے لگتے اور جب رات ہوتی اور سب لوگ

آرام سے سوجاتے تو آپ آدھی رات کے بعد اٹھ کر رات کی تاریکی میں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہوجاتے یہاں تک کہ بعض مرتبہ کھڑے کھڑے آپ کے پاؤں سُوج جاتے۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیم کا خلاصہ

جو مذہبی تعلیم آپ دیتے تھے اسکا خلاصہ یہ تھا:۔

(1) آپ اس تعلیم کو دنیا کے سامنے پیش کرتے تھے کہ خدا تعالیٰ ایک ہے باقی جو کچھ بھی ہے خواہ فرشتے ہوں خواہ انسان سب اسی کی مخلوق ہے - یہ عقیدہ اللہ تعالیٰ کی ہتک ہے کہ وہ انسانوں کے جسم میں آجاتا ہے یا اس سے کوئی اولاد ہوتی ہے یا وہ بتوں میں داخل ہوجاتا ہے وہ ان سب باتوں سے پاک ہے۔ وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے - جسقدر مصلح گذرے ہیں سب اس کے بندے تھے' کسی کو الُوہیت کی طاقتیں حاصل نہ تھیں - سب کو اسی کی عبادت کرنی چاہیئے اور صرف اسی سے دعائیں مانگنی چاہئیں۔ اسی پر اپنے تمام کاموں کا بھروسہ رکھنا چاہیئے۔

(2) یہ کہ خدا تعالیٰ نے انسانوں کو ایک اعلیٰ درجہ کی روحانی اور اخلاقی اور تمدنی ترقیات کے لئے پیدا کیا ہے وہ ہمیشہ دنیا میں اس غرض کو جاری رکھنے کے لئے نبی بھیجتا رہا ہے اور ہر قوم میں بھیجتا رہاہے۔ آپ اس امر کے سخت مخالف تھے کہ نبوت کو کسی ایک قوم میں محدود رکھا جاوے کیونکہ اس سے خدا تعالیٰ پر جانبداری کا الزام آتا ہے جس سے وہ پاک ہے اور دنیا کی ہر قوم کے نبیوں کی تصدیق کرتے تھے -

(3) آپ اس امر پر زور دیتے تھے کہ خدا تعالیٰ ہر زمانہ کی ضروریات کے مطابق اپنا کلام نازل کرتا رہاہے - اور آپ کا دعوٰی تھا کہ آخری زمانہ کی اصلاح کے لئے اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث کیا ہے اور اس بناء پر آپ قرآن کریم کو سب پہلی کتابوں سے مکمل سمجھتے تھے اور اسکی تعلیم کی طرف لوگوں کو بلاتے تھے -

(4) آپ کا یہ دعوٰی تھا کہ خدا تعالیٰ اپنی ہستی کا یقین دلانے کے لئے ہمیشہ اپنے بندوں سے کلام کرتا ہے اور ان کے لئے نشان دکھاتا رہتا ہے اور آپ دعوٰی کرتے تھے کہ جو لوگ بھی آپ کی تعلیم پر عمل کریں گے وہ اپنے تجربہ سے ان باتوں کی صداقت معلوم کرلیں گے - اور میں اپنے ذاتی تجربات کی بناء پر آپکو کہہ سکتا ہوں کہ یہ بات بالکل درست ہے - اور میں نے خود بھی اسلام کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ کی باتیں سنی ہیں جس طرح موسٰیؑ اور مسیحؑ کے زمانہ کے لوگ سنتے تھے اور خدا تعالیٰ نے کئی دفعہ مجھے ایسے نشان دکھائے ہیں جو انسانی طاقت سے بالا تھے -

(۵) آپ کہتے تھے کہ سچے مذہب کی علامت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ اس کی زندگی کے سامان کرتا ہے۔ اور فرماتے تھے کہ اسلام کو انسانی خیالات کی تعدی سے محفوظ رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنے نبی بھیجتا رہے گا جو اس کی حفاظت کریں گے۔ چنانچہ ابھی ایک نبی احمدؑ ہندوستان میں اسی غرض سے ظاہر ہوا ہے اور میں اس کا خلیفہ ہوں اور میرے ساتھی اس کی جماعت میں سے ہیں۔

(۶) آپ فرماتے تھے کہ باوجود مذہبی اختلافات کے لوگوں کو آپس میں محبت سے رہنا چاہئے اور مذہبی اختلافات کی وجہ سے جھگڑنا نہیں چاہئے کیونکہ اگر کسی کے پاس سچائی ہے تو اسے لڑنے کی کیا ضرورت ہے وہ سچائی کو پیش کرے' خود ہی لوگ متاثر ہوں گے۔ چنانچہ آپ اپنی مسجد میں عیسائیوں کو بھی عبادت کرنے کی اجازت دیتے تھے اور یہ ایسی وسیع حوصلگی ہے کہ اس وقت کے لوگ تو الگ رہے آجکل کے لوگ بھی اس کی مثال پیش نہیں کر سکتے۔

(۷) آپ اس امر پر بہت زور دیتے تھے کہ انسانی زندگی کے دو پہلو ہیں۔ ایک روحانی اور ایک جسمانی - اور یہ دونوں ایک دوسرے سے ایسے وابستہ ہیں کہ الگ نہیں ہو سکتے۔ جسمانی حصہ روحانی حصہ پر اثر ڈالتا ہے اور روحانی جسمانی پر۔ پس آپ کی تعلیم میں اس امر پر خاص زور تھا کہ بغیر دلی پاکیزگی کے ظاہری عبادتیں فائدہ نہیں دے سکتیں اور یہ بھی کہ ظاہری عبادتوں کے بغیر خیالات کی بھی تربیت نہیں ہو سکتی - اس لئے کامل تربیت کے لئے انسان کو دونوں باتوں کا خیال رکھنا چاہئے۔

(۸) آپ انسان کی اخلاقی طاقتوں کے متعلق یہ تعلیم دیتے تھے کہ سب انسان پاک فطرت لے کر پیدا ہوتے ہیں اور جو خرابی پیدا ہوتی ہے وہ پیدائش کے بعد غلط تعلیم یا تربیت سے پیدا ہوتی ہے۔ پس آپ بچوں کی نیک تربیت اور اعلیٰ تعلیم پر خاص طور پر زور دیتے تھے۔

(۹) آپ اس امر پر بھی زور دیتے تھے کہ اخلاق کی اصل غرض انسان کی اپنی اور دوسرے لوگوں کی اصلاح ہے پس اخلاق فاضلہ وہی ہیں جس سے انسان کا نفس اور دوسرے لوگ پاکیزگی حاصل کریں۔ پس آپ کبھی تعلیم کے ایک پہلو پر زور نہیں دیتے تھے بلکہ ہمیشہ ہر چیز کے سب پہلوؤں کو بیان کرتے تھے۔ مثلاً یہ نہیں کہتے تھے کہ نرمی کرو' عفو کرو' بلکہ یہ فرماتے تھے کہ جب کوئی شخص تم کو تکلیف دے تو یہ سوچو کہ اس شخص کی اصلاح کس بات میں ہے۔ اگر وہ شخص شریف الطبع ہے اور معاف کرنے سے آئندہ ظلم کی عادت کو چھوڑ دے گا اور اس نمونہ سے

فائدہ حاصل کرے گا تو اسے معاف کردو- اور اگر یہ دیکھو کہ وہ شخص بہت گندہ ہو چکا ہے اور اگر تم اسے معاف کرو گے تو وہ یہ سمجھ لے گا کہ اس شخص نے مجھ سے ڈر کر مجھے سزا نہیں دی یا نہیں دلوائی اور اس وجہ سے وہ بدی پر دلیر ہو جائے گا اور اور لوگوں کو بھی دکھ دے گا تو اسے اس کے جُرم کے مطابق سزا دو- کیونکہ ایسے شخص کو معاف کرنا دوسرے ناکردہ گناہ لوگوں پر ظلم ہے جو ایسے شخص کے ہاتھ سے تکلیف اٹھا رہے ہیں یا آئندہ اٹھا سکتے ہیں-

(۱۰) آپ کی یہ بھی تعلیم تھی کہ کبھی کسی دوسری حکومت پر حملہ نہیں کرنا چاہئے بلکہ جنگ صرف بطور دفاع کے جائز ہے اور اس وقت بھی اگر دوسرا فریق اپنی غلطی پر پشیمان ہو کر صلح کرنا چاہے تو صلح کرلینی چاہئے-

(۱۱) آپ کی یہ بھی تعلیم تھی کہ انسان کی روح مرنے کے بعد ترقی کرتی چلی جاوے گی اور کبھی فنا نہ ہوگی حتّٰی کہ گنہگار لوگ بھی ایک مدت اپنے اعمال کی سزا بھگت کر خدا کے رحم سے بخشے جائیں گے اور دائمی ترقی کی سڑک پر چلنے لگیں گے-

کفار کی مدینہ پر چڑھائی

اہل مکہ نے جب دیکھا کہ مدینہ میں آپ کو اپنی تعلیم کے عام طور پر پھیلانے کا موقع مل گیا ہے اور لوگ کثرت سے اسلام میں داخل ہونے لگے ہیں تو انہوں نے متواتر مدینہ پر چڑھائیاں کرنی شروع کیں مگر ان لشکر کشیوں کا نتیجہ بھی ان کے حق میں برا نکلا اور رسول کریم ﷺ کی اس سے بھی برتری ثابت ہوئی کیونکہ گو بڑی بڑی تیاریوں کے بعد مکہ والوں نے مدینہ پر حملہ کیا اور مسلمان ہر دفعہ تعداد میں ان سے کم تھے، عموماً ایک مسلمان تین اہل مکہ کے مقابلہ پر ہوتا تھا، مگر پھر بھی غیر معمولی طور پر خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی اور اہل مکہ کو شکست ہوئی- بعض دفعہ بے شک مسلمانوں کو عارضی تکلیف بھی پہنچی مگر حقیقی معنوں میں کبھی شکست نہیں ہوئی- اور ان لشکر کشیوں کے دو نتیجے نکلے:- ایک تو یہ کہ بجائے اس کے کہ رسول کریم ﷺ تباہ ہوتے آپ سارے عرب کے بادشاہ ہوگئے اور دوسرے یہ کہ ان لڑائیوں میں آپ کو کئی ایسے اخلاق دکھانے کا موقع ملا جو بغیر جنگوں کے مخفی رہتے اور اس سے آپ کی اخلاقی برتری ثابت ہو گئی اسی طرح یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ آپ نے کیسی وفاداری اور قربانی کی روح ایک مُردہ قوم میں پھونک دی تھی-

جنگِ اُحد کا دردناک واقعہ

چنانچہ مثال کے طور پر میں اُحد کی جنگ کا واقعہ بیان کرتا ہوں۔ مدینہ آنے کے تین سال بعد کفار نے تین ہزار کا لشکر تیار کر کے مدینہ پر حملہ کیا۔ مدینہ مکہ سے دوسو میل کے فاصلہ پر ہے۔ دشمن اپنی طاقت پر ایسانازاں تھا کہ مدینہ تک حملہ کرتا ہوا چلا آیا اور مدینہ سے ۸ میل پر اُحد کے مقام پر رسول کریم ﷺ اس کو روکنے کے لئے گئے۔ آپ کے ساتھ ایک ہزار سپاہی تھے آپ نے جو احکام دیئے اس کے سمجھنے میں ایک دستہ فوج سے غلطی ہوئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ باوجود اس کے کہ مسلمانوں کو پہلے فتح ہو چکی تھی دشمن پھر لوٹ پڑا اور ایک وقت ایسا آیا کہ دشمن نے زور کر کے مسلمانوں کو اس قدر پیچھے دھکیل دیا کہ صرف رسول کریم ﷺ دشمنوں کے نرغے میں رہ گئے۔ آپ نے جرأت اور دلیری کا یہ نمونہ دکھایا کہ باوجود اس کے کہ اپنی فوج پیچھے ہٹ گئی تھی مگر آپ پیچھے نہ ہٹے اور دشمن کے مقابلہ پر کھڑے رہے۔ جب مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ رسول کریم ﷺ اپنی جگہ سے نہیں ہٹے اور وہیں کھڑے ہیں تو انہوں نے یکدم حملہ کر کے آپ تک پہنچنا چاہا لیکن صرف چودہ آدمی آپ تک پہنچ سکے۔ اس وقت ایک شخص نے ایک پتھر مارا اور آپ کا سر زخمی ہوگیا اور آپ بے ہوش ہو کر نیچے گر گئے اور آپ کو بچاتے ہوئے کئی اور مسلمان قتل ہو کر آپ پر جاگرے اور لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ آپ شہید ہو گئے ہیں۔ وہ لوگ ایک عاشق کی طرح تھے کئی لوگ میدان جنگ ہی میں ہتھیار ڈال کر بیٹھ گئے اور رونے لگے۔ ایک مسلمان جس کو اس امر کا علم نہ تھا وہ ایک ایسے شخص کے پاس سے گزرا اور اس سے پوچھا کہ کیا ہوا ہے؟ اس نے کہا کہ رسول کریم ﷺ تو شہید ہوگئے ہیں۔ اس نے کہا تو آؤ! اس سے بڑھ کر لڑنے کا موقع کب ہو گا؟ جہاں وہ ہمارا محبوب گیا ہے وہیں ہم جائیں گے۔ یہ کہہ کر تلوار ہاتھ میں لے کر دشمنوں کی صفوں پر ٹوٹ پڑا اور آخر مارا گیا۔ جب اس کی لاش کو دیکھا گیا تو ستّر زخم اس پر لگے تھے۔[۱۵]

ایک وفادار صحابی کا واقعہ

جو لوگ آپ کے پاس تھے انہوں نے جب آپ کے جسم کو لاشوں کے نیچے سے نکالا تو معلوم ہوا کہ آپ زندہ ہیں۔ اس وقت پھر لشکر اسلام جمع ہونا شروع ہو گیا اور دشمن بھاگ گیا۔ اس وقت ایک مسلمان سپاہی اپنے ایک رشتہ دار کو نہ پا کر میدان جنگ میں تلاش کرنے لگا۔ آخر اسے میدان جنگ میں اس حالت میں پایا کہ اس کی دونوں لاتیں کٹی ہوئی تھیں اور سب جسم زخمی تھا اور اسکی آخری حالت معلوم ہوتی تھی۔ اسکو دیکھتے ہی اس زخمی نے پوچھا کہ رسول کریم ﷺ کا کیا حال ہے؟ اس نے

کہا کہ آپ خیریت سے ہیں یہ بات سن کر اس کا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا اور اس نے کہا کہ اب میں خوشی سے جان دوں گا۔ پھر اس عزیز کا ہاتھ پکڑا اور کہا کہ میری ایک امانت ہے وہ میرے عزیزوں کو پہنچا دینا اور وہ یہ ہے کہ ان سے کہنا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کی امانت ہے اس کی حفاظت تمہارے ذمہ ہے۔ دیکھنا اس کی حفاظت میں کوتاہی نہ کرنا۔ اور یہ کہہ کر مسکراتے ہوئے جان دے دی۔ [۵۵]

ایک وفادار مؤمن عورت کا واقعہ

یہ تو مَردوں کی وفاداری کا حال ہے عورتیں بھی اس سے کم نہ تھیں۔ مدینہ میں بھی یہ خبر پہنچ گئی تھی کہ آپ شہید ہو گئے ہیں اور سب عورتیں اور بچے شہر سے نکل کر میدان جنگ کی طرف گھبرا کر چل پڑے تھے۔ اتنے میں ان کو اسلامی لشکر ملا جو خوشی سے آپ سمیت واپس لوٹ رہا تھا۔ ایک عورت نے ایک سپاہی سے آگے بڑھ کر پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے؟ اسے چونکہ معلوم تھا کہ آپ خیریت سے ہیں اس نے اسکی پرواہ نہ کی اور اسے کہا کہ تیرا باپ مارا گیا ہے۔ اس عورت نے کہا کہ میں تجھ سے اپنے باپ کے متعلق نہیں پوچھتی میں محمد ﷺ کی بابت پوچھتی ہوں۔ اس نے پھر بھی پرواہ نہ کی اور کہا کہ تیرے دونوں بھائی بھی مارے گئے ہیں۔ اس نے پھر چڑ کر کہا میں تجھ سے بھائیوں کے متعلق نہیں پوچھتی۔ اس نے کہا کہ وہ تو خیریت سے ہیں اس پر اس عورت نے کہا کہ اَلْحَمْدُلِلّٰہِ اگر آپ زندہ ہیں تو سب دنیا زندہ ہے۔ مجھے پرواہ نہیں کہ میرا باپ مارا گیا ہے یا میرے بھائی مارے گئے ہیں[۵۶] یہ اخلاص اور یہ محبت اس کامل نمونہ کے بغیر جو آپ نے دکھایا اور اس گہری محبت کے بغیر جو آپ کو بنی نوع انسان سے تھی کس طرح پیدا ہو سکتا ہے؟

حضور کی استقامت اور صحابہ کی بطور نمونہ ایک اور مثال

اسی طرح ایک دفعہ اسلامی لشکر ایک پہاڑی میں سے گزر رہا تھا جس کے دونوں طرف دشمن کے تیر انداز چھپے ہوئے تھے۔ مسلمانوں کو اس جگہ کا علم نہ تھا ایک تنگ سڑک درمیان سے گزرتی تھی۔ جب اسلامی لشکر عین درمیان میں آگیا تو دشمن نے تیر مارنے شروع کئے۔ اس اچانک حملہ کا یہ نتیجہ ہوا کہ گھوڑے اور اونٹ ڈر کر دوڑ پڑے اور سوار بے قابو ہوگئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم چار ہزار دشمن تیر اندازوں کے اندر صرف ۱۲ آدمیوں سمیت رہ گئے باقی سب لشکر پراگندہ ہوگیا۔ آپ نے اپنے

گھوڑے کو ایڑ لگائی اور دشمن کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ جو ساتھی باقی رہ گئے تھے وہ گھبرا گئے اور اُتر کر آپ کے گھوڑے کی باگیں پکڑ لیں اور کہا۔ حضور! اس وقت دشمن فاتحانہ بڑھا چلا آ رہا ہے اسلامی لشکر بھاگ چکا ہے آپ کی جان پر اسلام کا مدار ہے پیچھے ہٹیے تا کہ اسلامی لشکر کو جمع ہونے کا موقع ملے۔ آپ نے فرمایا کہ میرے گھوڑے کی باگ چھوڑ دو اور پھر بلند آواز سے کہا۔ میں خدا کا نبی ہوں اور جھوٹا نہیں ہوں کون ہے جو مجھے نقصان پہنچا سکے؟ یہ کہہ کر دشمن کے لشکر کی طرف ان ۱۲ آدمیوں سمیت بڑھنا شروع کیا جو آپ کے ساتھ رہ گئے تھے مگر دشمن آپ کو نقصان نہ پہنچا سکا۔ پھر آپ نے ایک شخص کو جو بلند آواز والا تھا کہا کہ بلند آواز سے کہو۔ کہ اے اہل مدینہ! خدا کا رسول تم کو بلاتا ہے۔ ایک صحابی کہتا ہے کہ ہمارے گھوڑے اور اونٹ اس وقت سخت ڈرے ہوئے تھے اور بھاگے جاتے تھے۔ ہم ان کو واپس موڑتے تھے اور وہ مڑتے نہ تھے۔ جس وقت یہ آواز آئی اس وقت یکدم ہماری حالت ایسی ہوگئی گویا ہم مُردہ ہیں اور خدا کی آواز ہمیں بلاتی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اس آواز کے آتے ہی میں بے تاب ہوگیا۔ میں نے اپنے اونٹ کو واپس لے جانا چاہا مگر وہ باگ کے کھینچنے سے دُہرا ہو جاتا تھا مگر مڑتا نہ تھا میرے کان میں یہ آواز گونج رہی تھی کہ خدا کا رسول تم کو بلاتا ہے۔ جب میں نے دیکھا کہ اونٹ مجھے دُور ہی دُور لئے جاتا ہے تو میں نے تلوار نکال کر اس کی گردن کاٹ دی[۵۷] اور پیدل دیوانہ وار اس آواز کی طرف بھاگ پڑا اور بے اختیار کہتا جاتا تھا کہ حاضر ہوں حاضر ہوں۔ وہ کہتا ہے کہ یہی حال سب لشکر کا تھا۔ جو سواری کو موڑ سکا وہ اس کو موڑ کر آپ کے پاس آگیا اور جو سواری کو نہ موڑ سکا وہ سواری سے کود کر پیدل دوڑ پڑا۔ جو یہ بھی نہ کر سکا اس نے سواری کو قتل کر دیا اور آپ کی طرف دوڑ پڑا۔ اور چند ہی منٹ میں سب لوگ اسی طرح آپ کے گرد جمع ہوگئے جس طرح کہ کہتے ہیں کہ مُردے اسرافیل کے صور پر قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے۔

جنگ کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات

آپ لڑائی میں ہمیشہ تاکید کرتے تھے کہ مسلمان کبھی پہلے خود حملہ نہ کرے ہمیشہ دفاعی طور پر لڑے اور یہ کہ عورتوں کو نہ ماریں، بچوں کو نہ ماریں، پادریوں کو نہ ماریں، بوڑھے اور معذوروں کو نہ ماریں، جو ہتھیار ڈال دیں ان کو نہ ماریں، درخت نہ کاٹیں، عمارتیں نہ گرائیں، قصبوں اور گاؤں کو نہ لُوٹیں اور اگر آپ کو معلوم ہوتا کہ کسی نے ایسی غلطی کی ہے تو اس پر سخت ناراض ہوتے۔ [۵۸]

فتح مکہ کے بعد حضور کا سلوک اپنے دشمنوں سے

جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اہل مکہ پر فتح دی تو مکہ کے لوگ کانپ رہے تھے کہ اب نہ معلوم ہمارے ساتھ کیا سلوک ہوگا؟ مدینہ کے لوگ جنہوں نے خود ان تکلیفوں کو نہ دیکھا تھا جو آپ کو دی گئیں مگر دوسروں سے سنا تھا وہ آپ کی تکلیف کا خیال کرکے ان لوگوں کے خلاف جوش میں بھرے ہوئے تھے۔ مگر آپ جب مکہ میں داخل ہوئے تو سب لوگوں کو جمع کیا اور کہا کہ اے لوگو! آج میں ان سب قصوروں کو جو تم نے میرے حق میں کئے ہیں معاف کرتا ہوں تم کو کوئی سزا نہیں دی جائے گی۔[۵۹] اگر جنگیں نہ ہوتیں اور آپ کو بادشاہت نہ ملتی تو آپ کامل نمونہ کس طرح دکھاتے؟ اور انسانی اخلاق کے اس پہلو کو کس طرح دکھاتے؟

اخلاق کے دونوں پہلوؤں کا ذکر

غرض کہ جنگوں نے بھی آپ کے اخلاق کے ایک پہلو پر سے پردہ اٹھایا اور آپ کی صُلح اور امن سے محبت اور آپ کے رحم کو ظاہر کیا کیونکہ سچا رحم کرنے والا اور عفو کرنے والا وہی ہے جسے طاقت ملے اور وہ رحم کرے اور سچا سخی وہی ہے جسے دولت ملے اور وہ اسے تقسیم کرے۔ آپ کو خدا تعالیٰ نے ظالم بادشاہوں پر فتح دی اور آپ نے ان کو معاف کردیا۔ آپ کو اس نے بادشاہت دی اور آپ نے اس بادشاہت میں بھی غربت سے گزارہ کرکے اور سب مال حاجت مندوں میں تقسیم کرکے اس بات کو ثابت کردیا کہ آپ غرباء کی خبر گیری کی تعلیم اس لئے نہیں دیتے تھے کہ آپ کے پاس کچھ تھا نہیں بلکہ آپ جو کچھ کہتے تھے اس پر عمل بھی کرتے تھے۔

مرض الموت میں آپ کی آخری نصیحت

آپ نے زندگی کے ہر ایک لحہ کو خدا کے لئے تکلیف اٹھانے میں خرچ کیا ہے اور گویا آپ روز ہی خدا کے لئے مارے جاتے تھے۔ ۶۳ سال کی عمر میں آپ نے وفات پائی اور بیماری کی حالت میں بھی آپ کو یہی خیال تھا کہ کہیں لوگ میرے بارے میں شرک نہ کرنے لگیں۔ چنانچہ بیماریِ موت میں آپ بار بار گھبرا گھبرا کر فرماتے تھے کہ خدا بُرا کرے ان لوگوں کا جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو عبادت کی جگہ بنا لیا ہے۔ یعنی ان نبیوں کو الوہیت کی صفات دے کر ان سے دعائیں وغیرہ مانگتے تھے۔ جس سے آپ کا مطلب یہ تھا کہ مسلمان ایسا نہ کریں اسی طرح شرک کی تردید کرتے ہوئے آپ اپنے پیدا کرنے والے سے جاملے۔

آپ کی بعثت کا نتیجہ

باوجود اس کے لوگ کہتے ہیں کہ مسلمان محمدؐ کی پرستش کرتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ سب سے زیادہ شرک مٹانے والے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ انہوں نے اپنی سب عمر اسی کام میں خرچ کی ہے اور دنیا میں جو خیالات توحید کے نظر آتے ہیں وہ سب ان کی اور ان کے متبعین کی ہی کوششوں کا نتیجہ ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

کانفرنس مذاہب کے اختتام پر لیکچر

(فرمودہ مؤرخہ ۳-۱اکتوبر ۱۹۲۴ء)

سرڈینن راس! بہنو اور بھائیو! میں اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتا ہوں جس نے انگلستان کے بعض علماء کے دل میں تحریک پیدا کی کہ ایسی کانفرنس منعقد کریں کہ مختلف مذاہب کے نمائندے اپنے اپنے مذہب کے متعلق اظہار خیالات کریں اور اس طرح پر ہر مذہب کے لوگوں کو غور کرنے کا موقع ملے کہ کس بات یا امر میں دوسرے مذاہب آپس میں اتحاد رکھتے ہیں اور وہ خیال یا ظنوں پر بنیاد نہیں رکھتے۔ میں اولاً اس کانفرنس کا بنیادی خیال رکھنے والے سر راس کا عام ڈیلیگیٹس (DELEGATES) اور سامعین کی طرف سے شکریہ ادا کرتا ہوں اور پھر مسٹر لافٹس ہیرر اور مس شارپلز اور ایگزیکٹو کمیٹی کے دوسرے ممبروں کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جن کی شبانہ روز محنتوں کا نتیجہ یہ کانفرنس ہے۔

اس کے بعد میں اس بات کی امید ظاہر کرتا ہوں کہ آئندہ بھی اس کانفرنس کا موقع ملے گا کیونکہ ایک خیال پیدا کرکے چھوڑ نہیں دینا چاہئے۔ انسان کا یہ کام نہیں کہ ایک بچہ پیدا کرکے پھر اس کو جنگل میں چھوڑ دیا جاوے اس لئے ضروری ہے کہ تحریک جو پیدا ہوگئی ہے اسے جاری رکھا جاوے اور زیادہ وسعت کے ساتھ اس کو پھیلایا جاوے تاکہ دنیا کے لئے مفید اور بابرکت ہو۔ میں امید کرتا ہوں کہ ہر مذہب کے لوگ اس موجودہ کانفرنس کو زیادہ مفید اور وسیع بنانے کے لئے ہمیشہ جدوجہد کریں گے کیونکہ یہ ایک ایسا کاز (CAUSE) ہے جس کے لئے سب کی مشترک کوشش کی ضرورت ہے اور رفتہ رفتہ یہ ایک نقطہ پر جمع ہونے کا سب سے بڑا ذریعہ ہو جائے گی اور حقیقی اتحاد پیدا کرسکے گی۔

میں نے دیکھا ہے کہ اس کانفرنس میں شریک ہونے کے لئے بعض لوگ فرانس اور ویلز سے

آئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کانفرنس کامیاب ہوئی ہے۔ لیکن میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اس سے اصلی فائدہ اسی وقت مرتب ہوگا جب کہ تمام مذاہب کے نمائندے اور لیڈر ان تمام خیالات پر پوری توجہ کریں جو یہاں مختلف مذاہب کے نمائندوں نے بیان کئے ہیں ورنہ دوسرے لوگوں کو یہ خیال ہو سکتا ہے کہ سب اپنی جگہ درست ہیں اس سے امن قائم نہیں ہوتا۔ ضروری چیز جس سے بناءِ محبت قائم ہوگی وہ یہی ہے کہ ہم مفید اور کامل تعلیم کو اختیار کریں۔

میں ایک مُسلم احمدی ہوں اور کامل یقین سے جو تجربہ اور معرفت سے پیدا ہوا ہے کہتا ہوں کہ اسلام حق ہے اور اس کے میرے پاس زبردست دلائل ہیں لیکن باوجود اس کے میرا یہ حق نہیں ہے کہ میں یہ کہوں کہ دوسرے کے خیالات نہ سنیں بلکہ میں ضروری سمجھتا ہوں کہ ہر شخص کے عقائد اور تعلیم کو سن کر ہم غور کریں تاکہ ہم اس راستہ کو پالیں جو خدا کی مرضی کے موافق ہے نہ اپنے ارادے کے ماتحت ہوں یہ اپنی نفسانیت کی پیروی ہوگی۔ میں سچ کہتا ہوں کہ میں نے تمام لیکچروں کو اسی نیت سے سنا ہے اور میں نے ہر ایک پر غور کیا ہے۔ یہ بات آج مجھ میں پیدا نہیں ہوئی۔ میں گیارہ برس کی عمر کا تھا جب میں نے سوچا کہ کیا مجھے اس لئے احمدی ہونا چاہئے کہ میرا باپ اس سلسلہ کا بانی ہے۔ میں اس پر غور کرنے کے لئے الگ چلا گیا اور میں نے یہ فیصلہ کرلیا کہ اگر یہ حق نہیں تو میں اس کی مخالفت کروں گا مگر خدا نے مجھ پر اس حقیقت کو کھول دیا کہ یہ سلسلہ حق ہے اور خدا نے اس کو قائم کیا ہے اور اب کوئی چیز مجھ کو اس سے الگ نہیں کرسکتی۔

پس دوسرے مذاہب کے لوگوں کو کوشش کرنی چاہئے کہ جو کچھ انہوں نے سنا ہے اس پر غور کریں اور اس طرح پر اپنے وقت اور روپیہ کو مفید بنائیں۔

میں سر اس اور ان کی کمیٹی کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ اس کانفرنس کو وسیع اور مضبوط کرنے کے لئے اپنی کوششوں کو جاری رکھیں میں اور میرے متبعین اس سے زیادہ مدد دینے اور ہاتھ بٹانے کو تیار رہیں گے جو اس مرتبہ کی ہے۔ مجھ کو اس کانفرنس میں یہ معلوم کرکے بہت خوشی ہوئی کہ نقطۂ خیال کس طرح بدل جاتا ہے۔ اب تک قرآن مجید کی تکذیب کی جاتی تھی اور اس پر یہ اعتراض کیا جاتا تھا کہ اس میں پہلے مذاہب کی صداقتیں کیوں ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید کا دعویٰ یہ تھا کہ فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ؁۶۰ کوئی صداقت اور حق بھی ہو وہ قرآن مجید میں موجود ہے۔ لیکن اب اس کانفرنس میں یہ حقیقت معلوم ہوئی کہ جو بھی سچی بات کہے وہ حق ہے اور اسی صداقت کو قوی کرنا چاہئے۔ نقطہ نگاہ کے تبدیل ہونے سے کہاں سے کہاں آپہنچے ہیں اور اگر اس طرح غور

کریں گے تو قرآن کریم کی سچائیوں کو اعلیٰ مقام پر پالیں گے۔

مذہب کی دو غرضیں ہیں۔ ایک خدا سے اتحاد دوسرا خدا کے بندوں سے اتحاد۔ اس لئے میں دعا کرتا ہوں کہ ہم میں دونوں باتیں پیدا ہوں اور دونوں قسم کے اتحاد ہم کو نصیب ہوں اور یہ بات ہم اپنے حال سے ثابت کریں نہ صرف باتوں سے۔ میں اپنے نفس کو بھی کہتا ہوں اور حاضرین کو بھی وہ جلد اتحاد کرلیں تاکہ مسٹر رڈیارڈ کپلنگ[۶۱] کا یہ مقولہ کہ مشرق اور مغرب کبھی نہیں مل سکتے ان کی زندگی میں ہی غلط ثابت ہو اور وہ خود ہی اس کے متعلق ایک دوسری نظم لکھ جاویں۔ انگلستان کو ایسا شاعر پھر کب ملے گا اس لئے جلدی کرنی چاہئے میں دعا کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ ان ارادوں میں ہم کو کامیاب کرے۔ میں پریزیڈنٹ صاحب سے اس امر میں متفق نہیں ہوں کہ ایک فرم نے اس کانفرنس کی روئداد چھاپنے کا وعدہ کرلیا ہے اس لئے ہم گو نہ بے فکر ہو گئے ہیں اس لئے میں سب سے درخواست کرتا ہوں کہ اس کتاب کے خریدنے کے لئے کوشش کریں تاکہ وہ جلد شائع ہو جاوے۔

تقریر کے بعد

تقریر کے بعد سر راس نے فرمایا۔ میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہتا سوائے اس کے کہ ان برکات سے حصہ لینے پر زور دوں جو ہولی کوارٹرز سے آئی ہیں۔ اس پر کانفرنس کا آخری جلسہ ختم ہوگیا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ۔

(الفضل ۶ نومبر ۱۹۲۴ء)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

لندن مشن کے متعلق ہدایات

(۴۔ اکتوبر ۱۹۲۴ء حضرت صاحب چند خدام کے ساتھ مولوی عبدالرحیم صاحب درد ایم اے کو لندن مشن کی چابی عطاء فرمانے کیلئے ازراہ شفقت خود پٹنی تشریف لے گئے۔ پٹنی پہنچنے پر آپ نے لمبی دعا کروائی اور دعا کے بعد اپنے ہاتھ سے مولوی عبدالرحیم صاحب درد کو کلید عطا فرمائی۔ اور حسب ذیل ہدایات مبلغ ثانی کو فرمائیں۔)

میاں غلام فرید صاحب! آپ نے مولوی صاحب کی اطاعت میں کام کرنا ہے ساری ترقی اور برکات اپنے افسروں کی اطاعت میں ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ طبائع میں اختلاف ہوتا ہے اور یہ قدرتی امر ہے اعلیٰ سے اعلیٰ محبت کے تعلقات میں بھی رنج پیدا ہو جاتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا باوجود اس محبت کے جو ان کو آنحضرت ﷺ سے تھی ایک دفعہ آپ سے ناراض ہو گئیں لیکن وہ ایسی ناراضی نہ تھی کہ اس سے نافرمانی پیدا ہوتی بلکہ ان کے اخلاص و اطاعت میں زیادتی ہی ہوتی رہی اس لئے اگر اختلاف بھی ہو تو بھی کبھی یہ نہیں ہونا چاہئے کہ ان کی نافرمانی کی جاوے بلکہ محبت کے ساتھ اس کام کو کرنا چاہئے جو وہ سپرد کریں کیونکہ یہ کام خدا کا کام ہے نہ کسی انسان کا۔

دوسری بات یہ ہے کہ اطاعت کامل نہیں ہوتی جب تک اس میں نشاط نہ ہو۔ خدا تعالیٰ نے مومنین کی صفات میں یہ فرمایا ہے۔ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِہِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ [۶۲] یعنی آنحضرت ﷺ کے فیصلہ پر وہ راضی ہوتے ہیں اور اس فیصلہ پر ان کے قلب میں کوئی تنگی نہیں پیدا ہوتی بلکہ وہ خوشی اور نشاط کے ساتھ اسے تسلیم کرتے ہیں۔ یہ اصول بتادیا ہے کہ مسلمانوں کو اپنی زندگی میں اپنے افسروں کی اطاعت کس طرح کرنی چاہئے کہ اس اطاعت میں نشاط ہو۔

تسلیم کامل جب ہی ہوتی ہے جبکہ اطاعت کے ساتھ نشاط اور شرح صدر ہو اور یہ بات ایمان

سے پیدا ہوتی ہے۔ غلطی کا امکان تو ہر شخص سے ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی ذات کے سوا اور کون ہے جس سے غلطی کا امکان نہ ہو۔ بشریت کے لحاظ سے یہ ہر شخص سے ممکن ہے اور جہاں غلطی کا امکان ہو وہاں انسان اگر اطاعت کرتا ہے تو حقیقت میں ایمان کی وجہ سے ہی کرتا ہے اور وہ ایمان اس میں نشاط پیدا کر دیتا ہے۔ اگر سینہ میں تنگی ہو تو اپنی کمزوری ہے۔ آنحضرت ﷺ کو احد کی جنگ میں تکلیف ہوئی اور اس لڑائی میں منافقوں نے جو مشورہ دیا ذراصل وہ صحیح ثابت ہوا۔ مگر صحابہ کی جو رائے تھی وہ اس کے خلاف تھی اس لئے آنحضرت ﷺ نے اس موقع پر مجارٹی (MAJORITY) کے فیصلہ کو ترجیح دے دی آپ کے اس طرز عمل سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں۔ اول یہ کہ غلطی کا امکان ہر شخص سے ہے۔ دوم افسر یا مجارٹی جس بات کا حکم دیں اس کی تعمیل کی جاوے اور نشاط سے کی جائے قرآن مجید اسی بات پر زور دیتا ہے اور کامیابی کی روح اسی سے پیدا ہوتی ہے۔

ہمیشہ اس بات کو مدنظر رکھو کہ انسان اپنے وطن اور عزیزوں سے دور آتا ہے ہر قسم کی قربانی کرتا ہے پھر اس کی محنت اور کام کا کوئی نتیجہ نکلنا چاہئے۔ جو لوگ یہاں کام کرتے رہے ہیں ان سے بعض کو تاہیاں ہوتی رہیں اور اس وجہ سے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مرکز میں پورا احساس نہ ہو لیکن اب انشاء اللہ یہ نہیں ہو گا۔ مرکز میں احساس قدر تاً اب بہت زیادہ ہو گا اس لئے اب یہ کام زیادہ نتیجہ خیز نہ ہو تو یہ مبلّغین کی غلطی ہو گی اور وہ اس کے ذمہ دار اور جوابدہ ہوں گے اس لئے کہ یہ ممکن نہیں کہ صحیح طریق پر کوشش ہو اور کوئی نتیجہ نہ نکلے۔

مولوی عبد الرحیم صاحب کو میں نصیحت کرتا ہوں کہ جس کے ساتھ کام کرنا ہو اس کے جذبات کا خیال رکھیں۔ محبت کے ساتھ ان سے کام لیں مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ بے جا طور پر کسی بات کو نظر انداز کر دیا جائے۔ یہ میں اس لئے کہتا ہوں کہ یہ سلسلہ کا کام ہے۔ اگر اس میں ذرا بھی غفلت سے کام لیا جاوے تو بہت بڑا نقصان پہنچ جاتا ہے۔ اور میں یہ جانتا ہوں کہ اگر کوئی بات آپ کے منشاء کے خلاف کرے تو آپ اس کو کہہ نہیں سکتے میں اس کو بزدلی کہتا ہوں۔ یہ بات نہیں ہونی چاہئے۔ یہ ذاتی کام نہیں کہ اس میں انسان اگر نظر انداز کر دے تو کچھ بات نہیں مگر اس سے سلسلہ کے انتظام پر اثر پڑتا ہے۔ ذمہ داری یہ ہے کہ انسان کام لے۔ اخلاق کا کمال یہ نہیں کہ کام نہ ہوتا ہو اور افسر خاموش رہے۔ ایسے موقع پر یہی اخلاق ہے کہ اپنے ماتحت سے باز پُرس کرے مگر اس میں اخلاق اور محبت کے پہلو کو ترک نہ کرے اور یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اگر

اس کا کوئی نقص ہے اور وہ ماتحت کام نہ کرتا ہو تو اس کی اطلاع فوراً مرکز کو کرنی چاہئے اور بتانا چاہئے کہ کیا نقص ہے؟

یہاں کے انچارج ہمیشہ ایک غلطی کرتے رہے ہیں کہ اپنے آپ کو ایک مستقل چیز سمجھتے رہے ہیں۔ سلسلہ کو بھی ایسی اطلاع نہیں دی جس سے معلوم ہو کہ کیا غلطی ہو رہی ہے۔ لکھا تو یہ لکھ دیا کہ فلاں سے غلطی ہوئی اللہ معاف کرے مگر یہ نہ بتایا کہ کیا غلطی ہوئی۔ گویا وہ خود ہی ایک مستقل چیز تھے مرکز کے لئے ضروری نہیں کہ اس سے واقف ہو۔ یہ غلطی پہلوں نے کی ہے آئندہ نہیں ہونی چاہئے۔ مبلغ کا فرض ہے کہ ہر حالت کا اور ایک ایک بات کا نقشہ بھیجے خواہ مخالف کے متعلق ہو یا موافق کے اور ان کا فرض ہے کہ اپنی موافق اور مخالف ہر قسم کی کوششوں کا علم رکھیں۔

رسول اللہ ﷺ اس قدر خیال رکھتے تھے کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے بعض کا قول نقل کیا ہے کہ وہ کہتے تھے۔ هُوَ اُذُنٌ [۶۳] نبی کریم ﷺ تو کان ہی کان ہیں یہ امر ظاہر کرتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کس قدر محتاط اور باخبر تھے اور آپ کا یہ نمونہ اسی لئے ہے کہ مومن اسی طرح ہوشیار اور باخبر رہے۔

لوگوں کو یہ کہہ دینا کافی نہیں ہوتا کہ یہ جھوٹ ہے غلط ہے وہ اس سے زیادہ چاہتے ہیں۔ سنی سنائی بات نہ ہو واقعات سے اس کی تائید ہو۔ غرض کوئی بات ہو مخالف ہو یا موافق وہ مرکز میں لکھنی چاہئے بغیر اس کے صحیح ہدایات نہیں مل سکتیں اور کام کا نقصان ہوتا ہے پس پہلے اگر یہ غلطی ہوئی ہے تو آئندہ نہیں ہونی چاہئے۔

مبلّغ کے فرائض میں یہ بات بھی ہے کہ وہ سوشل ہو اور لوگوں سے اپنے تعلقات کو بڑھائے۔ اس معاملہ میں بھی اب تک مبلّغین سے ایک غلطی ہوئی ہے کہ انہوں نے سوسائٹی کے اعلیٰ طبقہ کو چھوڑ دیا اور انہوں نے اس کی طرف توجہ ہی نہیں کی اور کوشش ہی نہیں کی کہ ان سے ملیں اور اپنے تعلقات کو بڑھائیں۔

کسی کام کی عمدگی کا اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ لوگ اس کے کام کو کیا سمجھتے ہیں اور جس قسم کی سوسائٹی میں وہ کام کرتا ہے اس پر اثر پڑتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے دیکھا کہ ایک مسلمان دشمن کے سامنے اکڑ کر چلتا تھا آپ نے فرمایا کہ اکڑ کر چلنا اچھا نہیں مگر اس کا چلنا خدا کو پسند ہے۔ [۶۴] بعض اوقات دکھانا بھی ضروری ہوتا ہے۔ غرض تعلقات کے بڑھانے میں سوسائٹی کے اعلیٰ

طبقہ کو چھوڑ نہیں دینا چاہئے اعلیٰ سوسائٹی سے تعلق ہو تو انسان کے اثر کا دائرہ بڑھ جاتا ہے اور با رسوخ ہو کر کام زیادہ وسعت سے کر سکتا ہے اور ان تعلقات کا بڑھانا بھی کام سمجھا جائے گا۔

یہاں جو لوگ پولیٹیکل یا سوشل حالت کے لحاظ سے اعلیٰ درجہ کے سمجھے جاتے ہیں اگر وہ ہمارے مبلغین کو بلائیں یا ان کے ہاں آئیں تو لوگ محسوس کریں گے کہ سوسائٹی پر ان کا رعب اور ادب ہے۔ خواہ وہ علم کے لحاظ سے ہو یا روحانیت کے لحاظ سے اور پھر یہ لوگ خواہ مسلمان نہ ہوں لیکن ان کے ذریعہ سے مدد ملتی ہے۔ ہندوستان میں دیکھا ہے کہ جن بڑے شہروں میں با اثر ہندوؤں یا غیر احمدی مسلمانوں کے ہمارے لوگوں سے سوشل تعلقات ہیں وہاں ہماری جماعت کو لیکچروں کے متعلق آسانی ہوتی ہے اور لیکچر ہو جاتے ہیں۔

میری مراد اعلیٰ طبقہ سے چوٹی کا طبقہ ہے اس سے تعلقات پیدا کرو۔ ایک سوسائٹی کے آدمی ہوتے ہیں انہوں نے کوئی ملکی یا علمی کام نہیں کیا ہوتا مگر وہ ہر سوسائٹی میں دخل رکھتے ہیں۔ بعض اوقات پولیٹیکل آدمیوں سے بھی زیادہ ان کا رسوخ ہوتا ہے لوگوں کو ان کے اثر سے فائدہ پہنچتا ہے اور وہ فائدہ پہنچاتے ہیں اس لئے ان کے اثر کا حلقہ وسیع ہوتا جاتا ہے۔ پس ایسے لوگوں سے تعلقات بڑھانا اپنے کام کو وسیع کرنا ہے۔

دوسرے درجہ پر پولیٹکس والے ہیں۔ سوسائٹی میں گو ان کا درجہ اول نہیں مگر ان کا اثر بہت زیادہ ہوتا ہے۔

تیسرے اخباری یا علمی مذاق کے لوگ ہیں جو مصنف ہوتے ہیں ان میں بھی چوٹی کے آدمی چُن لئے جاویں۔

خبریں پہنچانے والی ایجنسیوں کے سوا سائیکلوجی اور دوسرے علم کے ماہرین سے تعلقات بڑھائے جائیں۔ چونکہ یہ علمی مذاق کے لوگ ہر جگہ پہنچ سکتے ہیں ان کے ذریعہ انسان ایسی جگہ پہنچ جاتا ہے جہاں اس کے کام کو تقویت ہوتی ہے۔

سب سے قابل آدمی وہ ہے جو خوش مذاق ہو' رونی شکل والا سوسائٹی میں مقبول نہیں ہو سکتا۔ علمی سوسائٹیوں میں ہیومر (زندہ دلی) کے بغیر انسان ترقی نہیں کر سکتا ہے۔ ایسی مجلسوں میں اختلاف ہوتا ہے اپنی بات کہتا ہی جاوے اور دوسروں کی بھی بغیر کبیدگی اور کشیدگی کے سن لے۔ اس طرز پر بات ہو کہ چڑے نہیں اور ناراض نہ ہو اختلاف ہو تب بھی سنے۔

مبلغ جب مختلف سوسائٹیوں میں تعلقات کو بڑھاتا ہے تو اس کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ ملاقاتوں

میں ایسا رہے کہ لوگ اعتراض نہ کر سکیں اور وہ اپنے کریکٹر کو مضبوط رکھے اس کا آخر اثر ہوتا ہے- پھر جن باتوں پر یورپ اعتراض کرتا ہے بار بار ان کو پیش کیا جاوے مثلاً کثرت ازدواج کا مسئلہ ہے ایسے بہت سے لوگ ملیں گے جو اس کے مؤید ہیں بعض اخبارات میں فرضی نام سے مضمون لکھ دیتے ہیں ایسے لوگوں سے اسی اخبار کی معرفت خط و کتابت ہو سکتی ہے اور پھر تعلقات بڑھا کر ان کے پیچھے پڑو جو اس کے مؤید ہوں- ان سے اس قسم کی سوسائٹیاں بناؤ ایسی سوسائٹیاں خود غلط فہمیوں کو دور کر دیں گی اور ان اصولوں کو توڑ دیں گی جو ہماری راہ میں روک ہو سکتے ہیں-

مذہبی نقطہ خیال کو مد نظر رکھ کر عیسائیوں کو کہہ سکتے ہیں کہ اگلے نبیوں نے ایک سے زیادہ شادیاں کی تھیں اور بعض قومی ضروریات اس کی مقتضی ہوتی ہیں- جب کچھ لوگ پیدا ہو جائیں گے تو وہ آپ دوسروں سے بحث کریں گے-

عیسائی مذہب میں جو یہ فرقے یونیٹیرین وغیرہ پیدا ہوئے ہیں یہ اسی طرح ہوئے ہیں- اگر اس طریق پر عمل ہو تو کچھ عرصہ کے بعد ہمارا سوشل رسوخ بڑھ جائے گا اور لوگ باتیں سننے لگیں گے-

اسی طرح طلاق کا مسئلہ ہے- اس مسئلہ کے ماہر جو قانون دان ہیں یا قانون ساز کمیٹیوں کے ممبر ہیں ان سے ملو اور ان کو اسلام کی مکمل تعلیم مسئلہ طلاق کے متعلق بتاؤ- جب وہ اس مسئلہ کے سارے پہلوؤں کو دیکھیں گے تو اسلام کی تعلیم کو مکمل اور ہر طرح قابل عمل اور ضروری یقین کرنے لگیں گے- اس طرح پر جو غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں وہ دور ہو جائیں گی اور جب ایک علمی اور قانون دان طبقہ کی طرف سے اس کی تائید اور تصریح ہو گی تو آسانی ہو جائے گی-

غرض اپنے کام کے متعلق پہلے سے غور کرو کہ کس طرح پر وہ زیادہ مفید اور بااثر ہو سکتا ہے- کام کرنے والے کی نگاہ ایک طرف نہ ہو بلکہ اسے چاہئے کہ چاروں طرف نگاہ رکھے جرنیل کا یہی کام ہے-

جو لوگ یہاں تحقیق، تعلیم یا تبادلہ خیالات کے لئے آئیں ان کے متعلق اس امر کا خاص طور پر خیال رکھا جاوے کہ کوئی ایسی حرکت نہ ہو جس سے ان کو یہ احساس ہو کہ ہماری ہتک کی گئی ہے بلکہ ان سے اخلاق اور تکریم سے پیش آؤ کہ یہ ہمارا فرض ہے- اگر کوئی بات ان کی ناپسند بھی ہو تو اپنے اخلاق سے اسے درست کرو- ظاہری صفائی کا خاص طور پر خیال رکھا جاوے اسلام اس کی ہدایت کرتا ہے اور یہاں تو یہ حالت ہے کہ اس کا دوسروں پر اثر پڑتا ہے- ہمارے ملک میں تو

جس قدر کوئی غلیظ ہو لوگ اسے صوفی کہہ دیں گے مگر یہاں یہ بات نہیں۔

پنجاب میں ایک شخص کو تبلیغ کی جاتی تھی اور اسے کچھ توجہ بھی تھی مگر پرنس آف ویلز کے جانے پر جب کہ میں بھی لاہور گیا تو اس نے مجھے دیکھا۔ اس کے بعد جب اس کو تبلیغ کی گئی تو اس نے کہا میں کیسے مان لوں کیونکہ اس نے تو بانات کا کوٹ پہنا ہوا تھا۔ کوٹ تو سرج کا تھا اور اس نے یہی سمجھ لیا کہ ایسا کوٹ پہننے سے خدا سے تعلق نہیں ہوتا۔ بہت سے لوگ حضرت صاحب پر اعتراض کرتے تھے کہ یہ پلاؤ کھاتے ہیں۔ قادیان میں ایک ہندو ڈپٹی تھا اس نے حضرت خلیفہ اول کو کہا کہ اگر آپ ناراض نہ ہوں تو ایک بات میں پوچھنا چاہتا ہوں۔ مولوی صاحب نے کہا پوچھئے۔ تو اس نے کہا کہ سنا ہے مرزا صاحب بادام روغن استعمال کرتے ہیں۔ مولوی صاحب نے کہا کہ ہمارے ہاں حلال ہے۔

میرا مطلب یہ ہے کہ ہندوستان کی حالت اور ہے۔ وہاں لوگ خدا پرستی اور کمال کا اندازہ ایسی چیزوں سے کرتے ہیں جن کا ان باتوں سے تعلق نہیں اور وہاں صفائی کا نہ ہونا معیوب نہیں سمجھتے مگر یہاں یہ حالت نہیں اس لئے مکان کی اور باغ کی اور اپنی صفائی کا خیال رکھنا چاہئے۔ یہ صرف اسی لئے ضروری نہیں کہ یہاں ان باتوں کا اثر پڑتا ہے بلکہ اسلام نے خود اس کو ضروری قرار دیا ہے پس ان ظاہری امور کا خیال رکھو۔

اگر کسی امر میں افسر ماتحت میں اختلاف ہو تو ماتحت کا فرض ہے کہ وہ افسر کے احکام کی اطاعت اور تعمیل کرے۔ البتہ اسے یہ حق ہے کہ وہ اپنے اختلاف کے متعلق بطور اپیل پیش کرے۔ شکایت کے طور پر نہ ہو۔ جو بلاوجہ پیش کرتا ہے وہ غیبت کرتا ہے اس سے بچو۔ اسی طرح بعض اوقات افسر دیکھتا ہے کہ ماتحت باقاعدہ کام نہیں کرتا یا اس کے احکام کی خلاف ورزی کرتا ہے تو وہ لکھتا ہے کہ میں شکایت نہیں کرتا مگر وہ ایسا کرتا ہے یہ بُزدلی کی بات ہے صاف طور پر لکھنا چاہئے۔ ایسا ہی ماتحت جب لکھے تو وہ مثال اور واقعات کی بناء پر لکھے۔ یونہی کسی بات کا بلاوجہ معقول پیش کر دینا قابل غور نہیں ہوگا۔

افسر کو چاہئے کہ جرأت سے کام لے۔ جب تک جرأت سے کام نہ ہو وہ نہیں ہو سکتا۔ بُزدلی سے یہی نہیں کہ کام نہیں ہوتا بلکہ خراب ہوتا ہے اور فساد بڑھتا ہے۔ باقی کام کی تفاصیل اور ہدایات بتادی جائیں گی۔

مبلّغ کا فرض ہوگا کہ ہمارے جو طالب علم آتے ہیں ان کو شریعت کی پابندی کرائے دل نہ

چڑائے۔ چھوٹی سے چھوٹی بات کا بھی خیال رکھا جاوے۔ بعض وقت انسان پر ایسے آتے ہیں کہ وہ بہت نرم ہوتا ہے اور اس پر اثر ہوتا ہے۔ دہریوں پر بھی ایسے وقت آجاتے ہیں اس لئے کبھی یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ یہ معمولی بات ہے یا کیا فائدہ ہوگا۔ ان کا محبت اور اخلاق سے مذہبی پابندی کا خیال رکھا جاوے۔

اس کے بعد لندن کے مبلغ کی موزونیت پر مِنْ وَجْہٍ تبادلہ خیالات ہوتا رہا اور حضرت اس کے متعلق ضروری فیصلہ فرماتے رہے اور مبلّغین کو یہاں کے لوگوں سے کام لینے کے طریق پر مختصر ہدایات دیتے رہے۔ پھر نیچر کی تعریف کا سوال جو کانفرنس میں بھی اٹھا تھا پیش ہوا۔

حضرت نے فرمایا: نیچر وہ قانون ہے جس کے ذریعہ ہر چیز اپنی بناوٹ اور ساخت کے مطابق کام کرتی ہے۔ نیچر گورننگ چیز نہیں ہوتی اگر ایسا ہوتا تو یہ سائنس دان خدا کی بھی کوئی نیچر بتاتے مگر ایسا نہیں ہے۔ لاء (قانون) اصل چیز کی بناوٹ سے پیدا ہوتا ہے۔ ہر چیز کے دوسری چیزوں سے مل کر جو افعال سرزد ہوتے ہیں وہ اس کی نیچر ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح کو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے معنے یہ سمجھائے گئے تھے کہ خدا تعالیٰ کے سوا کسی چیز کی حیثیت مستقل نہیں اور یہ درست ہے کہ دنیا کی ہر چیز دوسری چیز سے کوئی نہ کوئی نسبتی تعلق رکھتی ہے۔ قرآن شریف میں خدا تعالیٰ نے اسی اصول کو بتایا ہے وَمِنْ کُلِّ شَیْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَیْنِ [۶۵] اس میں اسی نسبتی تعلق کی طرف اشارہ ہے۔ غرض نیچر بذات خود کوئی گورننگ چیز نہیں ہے جنہوں نے ایسا سمجھا ہے غلطی کھائی ہے۔

بیعت

اس کے بعد افریقہ کے مسٹر اشوڈی نے بیعت کی اس نے پہلے سے تحریری بیعت کی ہوئی تھی مگر آج اسے یہ سعادت نصیب ہوئی کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بھی بیعت کی۔

(الفضل ۱۱۔ نومبر ۱۹۲۴ء)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

مکتوب بنام ایڈیٹر الفضل

(تحریر فرمودہ ۸۔اکتوبر ۱۹۲۴ء)

اس ہفتہ کی ولایتی ڈاک سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاکسار کے نام جو خط موصول ہوا ہے۔وہ حضور نے میرے ایک عریضہ کے جواب میں رقم فرمایا ہے میں نے اپنے خط میں مولوی نعمت اللہ خان صاحب کے واقعہ سنگساری کے متعلق حضور کے تاربنام دول یورپ اور جمعیۃ الاقوام پر بعض غیراحمدی اخبارات کے شوروشر کا ذکر کیا تھا۔نیز میں نے لکھا تھا کہ بعض اخبارات نے کابل کی حمایت میں احمدیوں کو مرتد قرار دیکر واجب القتل ٹھہرایا ہے۔علاوہ ازیں میں نے اس مراسلت کا ذکر کیا تھا۔جو بہائیوں کے اخبار "میرزا عزیز اللہ خان پرائیویٹ سیکرٹری شوقی ربانی حیفا" کی طرف سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے حیفا تشریف لے جانے کے متعلق شائع ہوئی۔اور جس میں انگور کا خوشہ دینے۔مذہبی بات چیت کرنے کے لئے کہنے اور ٹھہرنے کی دعوت دینے کا ذکر کرنے کے بعد لکھا تھا:۔

"دو محترم شخص ان کے پاس سٹیشن پر دعوت لے کر گئے۔مگر خلیفہ قادیانی نے محض اپنے خادم کے ذریعہ گفتگو کی۔اور خود ان سے دو کلمے مہربانی کے بھی نہیں کہے۔اور ان کے طریق وداد کے مقابلہ میں کچھ ملاطفت بھی ظاہر نہیں کرتے"

اس کے ساتھ ہی یہ بھی لکھا تھا:۔

"ہم کو جماعت قادیان کے اس اخلاقی مظاہرہ پر بے حد تعجب ہے مگر شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ صبح کی نامرادی کا اثر ابھی ان کی طبیعت پر باقی تھا۔جس کی تفصیل یہ ہے کہ۔جناب مرزا بدیع نے جو سرکاری دفتر میں ایک معزز عہدے پر ممتاز ہیں کہا کہ ایک گاڑی آج صبح سرکاری دفتر میں آئی۔اور رئیس قادیان کے سیکرٹری نے مجھ سے پوچھا کہ کیا قدس سے حیفا کے حاکم کو اطلاع نہیں دی گئی کہ رئیس قادیان سے ملاقات اور ان کا احترام کریں۔تو میں نے تحقیق کرکے جواب دیا کہ

ایسی کوئی اطلاع نہیں آئی- پھر وہ واپس چلے گئے- حقیقت حال یہ ہے"

مذکورہ بالا امور کے متعلق جو میں نے خلاصۃً عرض کئے ہیں- حضور نے نہایت ہی شفقت اور ذرہ نوازی سے اپنی انتہائی مصروفیت اور علالت طبع کے باوجود حسب ذیل مکتوب گرامی میرے نام ارسال کیا فرمایا ہے- جس پر مختلف عنوان میں نے خود لگائے ہیں- (ایڈیٹر)

عزیز مکرم! اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ - آپ کا خط ملا غیر احمدیوں کا شور کہ مسیحی حکومتوں سے کیوں مرافعہ کیا گیا ہے فضول ہے- اول وہ تو خود ترکوں کے متعلق ان سے مرافعہ کرتے رہے ہیں- دوسرے انہوں نے اس قتل (مولوی نعمت اللہ خان صاحب کا قتل- مرتب) کی داد دے کر اپنے اندرونہ کو ظاہر کردیا ہے- کیا ان بھیڑیوں سے مرافعہ کیا جاتا- اور اگر ان لوگوں کے نزدیک مرتد کی سزا قتل ہے تو پھر ان کو ایسے ہی معاملہ اور سلوک کی غیروں سے بھی امید رکھنی چاہیئے-

اگر مسیحی اور دوسری حکومتیں یہی معاملہ مسلمان ہونے والوں سے کریں تو مسلمان جو تعداد میں مسیحیوں اور بدھوں سے کم ہیں ان کے لئے ترقی کا کون سا میدان رہ جائے اور کوئی سچا دین کس طرح ترقی کرے؟ اگر یہ سلوک درست ہے تو اہل مکہ جو کچھ مسلمانوں سے کرتے تھے عین انصاف کے مطابق تھا کیونکہ وہ بھی اپنے دین کو سچا سمجھ کر ایسا کرتے تھے- اگر مسلمانوں کا حق ہے کہ چونکہ ان کا دین سچا ہے اس لئے اس سے مرتد ہونے والے کی سزا قتل ہے تو پھر ہر ایک قوم جو اپنے دین کو سچا سمجھتی ہے اس کا یہی حق ہوگا- اور اس سے اسلام پر جس قدر تباہی آئے گی وہ ظاہر ہی ہے کیونکہ مسلمان زیادہ تر غیر حکومتوں کے ماتحت ہیں- اگر مسلمان مرتد ہوتے رہیں تو ان کو عام طور پر مسلمان قتل نہیں کر سکیں گے لیکن اگر غیر لوگ مسلمان ہوں گے تو ان کو دوسری حکومتیں کر سکیں گی- پس اسلام کی ترقی کا راستہ مسدود ہوجائے گا اور اس کی تباہی کا راستہ کھلا رہے گا- میں سمجھتا ہوں کہ غیر احمدی اس فتویٰ پر اسی وجہ سے مُصِرّ ہیں کہ وہ جانتے ہیں کہ دوسرے لوگ اس فتویٰ کے مقابلہ کی وجہ سے ہمارے خلاف یہ ہتھیار نہیں استعمال کریں گے کیونکہ وہ تہذیب ظاہری میں ترقی یافتہ ہیں- مگر کیا یہ شرافت ہے کہ ہم اس لئے کسی کو نقصان پہنچائیں کہ وہ بالمقابل ہمیں نقصان نہیں پہنچائے گا اس سبب سے نہیں کہ وہ کمزور ہے بلکہ اس لئے کہ وہ اس فعل کو خلاف انسانیت سمجھتا ہے-

بعض اخباروں کا یہ لکھنا کہ شہید مرحوم خوست کے باغیوں کا سرغنہ تھا کس قدر جہالت پر دلالت کرتا ہے- ابھی چند ماہ ہوئے کہ خوست کے باغیوں نے دو احمدیوں کے گاؤں

جلادیئے- زمیندار بھی لکھتاہے کہ احمدیوں نے خوست میں یہ مشہور کرکے کہ امیر احمدی ہوگیاہے 'بغاوت پھیلوادی- باغی امیر کے خلاف یہ ہتھیار استعمال کرتے ہیں کہ وہ احمدیوں کے اثر کے نیچے ہے- اور باوجود اس کے ایک ذمہ دار اخبار لکھتاہے کہ وہ خوست کے باغیوں کا سرغنہ تھا- یہ ایسی ہی بات ہے جس طرح کوئی اخبار یہ لکھ دے کہ مصطفٰے کمال پاشا یونانی سازشیوں کا سرغنہ ہے-

جو خط میرا بہائیوں کے متعلق شائع ہواہے اس کا پچھلا حصہ بھائی جی (شیخ عبدالرحمن صاحب قادیانی) سے لکھوایا تھا- ان سے لکھنے میں غلطی ہوگئی ہے- اس میں لکھا ہے کہ جب مجھے معلوم ہوا کہ مولوی رحیم بخش صاحب گئے تھے تو میں نے ان کو کہا کہ ان لوگوں سے جاکر ملیں- لیکن میں نے ان کو یہ لکھوایا تھا کہ جب مجھے معلوم ہوا کہ وہ لوگ آئے ہیں تو میں نے مولوی رحیم بخش صاحب کو کہا کہ وہ جاکر ان سے ملیں- کیونکہ یہ تو مجھے پہلے سے معلوم تھا کہ مولوی رحیم بخش صاحب وہاں گئے ہیں-

اصل واقعہ یہ ہے کہ ہم صبح کے وقت سیر کو چلے- راستہ میں میں نے گاڑی والے سے پوچھا کہ کیا یہاں بہائی رہتے ہیں- اس نے کہاں ہاں اسی سڑک پر رہتے ہیں اور راستہ میں ایک مکان دکھایا کہ یہ ان کا ہے- جب ہم سیر سے واپس آرہے تھے تو بعض دوستوں نے چاہاکہ وہاں جاکر ان کی حالت کو دیکھیں- میں نے سڑک پر گاڑی کھڑی کروالی- اور مولوی رحیم بخش صاحب اور ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب اور میاں شریف احمد صاحب اندر چلے گئے- وہاں سے وہ واپس آئے اور انہوں نے بتایا کہ مردانے مکان میں صرف بچے تھے- ہم نے ان میں سے شوقی کے بھائی کی تصویر لے لی ہے اور مکان کی- اور یہ کہ نوکر کہتاتھاکہ ٹھہرو- ہم نے کہاجب شوقی آفندی صاحب یہاں نہیں تو ہم نے کیا ٹھہرنا ہے- نوکر نے وہ بیان کرتے ہیں کہ یہ کہا کہ شوقی آفندی کے والد اندر ہیں مگر وہ نہ آئے- اس کے بعد ہم ہوٹل کو اور پھر سٹیشن کو واپس آگئے- کیونکہ دمشق کی گاڑی کا وقت قریب تھا- اور ہم حیفا میں رات صرف اس وجہ سے ٹھہرے تھے کہ گاڑی دوسرے دن دس بجے چلنی تھی- جب ہم سٹیشن پر پہنچے تو ابھی اندر نہ گئے تھے کہ کسی شخص نے مجھے بتایاکہ شوقی آفندی کے والد آئے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ مرزا صاحب کے خلیفہ جو ہمارے مکان پر گئے تھے وہ کہاں ہیں؟ جب مجھے یہ معلوم ہواتو میں نے مولوی رحیم بخش صاحب کو کہا کہ آپ ان سے جاکر ملیں اور بتائیں کہ میں گیا تھا تاکہ ان کی غلط فہمی دور ہوجائے- اس کے بعد میں سٹیشن میں داخل ہونے

کے لئے بڑھا تو ایک صاحب جن کی نسبت بعد میں معلوم ہوا کہ شوقی آفندی صاحب کے والد تھے مجھ سے ملے اور پوچھا کہ آپ ہمارے مکان پر گئے تھے۔ میں نے کہا کہ نہیں۔ میرے سیکرٹری اور بعض اور دوست گئے تھے۔ کیا انہوں نے آپ کو بتایا نہیں میں نے ان کو آپ کی طرف بھیجا تھا۔ انہوں نے کہا کہ نہیں مجھے نہیں ملے۔ میں نے اِدھر اُدھر دیکھا تو مولوی صاحب پاس نہ تھے کسی نے بتایا کہ وہ اندر چلے گئے ہیں۔ اس کے بعد شوقی صاحب کے والد نے کہا کہ مکان پر چلئے اور کچھ ٹھہریئے۔ میں نے ان کو بتایا کہ ہم گھر سے ولایت کے لئے نکلے ہیں۔ جہازوں کے ٹکٹ لئے ہوئے ہیں۔ وقت پر نہ پہنچنے سے ہزاروں کا نقصان ہوتا ہے۔ راستہ میں حسب پروگرام پندرہ دن کے لئے اُترے ہیں کہ دمشق جائیں اور تبلیغ کریں' اس میں سے اب کُل آٹھ دن باقی ہیں۔ ہم یہاں کس طرح ٹھہر سکتے ہیں۔ اور دمشق کے سفر کو جس کی خاطر ہم ادھر آئے ہیں کیونکر چھوڑ سکتے ہیں۔ آپ ہمیں معذور سمجھیں۔ اس پر وہ اصرار کرنے لگے کہ نہیں یہاں ضرور ٹھہریئے۔ میں نے ان کو بتایا کہ دیکھئے اسباب ریل میں رکھا ہوا ہے آدمی سوار ہو چکے ہیں۔ وقت کی پابندی ہے ہم کس طرح ٹھہر سکتے ہیں۔ اتنے میں آدمی آیا کہ ریل چلنے والی ہے چلئے۔ میں معذرت کر کے اندر چلا گیا۔ یہ ان کی دعوت کی حقیقت ہے اور تبلیغ کے موقع کی اصلیت۔

انگور کے خوشہ کا واقعہ یہ ہے کہ جب ہم ہوٹل میں پہنچے تو ایک خوشہ انگور کا میں نے اپنے کمرہ میں دیکھا اور پوچھا کہ یہ کیسا ہے؟ ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ جو لوگ شوقی صاحب کے مکان پر گئے تھے ان کو تحفہ کے طور پر انہوں نے دیا تھا۔ میں نے اسی وقت ان کو بلا کر کہا کہ آپ نے خوامخواہ اعتراض سر پر لیا ہے۔ میں ان لوگوں کو جانتا ہوں یہ خوشہ طعنہ بن کر رہے گا۔ اس کو میرے پاس سے لے جاؤ۔ تم کو نہ لینا چاہیئے تھا ورنہ بدلہ دینا چاہیئے تھا۔ انہوں نے کہا کہ ہم معذرت کرتے تھے مگر نوکر نے کہا کہ آپ اس کو لے جاویں۔ میں نے کہا کہ یہ لوگ تو مجاوروں کی طرح ہیں آپ کو زائر سمجھے ہوں گے بطور تبرک کے دے دیا۔

ڈپٹی گورنر حیفا کے متعلق جو بات لکھی ہے وہ بھی سر تا پا جھوٹ ہے۔ سر کلیٹن صاحب ایکٹنگ گورنر فلسطین نے میری دعوت کی اور خود ہی کہا کہ حیفا کے نائب گورنر کو وہ فون کریں گے کہ ہر طرح آپ کے آرام کی فکر کریں آپ ان کو اطلاع دے دیں۔ اسی طرح انہوں نے اور اپنے دوستوں کے نام دمشق اور روم کے لئے چٹھیاں لکھ کر دیں۔ جن میں سے ایک بوجہ برطانیہ کے وزیر اٹلی صاحب کی عدم موجودگی کے اب تک ہمارے پاس ہے۔ جب ہم حیفا پہنچے تو چونکہ انتظام

سب ہم کر چکے تھے ہمیں ان سے مدد کی کوئی ضرورت نہ پیش آئی۔جب ہم سیر کو جا رہے تھے کہ ان کی عدالت بھی راستہ میں آگئی۔میں نے مولوی رحیم بخش صاحب سے کہا کہ گو ضرورت کوئی نہیں مگر اخلاق چاہتے ہیں کہ آپ ان سے مل آئیں تاکہ ان کو اگر اطلاع ملی ہے تو یہ شکایت نہ ہو کہ مجھ سے ملے نہیں۔مولوی صاحب ان سے ملے۔انہوں نے بتایا کہ چونکہ کل اتوار تھا۔اور اتوار کو تار وغیرہ سب بند ہوتے ہیں اس وجہ سے گورنر صاحب اطلاع نہ دے سکے ہوں گے۔اس کے بعد پوچھا کہ میں کیا کر سکتا ہوں؟ جو میرے متعلق کام ہو بتایا جائے۔مولوی صاحب نے شکریہ ادا کیا اور کہا کہ انتظام سب ہو چکا ہے۔پھر نائب گورنر صاحب نے ان سے کچھ ناشتہ کرنے کی درخواست کی۔انہوں نے معذرت کی اور چلے آئے۔یہ حقیقت اس واقعہ کی ہے۔اس کے بعد واپسی پر جب شیخ یعقوب علی صاحب اور چوہدری فتح محمد صاحب پیچھے رہ گئے تو انہی نائب گورنر صاحب نے ان کے لئے خاص انتظام کیا، جس قدر روپیہ کی ان کو ضرورت تھی وہ بھی دیا اور فون کر کے مجھے ایک درمیانی سٹیشن کے افسر کی معرفت ان کے متعلق پوری اطلاع دی۔جن مرزا بدیع صاحب کی نسبت یہ واقعہ منسوب کیا جاتا ہے اگر اس کا اصلی نام بہائی شائع کر دیں تو دنیا کو خود ان کی بات کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔

میری طبیعت نہایت کمزور ہو گئی ہے۔آنکھیں کمزور ہو گئی ہیں اور سینہ میں درد ہے۔بھوک بالکل بند ہو گئی ہے۔

خاکسار

مرزا محمود احمد

(الفضل یکم نومبر ۱۹۲۴ء)

لندن کے نومسلموں کو پیغام احمدیت

(فرمودہ ۱۲۔ اکتوبر ۱۹۲۴ء)

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ ھُوَالنَّاصِرُ

ہمشیرگان و برادران! اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ۔ میں نے آج آپ کو ایک تو اس لئے تکلیف دی ہے کہ اب چند دنوں میں میں اور میرے احباب جانے والے ہیں آپ لوگوں سے پھر ایک دفعہ ملاقات ہو جائے اور دوسرے ایک اور ضروری اور اہم غرض کے لئے بلایا ہے جس کا بیان کرنا ممکن ہے کہ آپ میں سے بعض کے لئے تکلیف کا موجب ہو لیکن چونکہ میں سمجھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کا بیان کرنا مجھ پر فرض ہے اس لئے میں اس کے بیان کرنے سے نہیں رُک سکتا اور میں امید کرتا ہوں کہ آپ اس پر ٹھنڈے دل سے غور کریں گے۔

آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ وہ جماعت جس کا میں اس وقت امام ہوں ایک علیحدہ نام سے پکاری جاتی ہے اور اس کا انتظام دوسری اسلام کی طرف منسوب ہونے والی جماعتوں سے بالکل الگ ہے یہ فرق اور یہ اختلاف کس وجہ سے ہے؟ کیا کسی ایک عقیدہ کے اختلاف کی وجہ سے؟ کیا عبادت کی کسی تفصیل کے اختلاف کی وجہ سے؟ نہیں ہرگز نہیں۔

اگر یہ اختلاف ہوتا تو میں ہرگز اس اختلاف کی وجہ سے ایک علیحدہ نام کے نیچے کام کرنے کے لئے تیار نہ ہوتا کیونکہ میرے نزدیک اتحاد جماعت تمام اجتہادوں پر مقدم ہے۔ ہر ایک اجتہاد خواہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو اس قابل ہے کہ اسے اتحاد کی خاطر نمایاں نہ ہونے دیا جائے۔ پس اس اختلاف کی وجہ کوئی اجتہادی امر نہیں ہے بلکہ اس کا موجب یہ ہے کہ احمدی جماعت کے بانی کا یہ دعویٰ تھا کہ بوجہ اس کے کہ مسلمان اپنے عقیدوں اور اپنے عملوں کی وجہ سے خدا تعالیٰ سے بالکل دور ہو گئے تھے خدا تعالیٰ نے اپنی قدیم سنت کے موافق آپ کو نبی بنا کر بھیجا تا کہ حقیقی اسلام کو قائم کریں اور اس سچی روح کو دلوں میں پیدا کریں جس کے بغیر کوئی مذہبی ترقی ہو نہیں سکتی۔

پس چونکہ آپ نبی تھے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے مبعوث تھے اس لئے ضروری تھا کہ آپ کے ذریعہ ایک نئی جماعت بنائی جاتی جس طرح کہ ہمیشہ سے نبیوں کے زمانہ میں نئی جماعتیں بنائی جاتی رہی ہیں- پس خدا تعالیٰ نے اس زمانہ میں اسلام کی ترقی حضرت مسیح موعود علیہ السلام بانی سلسلہ احمدیہ کے ساتھ وابستگی کے ساتھ معلّق کر دی ہے اور اس سلسلہ کے بغیر اسلام کے زندہ رہنے کی کوئی امید نہیں ہے- انسانی عقل انہیں واقعات کے متعلق سوچ سکتی ہے جن کے سب اسباب سامنے موجود ہوں مگر خدا تعالیٰ اس غیب سے واقف ہے جس تک انسان کی نظر نہیں پہنچ سکتی- پس فیصلہ وہی ہے جو خدا تعالیٰ کرتا ہے اور خدا تعالیٰ کا فیصلہ وہی ہے جو میں نے اوپر بیان کیا ہے-

اے ہمشیرگان اور برادران! آپ لوگوں نے اس مذہب کو چھوڑ کر جس پر آپ کے باپ دادا چل رہے تھے ایک نئے مذہب کو اختیار کیا ہے آپ کی یہ قربانی قابل قدر ہے مگر آپ کو معلوم ہے کہ اسلام کیا ہے؟ اسلام کے معنے کامل طور پر سپرد کر دینے کے ہیں اور جب تک کہ انسان اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کی مرضی کے کامل طور پر سپرد نہیں کر دیتا وہ نام میں تو مسلم ہوتا ہے مگر حقیقت میں مسلم نہیں ہوتا مگر کیا نام حقیقت کے مقابلہ میں کوئی حقیقت رکھتا ہے؟ کوئی نام نفع نہیں بخشتا جب تک اس کے ساتھ حقیقت بھی نہ ہو- پس جبکہ خدا تعالیٰ کی مرضی یہ ہے کہ اس وقت وہ ان لوگوں کے ذریعہ سے اسلام کو فتح اور غلبہ دے جو احمدیت سے منسوب ہیں تو پھر اگر ہمارا یہ دعویٰ کہ ہم خدا تعالیٰ کو سب کچھ سپرد کر چکے ہیں سچا ہے تو ہمارا فرض ہے کہ ہم خدا تعالیٰ کی اس آواز پر لبیک کہیں جو اس زمانہ میں بلند کی گئی ہے- تمام نبی اور تمام قانون اسی لئے عزت کے مستحق ہوتے ہیں کہ وہ اس ہستی کی طرف سے آتے ہیں جو کبھی غلطی نہیں کرتی- اگر نوحؑ کے زمانہ میں نوحؑ کی آواز پر لبیک کہنا ضروری تھا- اگر ابراہیمؑ کے زمانہ میں ابراہیمؑ کی آواز پر لبیک کہنا ضروری تھا تو صرف اسی لئے کہ وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے بولتا تھا- اور موسیٰؑ کے زمانہ میں اور پھر مسیحؑ کے زمانہ میں ان کی زبان پر لبیک کہنا ضروری تھا تو صرف اسی لئے کہ وہ خدا تعالیٰ کے بلائے سے بولتے تھے- اور اگر محمد رسول اللہ ﷺ کی آواز پر لبیک کہنا ضروری تھا تو صرف اس لئے کہ وہ خدا تعالیٰ کے حکم سے اپنی طرف بلاتے تھے ورنہ یہ لوگ ہمارے جیسے ہی آدمی تھے- اگر خدا تعالیٰ کی آواز ان کے پیچھے نہ ہوتی تو ان کو کوئی رتبہ حاصل نہ تھا- پس اصل آواز خدا کی ہے خواہ وہ کسی منہ سے نکلے اس کا قبول کرنا ضروری ہے اس کی طرف سے بے پروائی کرنے سے کبھی روحانی ترقی حاصل نہیں ہو سکتی-

پس اب جبکہ خدا تعالیٰ مسیح موعودؑ میں ہو کر بولا ہے تو ہم میں سے ہر ایک کا فرض ہے کہ اس کی آواز کی طرف توجہ کریں اور اپنی مرضی کو اس کی مرضی پر مقدم نہ کریں۔

اے ہمشیرگان و برادران! آپ لوگوں نے خدا تعالیٰ کی رضاء کے لئے ایک قدم اٹھایا ہے مگر کیا جب آپ کو معلوم ہو کہ خدا تعالیٰ کی رضاء دوسرے قدم کے اٹھانے کے بعد مل سکتی ہے تو کیا آپ دوسرا قدم نہیں اٹھائیں گے اور صرف اس امر پر کفایت کریں گے کہ جو ہم نے کرنا تھا کر لیا۔ بے شک آپ کا حق ہے کہ آپ اس امر پر غور کریں کہ مدّعی کا دعویٰ سچا ہے یا نہیں؟ اگر وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ثابت ہو تو اس سے جھوٹوں والا سلوک کریں اور اگر وہ پاگل ثابت ہو تو اس سے پاگلوں والا سلوک کریں لیکن یہ آپ ہرگز نہیں کہہ سکتے کہ اگر وہ سچا ہے تو بھی ہمیں اس کے قبول کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس کا بغیر کسی جدید قانون کے آنا ہرگز اس امر کا ہمیں مجاز نہیں کر دیتا کہ ہم اسے قبول نہ کریں۔ یوشع' داؤد' سلیمان' یوحنا' مسیح بغیر کسی قانون کے آئے تھے مگر پھر بھی خدا تعالیٰ نے ان پر ایمان لانے کو ضروری قرار دیا۔ حق یہ ہے کہ نبی صرف نئی شریعت کے بیان کرنے کے لئے نہیں آتے بلکہ بسا اوقات وہ نئی روح کے پیدا کرنے کے لئے ہی آتے ہیں اور اس لئے ضرورت ہے کہ لوگ ان سے تعلق پیدا کریں۔ پس خدا تعالیٰ اپنی رضاء کو ان کے ساتھ تعلق پیدا کرنے سے وابستہ کر دیتا ہے تا لوگ مجبور رہوں کہ ان کا ساتھ دیں اور اس طرح وہ اتحاد پیدا ہو اور وہ روح پیدا ہو جس کے پیدا کرنے کے لئے ان کو بھیجا گیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اختلاف بری چیز ہے لیکن کونسا نبی آیا ہے جس کے آنے سے بظاہر اختلاف نہ پیدا ہوا ہو۔ کیا موسیٰ کے وقت میں' کیا مسیح کے وقت میں کیا نبی کریم ﷺ کے وقت میں اختلاف پیدا نہیں ہوا؟ کیا پھر باوجود اس کے خدا تعالیٰ نے ان نبیوں کو دعویٰ کرنے پر مجبور نہیں کیا۔ ہم دنیا میں ایک ڈاکٹر کو اس امر کا اہل سمجھتے ہیں کہ وہ جب سمجھے کہ ہمارے جسم کو چیرنے کی ضرورت ہے اسے چیرنے دیں کیونکہ ہم یقین رکھتے ہیں کہ ہماری صحت اس چیرنے پھاڑنے سے وابستہ ہے مگر کیا یہ امر تعجب کے قابل نہیں کہ ہم خدا تعالیٰ کو اس کا اہل نہیں سمجھتے اور اس کے فیصلہ پر اعتراض کرتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ اس نے اختلاف کے سامان کیوں پیدا کئے۔ مگر حق یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نبیوں کے ذریعہ اختلاف پیدا نہیں کرتا بلکہ اختلاف کو ظاہر کرتا ہے۔ نبی سورج کی طرح ہوتے ہیں ان کے آنے سے دلوں کی حالت ظاہر ہو جاتی ہے جس طرح سورج کے نکلنے سے رنگوں کا اختلاف ظاہر ہو جاتا ہے۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ سورج بری چیز ہے کیونکہ اس کے نکلنے

سے دنیا کی یکرنگی جاتی رہتی ہے اور مختلف رنگ نظر آنے لگ گئے ہیں اور کئی چیزوں کی میل اور گندگی ظاہر ہو گئی ہے۔ اگر سورج کے نکلنے پر یہ اعتراض نہیں کیا جاسکتا کیونکہ وہ اختلاف کو مہیا نہیں کرتا بلکہ اختلاف کو ظاہر کر کے اس کے دور کرنے کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ جس قدر نبی آئے ہیں پہلے ان کے زمانہ میں اختلاف ہوا ہے پھر ان کے ذریعہ اتحاد ہوا ہے اگر وہ نہ آتے تو اتحاد بھی کبھی نہ ہوتا۔

غرض اے عزیزو! اگر ایک مدّعی کی سچائی ظاہر ہو جائے تو اس قسم کے شُبہات کی وجہ سے اس کے ماننے میں پیچھے نہیں رہنا چاہئے۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ مسیح موعود کے ذریعے سے خدا تعالیٰ نے کیا کچھ کیا ہے کہتے ہیں کہ مسلمان بیس کروڑ سے زیادہ ہیں مگر کیا یہ عجیب بات نہیں کہ ان بیس کروڑ کو اسلام کی خدمت کی وہ توفیق نہیں ملی جو مسیح موعود علیہ السلام کی پیدا کردہ قلیل جماعت کر رہی ہے۔ یہ امر اس امر کا ظاہر ثبوت ہے کہ اسلام کا مستقبل مسیح موعود کے ساتھ وابستہ ہے اور ہر شخص جو اسلام سے انس رکھتا ہے اس کا فرض ہے کہ اس کی جماعت میں داخل ہو کر اس ذمہ داری کو پورا کرے جو ہر فرد بشر پر خدا تعالیٰ کی طرف سے عائد کی گئی ہے بے شک تکالیف ہوں گی اور لوگوں کے طعنے بھی سُننے ہوں گے مگر ہر زمانہ میں خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے یہ باتیں لازم رہی ہیں اور آپ اس سے بچ نہیں سکتے۔ ان قربانیوں کے مقابلہ میں جو ہمیں سچائی کے قبول کرنے میں کرنا پڑی ہیں اس عظیم الشان نتیجہ کو نہیں بھولنا چاہئے جو ان قربانیوں کے بعد نکلے گا۔ اور اگر کوئی نتیجہ بھی نہ نکلے تو کیا ہمارا فرض نہیں کہ ہم جو کچھ منہ سے کہتے یا دل میں سمجھتے ہیں اس کی سچائی کو اپنے عمل سے ثابت کر دیں؟

اے عزیزو! میں نے خدا تعالیٰ کا پیغام آپ کو پہنچا دیا ہے۔ اور اب میں خدا تعالیٰ کے سامنے بری الذمہ ہوں۔ میں جب اللہ تعالیٰ کے تخت کے سامنے اپنی دنیاوی زندگی کو پورا کر کے حاضر ہوں گا تو میں اس سے کہوں گا کہ اے میرے رب میں نے تیرا پیغام کھلے لفظوں میں سنا دیا تھا اس کا منوانا میرے اختیار میں نہ تھا۔ جو لوگ آپ میں سے ایسے ہوں کہ ابھی ان پر مسیح موعود کی سچائی نہ کھلی ہو ان کو میں اس ذریعہ تحقیق کی طرف توجہ دلاتا ہوں جسے خود مسیح موعود نے تجویز کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ متواتر کئی دن تک خدا تعالیٰ سے دعائیں کر کے سوئیں کہ اے خدا! اگر یہ شخص سچا ہے تو اس کی سچائی ہم پر کھول دے۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو یقیناً خدا تعالیٰ مسیح موعود علیہ السلام کی سچائی ان کے دل پر کھول دے گا کیونکہ وہ اپنے بندوں کو گمراہ کرنا نہیں چاہتا بلکہ ان

کی ہدایت چاہتا ہے اور خدا کے فیصلہ سے اچھا فیصلہ اور کیا ہو سکتا ہے۔

اے عزیزو! اب میں اس دعا پر اس پیغام کو ختم کرتا ہوں۔ کہ اللہ تعالیٰ آپ کے دلوں کو کھول دے اور سچائی کے قبول کرنے کی توفیق دے تاکہ محنتیں ضائع نہ جاویں اور تا ایسا نہ ہو کہ ایک طرف تو آپ اپنے عزیزوں سے مذہب کی خاطر قطع تعلق کریں اور دوسری طرف خدا تعالیٰ سے بھی آپ کا تعلق پیدا نہ ہو۔ اَللّٰھُمَّ اٰمِیْنَ۔ اے اللہ تو ان لوگوں کو بھی جو اس وقت یہاں بیٹھے ہیں اپنی مرضی کے سمجھنے اور اس پر چلنے کی توفیق دے اور ان کو بھی جو دنیا کے چاروں گوشوں میں پھیلے ہوئے ہیں اور اسی طرح تیری مخلوق ہیں جس طرح ہم ہیں تو رحم کرنے والا مہربان ہے۔ اٰمِیْنَ۔

سوال و جواب

حضرت صاحب کا پیغام پڑھا جانے کے بعد سوالات کا سلسلہ شروع ہوا۔ حضرت خلیفۃ المسیح اردو میں اس کا جواب دیتے اور چودھری ظفر اللہ خان صاحب فوراً ترجمان کی حیثیت سے اسے انگریزی میں بیان کرتے۔

(۱) ایک سپرچولسٹ نے پردہ کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا :-(۱) اسلام نے عورتوں کو جو حقوق دیئے ہیں وہ کسی اور مذہب نے نہیں دیئے۔ اسلام عورت کی بہت عزت کرتا ہے وہ ان کو اجازت دیتا ہے کہ وہ مسجدوں میں جا کر عبادت کریں لیکچر سن سکیں اس وقت پردہ کی ضرورت مسلمان عورتوں کے لئے ایک پولٹیکل پردہ کا رنگ رکھتی ہے۔ حکمران قوم کی حالت اور ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص کسی مسلمان عورت کی ہتک کرے تو اس کا کیا انتظام ہو سکتا ہے۔ جو عورتیں کاروباری زندگی رکھتی ہیں ان کے لئے پردہ کے حدود اور ہوں گے۔ عورت کو اسلام نے جس حصہ کے چھپانے کی اجازت دی ہے اس کو قائم رکھ کر وہ اپنے تمام کاروبار سرانجام دے سکتی ہے اور اس کا جس قدر رواج ہوگا سوسائٹی کی اخلاقی حالت ترقی کرے گی۔

(۲) قرآن مجید خدا تعالیٰ کا کلام ہے۔ آنحضرت ﷺ کا نہیں۔ قرآن مجید چونکہ خدا تعالیٰ کی آخری اور کامل کتاب ہے اس لئے اس میں وہ تمام تعلیمات موجود ہیں جو ہر زمانہ کے لئے مفید اور ضروری ہیں۔ چونکہ خدا تعالیٰ عالم الغیب ہے وہ جانتا ہے کہ انسان کی کیا ضروریات کسی زمانہ میں ہوں گی اس کی اخلاقی اور روحانی ترقیات کے لئے جو کچھ بھی ضروری ہے وہ سب موجود ہے۔

(۳) کاروباری زندگی میں عورتیں پردہ کی رعایت رکھ کر مردوں سے کو آپریٹ کر سکتی ہیں۔

(۴) ہمارا فرض یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کے احکام لوگوں تک پہنچاویں اور ان کو سمجھاویں ہم عمل پر ان کو مجبور نہیں کر سکتے۔ معقولیت کے ساتھ سمجھا سکتے ہیں کسی حکم کی حکمت اور فوائد دلیل سے بتا سکتے ہیں لیکن یہ کہ ہم اس پر عمل کراویں یہ ہمارے اختیار کی بات نہیں۔ ہاں یہ میں کہتا ہوں کہ اگر معقولیت کے ساتھ سن لینے کے بعد بھی ایک حق کا انکار کریں گے تو خدا کی طرف سے ایسے حالات پیدا ہو جائیں گے کہ انہیں اس کو تسلیم کرنا پڑے گا۔

(۵) انسان کی آزادی کی مثال ایسی ہی ہے کہ جیسے ایک گھوڑے کے گلے میں رسی پڑی ہوئی ہو اور وہ بہت لمبی ہو اور وہ اِدھر اُدھر چرتا پھرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ آزاد ہے لیکن جب اس رسی کے انتہائی درجہ تک پہنچتا ہے تب اسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آزاد نہیں بلکہ پابند ہے یہ خیال صحیح نہیں کہ انسان آزاد ہے اس آزادی کی ایک انتہاء ہے۔

(۶) جو لوگ خدا تعالیٰ کے ماننے والے ہیں وہ یہ بھی مانتے ہیں کہ قیامت ہوگی اور دنیا کا انجام ہوگا تو اس صورت میں ان کو یہ ماننا پڑے گا کہ کوئی نہ کوئی آخری قانون ہے اور یہ قدرتی بات ہے۔ یہی ہم کہتے ہیں کہ وہ آخری قانون قرآن مجید ہے۔ انسان جس قدر ترقی کرے قرآن مجید اس کی ضروریات کے لئے کافی ہے۔

ایک پروفیسر صاحب سے گفتگو

معمولی رسمی گفتگو مزاج پُرسی وغیرہ سے شروع ہوئی۔ اس نے دریافت کیا کہ آپ پیرس میں کب تک ٹھہریں گے۔ آپ نے فرمایا ایک ہفتہ کے قریب ٹھہرنے کا ارادہ ہے۔ پھر اس نے پوچھا کہ ہندوستان کے سِوا آپ کا سلسلہ کہاں تک پھیلا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا ہندوستان تو سلسلہ کا مرکز ہی ہے اس کے علاوہ تمام دنیا میں میری جماعت پھیلی ہوئی ہے۔ مغربی افریقہ' ماریشس' سیلون' افغانستان' بخارا' ایران' چین' سماٹرہ' مصر' انگلستان' امریکہ' بلجیئم' ہالینڈ' روس' جرمنی' آسٹریلیا غرض ہر حصۂ دنیا میں یہ جماعت پھیلی ہوئی ہے اور خدا کے فضل سے ترقی کر رہی ہے۔

میں نے شام (سیریا) کا سفر کیا ہے دمشق میں یہ حالت تھی کہ ہر وقت کئی کئی سو آدمی کا مجمع رہتا تھا۔ ہوٹل والے نے آخر دروازے بند کر دیئے اور پولیس کو بلایا۔ لوگ ہوٹل کے نیچے کثیر تعداد میں جمع رہتے اور پولیس سے جا کر اجازت لے لے کر آتے تھے اور جب میں وہاں سے بیروت کے لئے روانہ ہوا تو باوجود یہ کہ کوئی اطلاع نہیں دی گئی تھی بہت بڑا مجمع سٹیشن پر ہو گیا۔

حضرت مرزا صاحب کے متعلق ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ جس طرح پر حضرت موسیٰ' حضرت ابراہیم اور حضرت عیسیٰ عَلَیْھِمُ السَّلَامُ نبی تھے اسی طرح مسیح موعود بھی نبی تھے۔ہاں ان کے متعلق ہمارا یہ بھی ایمان ہے کہ یہ نبوت ان کو آنحضرت ﷺ کی کامل اتباع اور فرمانبرداری کے طفیل ملی تھی اور ہمارا یہ بھی ایمان ہے کہ وہ مسیح موعود ہے جس مسیح کی آمد کا وعدہ عیسائیوں کو دیا گیا تھا یا اسلام میں جس کی بشارت تھی وہ مرزا احمد ہی تھے اب کوئی اور موعود نہیں آئے گا اور مسیح کی قوت و روحانیت میں آئے تھے یہ نہیں کہ مسیح کی روح ان میں آگئی تھی پس ہم حضرت مسیح موعود کے متعلق دو باتوں پر ایمان رکھتے ہیں ایک یہ کہ وہ نبی تھے دوسرے وہ مسیح کی سپرٹ اور طاقت لے کر آئے تھے۔جب انسان کو خدا بنایا گیا یعنی مسیح کے متعلق لوگوں نے مبالغہ کر کے اس کو خدا قرار دیا تو خدا تعالیٰ کی غیرت نے تقاضا کیا کہ وہ دنیا پر مسیح کی حقیقت کو واضح کرے چنانچہ اس نے آنحضرت ﷺ کے ایک خادم اور متبع کو یہ عزت دی کہ وہ مسیح موعود ہوا اور نبی اللہ ہو کر آیا تاکہ مسیح کی پوزیشن واضح ہو جائے۔

ایک عورت کے سوال کا جواب اس مقام پر ایک عورت نے سوال کیا۔کیا آپ ایمان رکھتے ہیں کہ یہ سپرٹ پھر آئے گی؟

حضرت صاحب :۔ موعود کا جہاں تک تعلق ہے وہ پورا ہو چکا ہے ہاں اس کی روح اور قوت میں کوئی اور بھی آسکتا ہے۔اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے یحییٰ کا آنا تھا کہ وہ ایلیا کی روح اور قوت لے کر آئے۔حضرت مسیح سے خود یہ سوال ہوا ہے۔یہودیوں کا ملاکی نبی کی کتاب کے وعدہ کے موافق یہ عقیدہ تھا کہ ایلیا دوبارہ آئے گا[۶۶] چنانچہ انہوں نے جب مسیح کا دعویٰ سنا تو انہوں نے مسیح سے ایلیا کے آنے کے متعلق پوچھا۔مسیح نے یہی جواب دیا کہ وہ آنے والا تو آچکا ہے اور وہ یوحنا بپتسمہ دینے والا ہے۔[۶۷] مسیح نے اس طرح پر دوسری آمد کا خود فیصلہ کر دیا کہ کسی کے دوبارہ آنے سے خود اس کا ہی آنا مراد نہیں ہوتا بلکہ کوئی دوسرا شخص اس روح اور قوت سے آتا ہے۔ایسا ہی مسیح نے متی کی انجیل میں یہ بھی کہا کہ تم مجھے دوبارہ نہ دیکھو گے[۶۸] اور پھر کہا ہے مبارک ہے وہ جو آپ کے نام سے آئے۔اس میں بھی مسیح نے بتا دیا ہے کہ مسیح کی دوبارہ آمد سے مراد روحانی آمد تھی نہ کہ خود اپنا آنا۔جو لوگ یہ خیال کر بیٹھے ہیں کہ مسیح دوبارہ آئے گا وہ غلطی پر ہیں۔اگر قیامت تک بھی انتظار کریں تو وہ نہیں آئے گا۔آنے والا آچکا اور مبارک وہ جو اس کو قبول کرتا ہے کیونکہ وہ خدا کی بادشاہت میں داخل ہو گا اور میں اسی آنے والے کا دوسرا خلیفہ

ہوں جس طرح پر پیٹر (پطرس) دوسرا خلیفہ تھا۔

ہم یقین رکھتے ہیں کہ نبی کی روح ہمیشہ اپنے متبعین میں کام کرتی رہتی ہے۔ جو شخص نبی کی کامل اتباع کرے گا وہ ان برکات کو پالے گا جو اس نبی کو دیئے جاتے تھے اور اس کے ہاتھ پر نشان ظاہر ہوں گے۔ مسیح نے بھی اسی لئے اپنے حواریوں کو کہا تھا کہ اگر تم میں رائی کے دانے کے برابر ایمان ہو تو پہاڑ تمہارے کہنے سے اپنی جگہ سے ہل جائیں گے۔[۶۹]

ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود کے ذریعہ جو برکات دنیا کو دیئے گئے وہ اب بھی موجود ہیں۔ ہم میں ہزاروں ایسے ہیں جو ان برکات سے حصہ لیتے ہیں میں خود اس معاملہ میں تجربہ کار ہوں خدا تعالیٰ کی طرف سے برکات اور فضل آتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے اکثر نشانات میرے ہاتھ پر ظاہر کئے ہیں اور قبل از وقت اس نے مجھ کو بعض امور کی اطلاع دی اور میری دعاؤں کو سنا اور قبول فرمایا۔ میں ان میں سے دو واقعات بتاتا ہوں۔

(حضرت اقدس نے اس مقام پر ڈاکٹر مطلوب خان کی وفات کی خبر اور اس کی وجہ سے اس کے بوڑھے والدین کے تصور سے اپنے قلب کی کیفیت اور پھر اس کی خارق عادت زندگی کی بشارت کا ملنا اور اس کے زندہ رہنے کی خبر اور کیفیت کا ملنا بیان کیا۔ عورت نے سن کر کہا۔ کہ فی الحقیقت یہ عجیب رؤیا ہے۔ پھر حضرت نے پلیگ کے متعلق واقعہ بیان کیا کہ)

گورنمنٹ نے اعلان کر دیا کہ اب پلیگ بالکل دور ہو گئی ہے اور اب اندیشہ نہیں۔ مگر خدا تعالیٰ نے مجھے بتایا کہ پلیگ کا دورہ ہو گا اور خطرناک ہو گا۔ چنانچہ میں نے قبل از وقت اس کے متعلق ایک خطبہ پڑھا جو اخبارات میں شائع ہو گیا اس وقت کہیں پلیگ کا نام و نشان نہ تھا۔ لیکن بعد میں جب یہ بھی رؤیا شائع ہو چکی تو کچھ عرصہ کے بعد اس کا خطرناک دورہ ہوا اور ڈیڑھ لاکھ کے قریب آدمی اس سے ہلاک ہوئے۔

میں نے انگلستان کے متعلق بھی ایک رؤیا دیکھا کہ میں ایک سمندر کے کنارہ پر ایک جرنیل کی حیثیت سے اُتر رہا ہوں اور خدا نے میرا نام ولیم دی کانکرر (فاتح ولیم) رکھا اس وقت یہاں آنے کا خیال بھی نہ تھا۔ پھر خدا تعالیٰ نے اس کے لئے عجیب سامان پیدا کئے۔ مذہبی کانفرنس کی طرف سے دعوت دی گئی۔ تب میں نے اپنی جماعت سے مشورہ کیا مرکز سے میرا باہر نکلنا بہت ہی مشکل ہے۔ جماعت کی تنظیم اور تربیت بہت بڑا کام ہے۔ مختلف محکموں کے سیکرٹریوں کو ہدایات دینا اور ان کے کام کی نگرانی دنیا کے ہر حصہ کے خطوط کا پڑھنا اور ان کے جوابات کے لئے

ہدایات یہ اتنا بڑا کام ہے کہ بعض اوقات میں صبح سے لے کر آدھی رات سے زیادہ تک کام کرتا ہوں- جماعت نے مجھے یہاں خود آنے کا مشورہ دیا اور خدا نے اس کے لئے آپ سامان پیدا کئے اور میرا یہاں آنا ہوا ہے اور اس کا جو نتیجہ اور اثر ہے وہ ظاہر ہے-

پہلی بات جو لوگوں کو سلسلہ احمدیہ کے متعلق روکتی تھی وہ یہ تھی کہ وہ اسے ایک گمنام تحریک سمجھتے تھے مگر میرے آنے کے بعد یہ ظاہر ہو گیا کہ یہ عظیم الشان تحریک ہے- اب لوگوں کے دل کھُل گئے ہیں اور وہ اس کے سننے کے لئے تیار ہیں- مجھے انگلستان کے بڑے بڑے آدمیوں نے کہا ہے کہ یہاں پچاس فیصدی سے زیادہ لوگ آپ کی تحریک سے واقف ہو گئے ہیں یہ سن کر پروفیسر نے اور اس کی سیکرٹری نے کہا کہ آپ نے موقع عظیم حاصل کر لیا-

(اس کے بعد حافظ صاحب نے نیر صاحب کے اعلان کے موافق تلاوت کی اور پھر سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہو گیا-)

احمدیوں سے غیر احمدیوں کا سلوک

ایک سپر چولسٹ:- میں نے جناب سے بہت باتیں کی ہیں مگر میں ایک سوال اور پوچھتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ عام مسلمانوں کا رویہ احمدیہ موومنٹ کی طرف کیسا ہے جو ایسی موومنٹ ہے کہ سُرعت سے پھیل رہی ہے-

حضرت صاحب :- ہماری جماعت کا ۹۷ یا ۹۸ فیصدی حصہ مسلمانوں میں سے ہی آیا ہے اور باقی ۲ یا ۳ فیصدی وہ لوگ ہیں جو غیر اقوام سے آئے ہیں- جو لوگ مسلمانوں میں سے زیادہ تعلیم یافتہ ہیں اور جو غور و فکر کرتے ہیں وہ ہمارے ساتھ تعلق پیدا کرتے چلے جاتے ہیں اور ہر طبقہ کے لوگ ہمارے ساتھ ملے ہیں علمائے اسلام' تاجر' زمیندار' گریجوئیٹس وغیرہ-

جو لوگ ہماری مخالفت کرتے ہیں یا تو وہ اپنی ذاتی اغراض اور مفاد کی بناء پر کرتے ہیں اور بعض ناواقفیت کی وجہ سے- جن لوگوں کا اختلاف ناواقفیت کی وجہ سے ہوتا ہے وہ واقفیت ہونے پر ہماری طرف آرہے ہیں- اور نفس مخالفت کوئی چیز نہیں جب کوئی نیا نبی آتا ہے تو لوگوں نے اس کی مخالفت کی ہے مگر اس مخالفت میں اس کا کامیاب ہونا اس کے خدا کی طرف سے ہونے کا ثبوت ہوتا ہے- اسی طرح ہماری مخالفت بھی ہوئی اور بہت ہوئی مگر خدا تعالیٰ نے جیسا کہ بانی سلسلہ حضرت مسیح موعود کو پہلے سے خبر دی تھی کہ مخالفت ہوگی اور باوجود مخالفت کے خدا کامیاب کرے گا ایسا ہی ہوا- ہر قسم کے لوگوں نے مخالفت کی اور خدا تعالیٰ نے ہر جگہ ہماری تائید کی اور

اب یہ حالت ہے کہ جو مخالف ہیں وہ بھی اقرار کرتے ہیں کہ جماعت اسلام کی خدمت اور اشاعت کرنے میں اپنی نظیر آپ ہے اور جماعت کی عملی حالت کے دوسروں کے مقابلہ میں اعلیٰ ہونے کا بھی اقرار کرتے ہیں تعلیم یافتہ طبقہ ہماری طرف آرہا ہے۔

افریقہ میں اشاعت اسلام

ایک اور شخص:- میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ افریقہ میں بمقابلہ عیسائیت کے اسلام کیوں سُرعت سے پھیل رہا ہے۔

حضرت صاحب :- اصل بات یہ ہے کہ کوئی زمانہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ تمام انسان ایک ہی حالت میں ہوں ان کے اندر انقلاب ہوتے رہتے ہیں۔ کسی مذہب کی حقیقی کامیابی کے لئے ایک وجہ یہ ہے کہ اس کے اندر ہر طبقہ کے لوگوں کی اصلاح کی قوت ہو' اس کی تعلیم معقول اور مؤثر ہو اور قابل عمل ہو۔ پھر اس تعلیم کے ثمرات اور نتائج ہمیشہ نظر آسکیں۔ اور یہ اصلاح کسی ایک طبقہ کی نہیں بلکہ ادنیٰ اور اعلیٰ سب کی اصلاح کرسکے اور ہر طبقہ کے لوگوں کو اس سے اوپر لے جا سکے۔ عیسائیت حقیقی اصلاح نہیں کر سکتی اور اس لئے عملاً وہ ناکام ثابت ہو چکی ہے۔ اس میں ایک حصہ پر زور دیا گیا اور دوسری اخلاقی قوتوں کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ مثلاً ایک گال پر طمانچہ کھا کر دوسری پھیر دینے کی تعلیم بظاہر بہت خوبصورت معلوم ہوتی ہے مگر ہر شخص جو عیسائی بھی ہے یہ سمجھتا ہے کہ یہ تعلیم عمل کے قابل نہیں۔ غرض عیسائیت ایسی ناکام ثابت ہوئی ہے کہ جو لوگ قومی حیثیت سے عیسائی ہیں وہ مذہبی طور پر عیسائی نہیں برخلاف اس کے اسلام انسان کی تمام اخلاقی قوتوں کی تربیت کرتا ہے اور اس کی روحانیت کو نشوونما دیتا ہے اور اس تعلیم کے ثمرات موجود ہیں۔ اس کے اصول ایسے سادہ اور فطرت کے مطابق ہیں کہ ہر شخص اگر تعصب نہ کرے ان کے ماننے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ غرض اسلام اپنی تعلیم کے کمال اور اس کی آسانی اور اس کے مؤثر ہونے کی وجہ سے اور اس لحاظ سے کہ وہ تمام قوتوں کی تربیت کرتا ہے کامیاب ہے اور عیسائیت اس کے مقابلہ میں ناکام ہے۔

امریکہ میں تبلیغ اسلام

ایک دوسرا شخص:- مجھے معلوم ہوا ہے کہ امریکہ میں آپ نے مشنری بھیجا ہے اور وہاں جماعت ترقی کر رہی ہے۔ کیا آپ مجھے مطلع کریں گے کہ اب کیا حالت ہے۔

جواب:- پچھلے سال وہاں تین سو آدمیوں نے بیعت کی ہے اور اسی طرح رفتارِ ترقی ہے۔ کُل یہاں تین آدمیوں کے خطوط میرے پاس امریکہ سے آئے ہیں۔ امریکہ کے تین مختلف شہروں کے

بڑے آدمی ہیں انہوں نے لکھا ہے کہ اگر میں امریکہ جاؤں تو وہ ہر طرح مدد کرنے کے لئے تیار ہیں-ایک خط بوسٹن سے آیا ہے دوسرا نیویارک سے اور تیسرے کا پتہ اس وقت یاد نہیں-

مگر میں سلسلہ کی اہم مرکزی ضروریات کی وجہ سے نہیں جاسکتا تاہم اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امریکہ میں لوگوں کو بہت توجہ ہو رہی ہے-

قرآن اور بائبل کا مطالعہ

تیسرا شخص:-اگر انسان تعصبات سے الگ ہو کر قرآن اور بائبل کا مطالعہ کرے اور مقابلہ کرتا جاوے تو کیا اس طرح پر مطالعہ کرنے سے اس پر آنحضرت ﷺ کی فضیلت مسیح پر کُھل جائے گی اور مسیح موعود کی فضیلت بھی-

حضرت صاحب :- محض پڑھ لینے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا- مطالعہ سے پہلے ایک تو اس مقصد کو قائم کرلینا چاہئے جس کے لئے اس نے مطالعہ شروع کیا ہے- دوسرے ایک معیار مقرر کرنا ہوگا کہ فضیلت اس کے لحاظ سے ثابت ہوگی-

اگر مطالعہ کرنے والا صحیح نقطہ خیال کو مدنظر رکھے گا تو وہ صحیح نتیجہ کو پالے گا- آنحضرت ﷺ کی فضیلت مسیح پر بہت طریقوں سے ثابت ہے اور واضح ہے کیا بلحاظ تعلیم کے کیا بلحاظ تعلیم کے اثرات کے- اگر ایک ایک بات لی جاوے اور اس میں مسیح کی تعلیم اور اس کے اثرات کو دیکھیں اور بالمقابل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور اس کے نتائج کو دیکھیں تو حیرت انگیز فرق اور امتیاز معلوم ہوتا ہے اور انسان کو ماننا پڑتا ہے کہ آنحضرت ﷺ افضل ہیں- حضرت مسیح کوئی شریعت لے کر نہ آئے تھے مگر آنحضرت ﷺ ایک دائمی شریعت اور کامل قانون اور کتاب لے کر آئے اور پھر حضرت مسیح کی تعلیم اخلاقی صرف ایک پہلو پر زور دیتی تھی قطع نظر اس کے کہ اس سے کوئی اصلاح ہو سکتی ہو یا نہ ہو مگر آنحضرت ﷺ نے جو تعلیم دی ہے وہ یہی نہیں کہ تمام پہلوؤں کی تربیت کرتی ہے بلکہ وہ ایسی کامل ہے کہ وہ اصلاح کی قوت اپنے اندر رکھتی ہے پھر مسیح یہی نہیں کہ کوئی نئی تعلیم نہیں لایا بلکہ اس نے اقرار کیا کہ کوئی نئی بات لے کر نہیں آیا جیسا کہ پہاڑی وعظ میں اس نے اقرار کیا ہے-

پس اس غرض کے لئے متقابل مطالعہ شروع کرنے سے پہلے معیارِ صداقت و فضیلت قائم کرنا چاہئے اور ایک ایک بات لے کر دیکھا جاوے- قرآن اور بائبل کا آپ مقابلہ کریں گے تو صاف کھل جائے گا کہ قرآن کریم کی تعلیم بہت اعلیٰ ہے اور مسیح صرف ایک محدود قوم اسرائیل

کی گم شدہ بھیڑوں کے لئے آیا مگر آنحضرت ﷺ کی دعوت عالمگیر تھی وہ کُل نوعِ انسان کے لئے ہمیشہ کے لئے نبی ہو کر آئے۔

مسیح موعود کا مسیح سے افضل ہونے کا مسئلہ بھی مشکل نہیں قرآن کریم ایک اصل بتاتا ہے کہ مذہب سوسائٹی کی ترقی کے ساتھ ترقی کرتا ہے اور ایک قسم کا ارتقاء مذہب میں بھی ہوتا رہتا ہے اور وہ ارتقاء خدا تعالیٰ کے خلفاء کے ذریعہ ہوتا ہے جو خدا تعالیٰ سے وحی پا کر پیش کرتے ہیں۔ پس جو پہلے کے بعد آئے گا وہ یقیناً اس سے اس حالت موجودہ کے لحاظ سے افضل ہوگا۔ لیکن احمد کی فضیلت دراصل آنحضرت ﷺ ہی کی فضیلت ہے کہ آپ کی تعلیم اور اس کے اثر سے اس کے غلاموں میں مسیح کے مقام کو پالیتا ہے بلکہ اس سے بڑھ جاتا ہے۔ نبی دو قسم کے ہوتے ہیں یا تو شریعت لے کر آتے ہیں اور یا وہ پہلے نبی کے متبع ہوتے ہیں۔

شریعت چونکہ آنحضرت ﷺ پر ختم ہو گئی اور آپ ایسی کامل شریعت اور کتاب لائے کہ اب قیامت تک کی انسانی، اخلاقی اور روحانی ترقیات کے لئے اس میں اثر اور قوت موجود ہے اس لئے آئندہ خدا کے روحانی فضل اور برکت کو آنحضرت ﷺ کی اتباع کے ساتھ مخصوص کر دیا گیا اور حضرت احمد نے آپ ہی سے پایا اور اب احمد کے متبعین احمد کی بتائی ہوئی راہ پر چل کر ان برکات اور فضلوں کو حاصل کر رہے ہیں۔ اور وہ برکات اب مسیح کے متبعین میں نہیں ہیں۔ ان کو بارہا اس مقابلہ کے لئے حضرت مسیح موعود نے بُلایا اور کوئی سامنے نہیں آیا اور اب بھی نہیں آسکتا۔ پس مسیح موعود کے ثمرات جاری ہیں اور مسیح کے ختم ہو چکے اس سے مسیح کی پوزیشن سمجھ میں آجاتی ہے۔

مسیح موعود اور حضرت مسیح کی روح

ایک سپر چولسٹ:۔ کیا مسیح موعود احمد میں مسیح کی روح آگئی تھی یا اس کے روح کے اثر کے نیچے مسیح موعود کام کرتے تھے؟

حضرت صاحب :۔ ہم تناسخ کے قائل نہیں ہیں کہ یہ تسلیم کریں کہ مسیح کی روح مسیح موعود میں آگئی اور نہ ہم اس بات کے قائل ہیں کہ ان کی روح کے اثر کے نیچے وہ کام کرتے تھے۔

ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ جو روح چلی جاتی ہے وہ دوبارہ دنیا میں نہیں آتی اور نہ اس روح میں یہ طاقت ہوتی ہے کہ وہ دوسرے پر اثر ڈال سکے ہم تو خدا پر ایمان رکھتے ہیں وہ نبیوں سے کلام کرتا ہے اور جب وہ کسی شخص کو کسی پہلے شخص کے نام پر بھیجتا ہے تو اس کی روح میں ہی وہ قوت اور

اثر پیدا کر دیتا ہے اور وہ اس سے پہلے شخص سے مشابہ ہو جاتا ہے۔ چونکہ پہلے شخص کے ساتھ اس کو مشابہت ہوتی ہے اس لئے اس کو بھی اس سے ایک تعلق ہوتا ہے۔

حضرت مسیح موعود کی روح کو حضرت مسیح کی روح سے مشابہت تامہ ہے ایسی کہ گویا ایک ہی جوہر کے دو ٹکڑے ہیں۔ حضرت مسیح موعود نے مسیح کو کشف میں بحالت بیداری دیکھا اور مسیح نے حضرت مسیح موعود سے مل کر کھانا کھایا ایسا ہی آنحضرت ﷺ کو آپ نے بارہا دیکھا اور آپ کے ساتھ بھی ایسا ہی شدید اور قوی تعلق ہے کہ گویا آپ ہی کے خاندان کے ایک فرد اور بمنزلہ اولاد کے ہیں۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ تمام ارواح کی ہدایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔ ایک پیغمبر اگر اپنی اخلاقی اور روحانی طاقتوں میں دوسرے سے مشابہ ہو تو ان کو باہم ایک تعلق ہوتا ہے اور وہ پیغمبر دوسرے جہان میں اس کے مقاصد اور اغراض کی کامیابی کے لئے دعا کرتا ہے۔ احمد کے متعلق ہمارا یہی عقیدہ ہے کہ مسیح کو ان کے ساتھ ایسا ہی تعلق ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

ایک عورت کے عجیب سوالات

(ایک عورت نے حضرت کو اس قدر محنت کرتے ہوئے دیکھ کر حیرت سے سوال کیا۔)

عورت:۔ آپ ہندوستان جا کر خوش ہوں گے؟

حضرت صاحب:۔ میں اپنے کام میں جا کر خوش ہوں گا کیونکہ میں اپنے ہیڈ کوارٹر میں بہت اور بہتر کام کر سکوں گا۔ میری خوشی کا یہی موجب ہے ورنہ ہندوستان جانا یا یہاں آنا کوئی خوشی کا موجب نہیں میری ساری خوشی کام کرنے میں ہے۔

عورت:۔ کیا آپ کام کرنا بہت پسند کرتے ہیں؟

حضرت صاحب:۔ یہ میرے متبعین سے پوچھو۔ میں صبح سے لے کر آدھی رات تک کام کرتا ہوں۔ لوگوں کو سلسلہ کی تعلیم دیتا ہوں انتظام جماعت کے جو افسر اور دفاتر ہیں ان کی نگرانی کرتا ہوں اور ان کو ہدایات دیتا ہوں۔ کئی سو خطوط روزانہ دنیا کے مختلف حصوں سے آتے ہیں ان کو خود پڑھتا ہوں اور جواب کے لئے سیکرٹریوں کو ہدایات دیتا ہوں۔

عورت:۔ کیا آپ آدمیوں سے ملتے ملتے تھک جاتے ہیں؟

حضرت صاحب:۔ کیا کوئی عزیزوں سے تھک جاتا ہے کیا تُو تھک جاتی ہے۔ میری خوشی اور آرام تو ان لوگوں سے ملنے ہی میں ہوتی ہے۔ وہ خدا کے لئے آتے ہیں پھر میں خدا کے مہمانوں

سے تھک جاؤں جو میری خوشی کا سرچشمہ ہے؟

عورت:- یہ طاقت آپ کو کہاں سے ملتی ہے؟

حضرت صاحب :- اس سے جو ساری طاقتوں کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ میرا خدا ہے۔

عورت: کیا یہ صرف آپ کا خیال ہی ہے؟

حضرت صاحب :- خیال کیا ہوتا ہے یقین اور امر واقعہ ہے۔ میں تم سے باتیں کرتا ہوں اس کو کیا خیال کہہ سکتا ہوں۔ پھر جب میں نے خدا کا کلام خود سنا ہے اور اس سے باتیں کی ہیں تو میں اس کا نام خیال کیسے رکھ سکتا ہوں۔ کام کرنے کا یہ طریق ہمارے امام نے بتایا ہے اور اس نے کر کے دکھایا ہے۔ خدا تعالیٰ نے اس کو ایسے وقت میں جب وہ اکیلا تھا فرمایا کہ لوگ تیرے پاس کثرت سے آئیں گے ان سے تھکنا نہیں پس میں نے اس کو دیکھا کہ ہزاروں آدمی آتے اور وہ کبھی نہ گھبراتا اور نہ تھکتا۔ پھر خدا نے جب وہ جماعت میرے سپرد کی کیا میں اس سے گھبرا سکتا ہوں ہم کو ہمارے امام نے اپنے عمل سے کام کرنا ہی نہیں سکھایا بلکہ یہ بھی بتایا کہ ہم دوسروں کے لئے جیئیں۔

عورت:- آپ کتنی مرتبہ نماز پڑھتے ہیں؟

حضرت صاحب :- پانچ وقت۔ لیکن اگر کوئی دینی کام ہو اور اس کی وجہ سے مصروفیت ہو یا اور ایسے مجبوری کے اسباب ہوں تو دو نمازیں ملا کر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

عورت:- کیا آپ مذہب میں متعصب ہیں۔ (اس سے اس کی مراد یہ تھی کہ جو آپ کے مذہب کو نہیں مانتے۔ ان سے نفرت کرتے ہیں یا ان پر سختی کرتے ہیں)

حضرت صاحب :- میں متعصب کیونکر ہو سکتا ہوں اور کسی مخالف سے نفرت کیسے کر سکتا ہوں۔ میں تو چاہتا ہوں کہ سب کے سب حق کو قبول کریں اگر میں نفرت کروں تو میری بات کیونکر سنیں گے۔ میں ان لوگوں سے جنہوں نے مان لیا پیار کرتا ہوں کہ وہ میرے عزیز ہیں اور میں ان لوگوں سے جنہوں نے نہیں مانا پیار کرتا ہوں کہ وہ بیمار ہیں اور میری ہمدردی کے زیادہ مستحق ہیں میرے لئے نفرت کا کوئی موقع ہی نہیں۔ میری جماعت کے لوگ دکھ اٹھاتے ہیں دکھ دیتے نہیں۔ ابھی افغانستان میں ایک واعظ کو وہاں کی حکومت نے سنگسار کرا دیا۔ اس سے پہلے بھی دو شہید ہوئے اور جگہ بھی لوگ تکلیف دیتے ہیں ہم صبر کرتے ہیں اور ان سے ہمدردی کرتے ہیں کہ وہ نادان ہیں۔

عورت:- میں مانتی ہوں کہ ایک خدا ہے بس یہ کافی ہے کچھ اور جاننے کی کیا ضرورت ہے؟

حضرت صاحب :- جب ایک خدا مانتی ہو تو اس کے حکم کے موافق عمل کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر کوئی حکم نہیں مانتی ہو تو پھر خدا کے ماننے کا دعویٰ صحیح نہیں ہے۔ کیا ہو سکتا ہے کہ بادشاہ کا اقرار کر کے یہ کہہ دو کہ اس کے قانون کی کیا ضرورت ہے؟

عورت:- مجھے اس تکلیف میں پڑنے کی ضرورت نہیں؟

حضرت صاحب :- نہیں اس کی ضرورت ہے۔ کیا صرف پانی کا علم رکھ کر پیاس بجھ جائے گی ضروری ہے کہ پانی پی کر پیاس بجھاؤ۔ خدا تعالیٰ کو جب مان لیا ہے تو اس کے احکام کی تعمیل کرو کہ تم اس کی رضاء کی برکات کو حاصل کر سکو۔ ایک قدم اور آگے بڑھانا چاہئے جب تم ایک مذہب کو سچا مان لو تو پھر اس کی اتباع لازمی ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ نے مجھے آپ کہا کہ اسلام سچا مذہب ہے۔

عورت:- کیا تم ایسا خیال کرتے ہو؟

حضرت صاحب :- میں نے ابھی کہا ہے کہ میں نے اس کو دیکھا ہے اس سے باتیں کی ہیں اس نے قبل از وقت مجھے بہت سی باتیں بتائی ہیں اور وہ پوری ہوئی ہیں (پلیگ وغیرہ کے متعلق رؤیا سنائے اس سلسلہ کلام میں صفائی کا ذکر آیا۔ حضرت نے فرمایا) بے شک ہمارے مکان ایسے صاف نہیں جیسے یہاں کے ہیں۔ اس کی وجہ اور اسباب اور ہیں۔ وہاں جھکڑ چلتے ہیں' آندھیاں آتی ہیں وہ صفائی رہ نہیں سکتی لیکن ہمارے جسم تم سے زیادہ صاف ہیں اور طہارت اور لطافت اسلام کی خاص تعلیم ہے کیا آپ دیانتداری سے کہہ سکتی ہیں کہ ہم لوگ لندن کے لوگوں سے زیادہ صاف نہیں۔ جس قدر ہم نظافت کا خیال رکھتے ہیں آپ لوگ نہیں رکھ سکتے اس لئے کہ ہم کو مذہب نے یہی تعلیم دی ہے۔ عبادت کے لئے صاف لباس اور صاف جسم ضروری ہے ہر نماز کے ساتھ وضو ضروری ہے۔

(پھر اسی سلسلہ کلام میں فرمایا کہ) والدین کا فرض ہے کہ اپنی اولاد کو غلطیوں اور بدیوں سے آگاہ کریں جن میں مبتلاء ہو کر وہ برباد ہو جاتے ہیں اور وہ دوسروں سے ان کو سیکھتے ہیں۔ اگر ان کو تعلیم دی جاتی تو وہ محض سبق سمجھتے لیکن جب تعلیم نہ ہو تو پھر دوسروں سے وہ عمل کے طور پر سیکھتے ہیں۔ اخلاقی تعلیم بطور سبق کے ہو اور اس میں ان آفات سے بھی بچنے کی تعلیم ہو جو ان کو اخلاقی طور پر تباہ کر دیتی ہیں۔

(الفضل ۱۸۔ نومبر ۱۹۲۴ء)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

مذہبی مسائل پر گفتگو

(۱۶-اکتوبر ۱۹۲۴ء حضرت مصلح موعود ایک نو مسلمہ خاتون مسز پرل (موتی بیگم) کی دعوت چائے پر چند خدام کے ساتھ ان کے مکان واقع ڈلچ (لندن) تشریف لے گئے۔ اس موقع پر مسز پرل اور انکی ایک دوست نے بعض سوالات کئے جنکے حضور نے نہایت مدلّل جواب دیئے)

مسئلہ کفر و اسلام

موتی بیگم:- کیا میں آپ کے نقطۂ خیال سے مسلمان ہوں؟

حضرت صاحب:- میں آپ کو پہلے بتا چکا ہوں اب بھی کہتا ہوں کہ چونکہ آپ خدا کے نبی کا اقرار نہیں کرتی ہیں خدا کی نظر میں مسلمان نہیں تم خود اپنے آپ کو مسلمان کہتی ہو۔

سوال:- بہت سے لوگ جو مسلمان ہیں وہ کہتے ہیں کہ آپ کے نزدیک غیر احمدی مسلمان نہیں؟

حضرت صاحب:- میں کہتا ہوں یہ تو قرآن شریف کا فیصلہ ہے جو خدا کے کسی نبی کا انکار کرے وہ کافر ہوتا ہے یہ قرآن شریف کا فیصلہ ہے کہ ہر شخص جو اپنے آپ کو مسلم کہتا ہے وہ خدا کے سب نبیوں پر ایمان لائے اور ان میں بلحاظ نبوت کے تفریق نہ کرے۔ سورۃ بقرہ میں خدا تعالیٰ نے مسلم کے ایمان کے ارکان بتاتے ہوئے کہا کہ وہ لَا نُفَرِّقُ بَیۡنَ اَحَدٍ مِّنۡ رُّسُلِہٖ [1] کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ پس مسلم کی سچی تعریف یہی ہے کہ جو تمام ان وحیوں پر ایمان لائے جو خدا کی طرف سے آتی ہیں۔ تم یہ نہیں کہہ سکتی ہو کہ ان کو علم نہیں اور جو شخص جہالت سے کسی وحی کا انکار کرے اس پر اس کا اطلاق نہ ہوگا۔ کیا انگلستان کے دیہات میں یا یہاں دوسرے لوگ اسلام سے واقف نہیں صاف ظاہر ہے کہ نہیں۔ تو کیا تم ان کو کافر کہو گی یا مسلمان؟

موتی بیگم:- کافر۔

حضرت صاحب:- پھر یہ مسئلہ صاف ہے جب ایک شخص انکار کرتا ہے اور مانتا نہیں خواہ کسی وجہ سے نہیں مانتا وہ کافر کہلائے گا-ہاں کافر کے مفہوم میں یہ بات داخل نہیں کہ وہ سزا بھی ضرور پائے گا- سزا دینا یہ ہمارا کام نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ کسی کے انکار کی کیا وجہ ہے- آیا جان بوجھ کر اس نے انکار کیا ہے یا جہالت اور نادانی سے یا وہ دیوانہ ہے- غرض اس کا بہترین علم خدا ہی کو ہے اور سزا جزاء اسی کے ہاتھ میں ہے- ایک شخص اگر ناواقفی کی وجہ سے انکار کر رہا ہے تو کسی سزا کا مستحق نہیں- اس کی ایسی ہی مثال ہے کہ ایک شخص غلطی سے آپ کے گھر میں آ گیا وہ کسی چوری کی نیت یا شرارت سے نہیں آیا تو آپ اس کو سزا نہ دیں گی کیونکہ وہ جانتا نہ تھا- جب ہم یہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص کافر ہے تو ہم اس کے عذاب کا سوال ہاتھ میں نہیں لے لیتے- لوگ غلطی سے ان دونوں باتوں کو ملا دیتے ہیں- ہم ان کو یہ کہتے ہیں کہ اس نے خدا کے ایک نبی کا انکار کیا ہے- اگر وہ مسیح موعود کا انکار اس وجہ سے کرتے ہیں کہ ان کو علم نہیں کہ وہ مسیح موعود اور خدا کا نبی ہے تو اس ناواقفی کی وجہ سے وہ مستوجب سزا نہیں لیکن جو جان بوجھ کر انکار کرتے ہیں یا غور کرنا ہی نہیں چاہتے وہ اپنی لاعلمی سے فائدہ نہیں اٹھاتے بلکہ وہ جان بوجھ کر ایسا کرتے ہیں اس لئے وہ سزا کے قابل ہیں-

پس جب ہم کافر کہتے ہیں تو اس کے یہ معنے نہیں کہ وہ عذاب دیا جائے گا- یہ خدا کا کام ہے ہمارا نہیں- بہت سے ہندو' یہودی' عیسائی' زرتشتی ایسے ہو سکتے ہیں جنہوں نے آنحضرت ﷺ کا نام بھی نہ سنا ہو وہ کافر تو ہوں گے- لیکن ہم نہیں کہیں گے کہ وہ اس امر میں قابل مؤاخذہ ہیں یہ فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے- ہمارے راستہ میں یہ ایک مشکل ہے کہ لوگ کافر کی حقیقت سے واقف نہیں اور جو ہم بیان کرتے ہیں اس کو نہ تو سمجھتے ہیں نہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں- تم خود دیانتداری سے اس شخص کو جو آنحضرت ﷺ کو نہیں مانتا (خواہ اس کی وجہ کچھ بھی ہو) مومن نہیں کہہ سکتی ہو پس جب کہ تم خود کہتی ہو کہ ابھی میں نے مسیح موعود کو قبول نہیں کیا- میں تم سے پوچھتا ہوں کہ اس کا نام کیا رکھا جاوے- یہ دوسری بات ہے کہ تم نے جان بوجھ کر ایسا کیا ہے یا لاعلمی کی وجہ سے؟

اس پر موتی بیگم خاموش ہو گئی اور اس کے چہرہ سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس معقول بات کو سمجھ گئی ہے- اس نے ایک دوسری مس کو پیش کیا کہ یہ میری دوست ہیں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتی ہیں-

مس:- میں اسلام سے محض ناواقف ہوں کیا آپ اس کو بیان کریں گے؟

اسلام کیا ہے

حضرت صاحب:- میں اسلام کو احمدی نقطۂ نگاہ سے بیان کروں گا کیونکہ میرے اعتقاد میں حقیقی اسلام وہی ہے جو خدا کا نبی لایا ہے اور جس کو خدا نے اسی غرض سے بھیجا ہے- اس نے ہم کو بتایا ہے کہ اسلام خدا کی کامل فرمانبرداری کا نام ہے- دنیا میں کوئی ایسا مذہب نہیں ہے جو کہے کہ خدا کے کامل فرمانبردار نہ بنو- ہر عیسائی' زرتشتی' یہودی یہی کہتا ہے مگر صرف کہہ دینے سے کام نہیں بنتا دیکھنا یہ ہے کہ اس تعلیم کا اثر اور ثمر کہاں پایا جاتا ہے- اسلام اور دوسرے مذاہب میں یہ فرق ہے کہ دوسرے مذاہب یہ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ پہلے بولتا تھا مگر اب خاموش ہے مگر اسلام یہ کہتا ہے کہ وہ ہمیشہ سے اپنے بندوں سے کلام کرتا آیا ہے اور اب بھی کرتا ہے- اس نے ہمیشہ اپنے نبیوں کو بھیجا اور اب بھی بھیجا ہے جو لوگوں کو راہ ہدایت دکھاتے ہیں جب انسان ان کو قبول کرتا ہے اور ان کا انکار نہیں کرتا تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ خدا کا فرمانبردار ہے- بہت سے لوگ اپنے مذہب کو اس لئے مانتے ہیں کہ وہ اس گھر میں پیدا ہوئے اور ۹۹ فیصدی ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں- عیسائی یا ہندو یا مسلمان اس لئے اس مذہب کو مانتے ہیں کہ وہ ایسے والدین کے گھر میں پیدا ہوئے- مگر خدا تعالیٰ ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو تحقیقات اور غور کے بغیر کسی مذہب کو قبول کرتے ہیں- یہ صرف ایک رسم و عادت ہے- خدا تعالیٰ یہ نہیں چاہتا اس لئے وہ اپنے نبی کو بھیجتا ہے تا کہ حقیقت ظاہر ہو-

آپ کے سامنے ایک انگور کا خوشہ ہے اور تم کہتی ہو کہ انگور ہے تو معلوم ہوا کہ تم انگور کو جانتی ہو لیکن اگر یہ دعویٰ کرو کہ میں انگور کو جانتی ہوں مگر جب سیب سامنے کر دیا جاوے تو اس کو کہہ دو کہ انگور ہے تو یہ بات کھل جاوے گی کہ تم انگور اور سیب میں تمیز نہیں کر سکتیں- اسی طرح ایک شخص گذشتہ نبیوں کو مانتا ہے اور کہتا ہے کہ میں خدا کے نبیوں پر ایمان لایا لیکن جب دوسرا سچا نبی آیا اور اس کے سامنے اس کا دعویٰ پیش کیا گیا تو انکار کر دیا اور کہہ دیا کہ مفتری ہے- تب معلوم ہوتا ہے کہ وہ سچے اور جھوٹے نبی میں فرق نہیں کر سکتا اور نہیں سمجھتا اور پہلے کو بھی نہیں مانتا اس لئے خدا ہمیشہ نبی بھیجتا ہے تا کہ انسان کی مخفی قوتوں کا اظہار ہوتا رہے- اسلام حقیقی معنوں میں اس مذہب پر بولا جاتا ہے جو بتاتا ہے کہ ہمیشہ نبی آتے ہیں تا کہ حقیقت نبوت معلوم ہو اور خدا کی ہستی پر تازہ بتازہ ایمان پیدا ہو کر اس کو یقین اور مسرت کے مقام پر پہنچا دے-

تم کہتی ہو کہ ہم یسوع کو مانتے ہیں مگر میں کہتا ہوں کہ امتحان کا وقت نہیں آیا تھا اس لئے تم ایسا کہتی ہو مگر جب زندہ نبی آتا ہے اور اس کا انکار کرتی ہو تو معلوم ہوا کہ پہلے کو بھی نہیں مانتی ہو۔

اصولِ اسلام

لیڈی:۔ اسلام کے اصول کیا ہیں؟

حضرت صاحب:۔ ہمیشہ خدا کی مرضی کے تابع ہونا چاہئے جو کچھ خدا کہے اس کی کامل فرمانبرداری کا نام اسلام ہے۔ اصول اسلام کی تفصیل یہ ہے۔ (۱) خدا ہے اور ایک ہی خدا ہے۔ اس پر ایمان لانا۔ دوم خدا تعالیٰ کی صفات کاملہ پر ایمان لانا۔ سوم یہ کہ خدا زندہ خدا ہے۔ اگرچہ بظاہر کوئی ایسا مذہب نہیں جو یہ کہتا ہو کہ خدا مُردہ ہے لیکن زبان سے کہہ دینا اور چیز ہے مگر جب اعتقادات کو دیکھیں گے تو یہی معلوم ہو گا کہ وہ مُردہ خدا کو پیش کرتے ہیں۔ مثلاً عیسائی مذہب ہی کو لے لو اول تو انہوں نے ایک عاجز انسان کو خدا قرار دیا جس کو یہودیوں نے پکڑ کر صلیب پر چڑھا دیا اور عیسائیوں کے عقیدہ کے موافق وہ مر گیا بلکہ تین دن جہنم میں بھی رہا اس کے علاوہ کسی عیسائی سے پوچھو کہ وہ خدا جس پر تم ایمان رکھتے ہو اب کسی سے کلام کرتا ہے۔ کوئی ایسا شخص ہے جو یہ کہے کہ عیسائی مذہب کے طفیل سے خدا میرے ساتھ کلام کرتا ہے۔ حتیٰ کہ بشپ آف کنٹربری اور پوپ بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتے۔ خدا تعالیٰ نے آدم' نوح' ابراہیم' موسیٰ عَلَیْہِمُ السَّلَامُ کے زمانہ میں ان سے کلام کیا اور پھر مسلمانوں کے عقیدہ کے موافق اس نے آنحضرت ﷺ سے کلام کیا لیکن اب کیوں خاموش ہے۔ کوئی عیسائی پادری اس کا جواب نہیں دیتا اس سے معلوم ہوا کہ عملاً اور اعتقاداً وہ یہی مانتے ہیں کہ خدا مُردہ ہے۔ لیکن اسلام اس کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ اسلام بتلاتا ہے کہ خدا تعالیٰ ہمیشہ سے اپنے بندوں سے کلام کرتا آیا ہے اور اب بھی کرتا ہے اور ہمیشہ کرتا رہے گا۔ جب کہ اس کی باقی صفات زندہ ہیں تو کلام کرنے کی صفت معطّل نہیں ہو سکتی اس لئے ہم کہتے ہیں کہ زندہ خدا پر ایمان رکھنا چاہئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے اس نے کلام کیا اسی طرح جیسے وہ مسیح سے بولا تھا یا دوسرے نبیوں سے بولا تھا اور اب مسیح موعود کے بعد بھی آپ کی جماعت میں ہزاروں آدمی اس نعمت سے حصہ رکھتے ہیں اور میں خود بھی تجربہ کار ہوں اگرچہ میں نبی نہیں ہوں اور دوسرے نبی ہیں۔

پھر اس طرح پر خدا تعالیٰ کی طرف سے جو وحی اور الہام ہوتا ہے اس پر ایمان ہو اور اس

بات پر ایمان ہو کہ خدا تعالیٰ نے دنیا کی ہدایت کے لئے نبیوں کو بھیجا ہے اور آخری نبی جس کے ذریعہ شریعت کو کامل کیا وہ محمد ﷺ ہیں۔ آئندہ نبوت کا سلسلہ تو جاری ہے لیکن کوئی نئی شریعت نہ آئے گی اور نبوت کا یہ مقام آنحضرت ﷺ کی کامل اطاعت اور محبت کے بغیر کسی کو حاصل نہ ہو گا اسی دروازہ سے داخل ہو کر یہ انعام ملے گا۔

اسی طرح اس بات پر ایمان ہو کہ خدا تعالیٰ ہماری دعاؤں کو سنتا اور قبول کرتا ہے۔ پھر اس بات پر ایمان ہو کہ اعمال کی جزاء و سزا ہے اور خدا تعالیٰ نے اشیاء کے اندازے مقرر کر دیئے ہیں جو اعمال ہم کرتے ہیں اچھے یا بُرے ان کے لئے ہم جوابدہ ہیں وہ ہم خود کرتے ہیں اس لئے ان کا بدلہ پائیں گے۔ اعمال کے جزاء و سزا کے بھی مدارج ہیں۔

اسلام تعلیم دیتا ہے کہ خدا سے محبت کرو اور ایسے اصولوں کے موافق کرو کہ خدائی تمام صفات کا ظہور تم میں ہو جاوے گویا خدا کی تصویر ہو جائے۔ خدا تعالیٰ نے بائبل میں جو کہا ہے کہ خدا نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا اس کا یہی مطلب ہے کہ انسان ان اخلاق اور صفات کو اپنے اندر لے جو خدا تعالیٰ کی وہ مانتا ہے۔ پھر اسلام سکھاتا ہے کہ تمام دنیا سے محبت کریں اور کامل اخلاقی زندگی بسر کریں۔ پھر اسلام تعلیم دیتا ہے کہ مرنے کے بعد بعث ہو گا اور روح زندہ رہے گی اور یہ زندگی رہے گی یہاں تک کہ وہ اس کمال کو پہنچ جاوے جو اس دنیا میں حاصل نہیں ہو سکا۔ محدود زندگی غیر محدود خدا کی شان کو ظاہر نہیں کرتی بلکہ انسان کی روزانہ ترقی خدا کی لامحدود طاقتوں کو ظاہر کرتی ہے اس لئے مرنے کے بعد بھی ترقی کا یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ بعض باتوں سے عام طور پر اسلام یہودیت اور عیسائیت سے ملتا ہے مگر بعض میں نہیں۔ یہودیت یا عیسائیت کی اصل تعلیمات بطور ابتدائی تعلیمات کے ہیں مگر اسلام نے آکر تمام تعلیمات کو کامل کر دیا اور اصل حقیقت کو پیش کر دیا۔ مثلاً اسلام کہتا ہے اخلاقی زندگی بسر کرو۔ دوسرے مذاہب بھی یہ تعلیم تو دیتے ہیں لیکن آپ کسی گرجا میں جاویں یا کسی لیکچرار کا لیکچر سنیں وہ چند باتیں پیش کر کے کہے گا کہ یہ اخلاقی تعلیم ہے۔ اسلام اتنا ہی نہیں کرتا وہ اس اخلاقی تعلیم کی حقیقت کو بیان کرے گا ان اسباب اور ذرائع کو بتائے گا جن کے اختیار کرنے سے وہ اخلاقی قوتیں نشوونما پا سکیں۔ وہ ان اثرات کو بیان کرے گا جو اس سے سوسائٹی پر ہوتے ہیں۔

یہ کہہ دینا کہ تم سب سے محبت کرو بظاہر ایک تعلیم اخلاق کی ہے اور ضرور ہے مگر صرف اتنا کہہ دینے سے کام نہیں چل سکتا۔ سب سے کس طرح محبت کی جاوے اس کے کیا مدارج ہوں

گے بظاہر ایک فعل ایسا ہو سکتا ہے کہ وہ محبت کا رنگ نہیں رکھتا لیکن حقیقت میں وہ محبت ہو گا۔ اسلام اس تمام حقیقت کو اپنی اخلاقی تعلیم کے اندر رکھے گا۔ مثلاً آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اپنے بھائی کی ظالم ہو یا مظلوم مدد کرو۔ صحابہ نے پوچھا کہ مظلوم کی تو مدد ہو سکتی ہے ظالم کی کس طرح کریں فرمایا کہ اس کو ظلم سے روک دو۔ اب ظالم کے ساتھ محبت کا طریق الگ ہو گا۔ غرض ہر اخلاقی تعلیم کی تفاصیل میں جب ہم جاتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے جو تعلیم دی ہے وہ سب مذاہب کی تعلیم کے مقابلہ میں معقول اور مکمل ہے۔ اسلام یہی بتائے گا کہ کسی بُرے کام سے محبت نہ کرو۔

اخلاقی تعلیم

لیڈی:۔ میں نے کسی مذہب میں نہیں سنا کہ ہر چیز سے خواہ وہ بُری ہو یا اچھی محبت کرو۔ بلکہ اچھی باتوں سے محبت کرو ہی کی تعلیم ہے۔

حضرت صاحب:۔ یہ سوائے اسلام کے کہیں نہیں ملے گا۔ یہ تفصیل چاہتا ہے میں مختلف مذاہب کی تعلیمات بتا سکتا ہوں کہ ان میں کس طرح پر ان باتوں کو داخلِ اخلاق کیا گیا ہے جو نہایت شرمناک ہیں بلکہ ان کو نجات کا ذریعہ بتایا گیا ہے۔ میں دعویٰ سے یہ بات کہتا ہوں کہ اسلام کے سوا اخلاقی تعلیم کو کامل طور پر کسی مذہب نے بیان نہیں کیا۔ کیا انجیل میں ہے؟

لیڈی:۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر مذہب میں ہے۔

حضرت صاحب:۔ خیال سے کچھ نہیں ہوتا۔ یہاں خیالی طور پر کسی بات کے پیش کرنے سے کچھ نہیں بنتا واقعات بیان کرنے چاہئیں۔ یہ جُدا بات ہے کہ جب قرآن کریم نے کوئی امر بیان کیا تو دوسرا بھی کہہ دے کہ ہاں یہی ہے۔ مگر اسے اپنی کتاب سے اسی طریق پر پیش کرنا چاہئے۔ مثلاً بہائی لوگ بعض باتیں پیش کرتے ہیں جب ہم نے ان کو بتایا کہ یہ مغربی خیالات کا اتباع ہے تو وہ یہ اقرار نہیں کرتے کہ وہاں سے لیا ہے اپنا ذاتی خیال کہہ دیتے ہیں۔ اسی طرح قرآن کریم نے جب اخلاقی تصریحات کو مکمل طور پر پیش کر دیا تو بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ ہمارے مذہب میں یہ بات ہے لیکن جب ان سے پوچھا جاوے کہ دکھاؤ کہاں بیان کیا ہے تو پھر چُپ ہونا پڑتا ہے۔ اسی طرح میں آپ سے کہتا ہوں کہ آپ انجیل یا بائبل سے نکال کر دکھائیں۔

میں مثال کے طور پر انجیل کی ایک تعلیم پیش کرتا ہوں۔ انجیل کہتی ہے کہ اگر کوئی ایک گال پر طمانچہ مارے تو دوسری بھی پھیر دو[۱] بظاہر یہ بڑی خوبصورت تعلیم معلوم ہوتی ہے لیکن جب علم النفس پر غور کیا جاوے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ تعلیم ناقابل عمل ہے اور اس سے ہمیشہ

فائدہ نہیں ہو سکتا کیونکہ ایسے انسان ملتے ہیں جو ایسے سلوک سے دلیر ہوتے ہیں اور ان کی اصلاح ناممکن ہو جاتی ہے۔ بہت کم ایسے لوگ ہوں گے جو اس سلوک سے فائدہ اٹھائیں۔ دوسری طرف عمل کے معیار پر یہ کبھی بھی صحیح ثابت نہیں ہوتی۔ مثلاً روزمرہ کے واقعات کو چھوڑ کر گذشتہ جنگ میں جو عیسائیوں کے درمیان شروع ہوئی کیا اس پر عمل کیا جا سکتا تھا۔ جرمن اگر ایک مقام مانگتے اور فرنچ یا انگریز کہہ دیتے کہ نہیں ایک کیا تم پیرس اور لندن بھی لے لو بلکہ برخلاف اس کے ان کا خوب مقابلہ کیا گیا اور ان کو عملاً شکست دے دی تو معلوم ہوا کہ یہ تعلیم اصلاح کی قوت اور اثر اپنے اندر نہیں رکھتی۔

برخلاف اس کے اسلام یہ تعلیم دیتا ہے۔ جَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَی اللّٰهِ [۲] یعنی بدی کی سزا اسی قدر بدی ہے۔ اس حصہ میں تعزیر اور تادیب کے قانون کو بتا دیا۔ جو شخص بدی کرے اس کو اسی قدر سزا دی جاوے لیکن اگر عفو موجبِ اصلاح ہو تو جو شخص عفو کرتا ہے اور ایسے محل پر کہ وہ موجب اصلاح ہو گا تو اس کا اجر اللہ کے ہاں سے پائے گا۔ قرآن شریف نے سزا اور عفو دونوں کو محل اصلاح قرار دیا ہے۔ یعنی اگر عفو بدی پر دلیری پیدا کرتا ہے اور جرأت دلاتا ہے تو ایسے لوگ جن کی اصلاح بغیر سزا کے نہیں ہو سکتی ان کو سزا دو لیکن جن لوگوں کی حالت اس کے خلاف ہو ان پر عفو کا اثر ہوتا ہو اور وہ اس سے اصلاح پا سکتے ہوں تو ان کو عفو کر کے اصلاح کا موقع دو۔

یہ حقیقی تعلیم ہے جو علم النفس اور اصول اصلاح کے موافق عملاً جاری ہو سکتی ہے۔ اب آپ مقابلہ کر کے دیکھیں کہ انجیل کی تعلیم کو اس سے کیا نسبت۔ میں کہتا ہوں کہ ایسی جامع تعلیم دنیا کی کسی کتاب میں نہیں۔

(الفضل ۲۰۔ نومبر ۱۹۲۴ء)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

تختہ جہاز پر لیڈی لٹن سے گفتگو

(۱۳ نومبر ۱۹۲۴ء کو عرشہ جہاز پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی اور لیڈی لٹن کے مابین جو گفتگو ہوئی اُسے بعد میں محترم شیخ یعقوب علی عرفانی صاحب نے اپنے الفاظ میں مرتب کیا۔ مرتب)

تختہ جہاز پر لیڈی لٹن سے گفتگو

لیڈی لٹن نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ کے متعلق استفسار فرمایا

حضرت خلیفۃ المسیح:۔ دنیا کے تمام بڑے مذاہب آخری زمانہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک موعود کے آنے کے منتظر ہیں۔ مسلمان یقین کرتے ہیں کہ آخری زمانہ میں امام مہدی آئیں گے اور ایسا ہی ان کا یقین ہے کہ مسیح موعود آئے گا۔ عیسائیوں کا اعتقاد ہے کہ آخری زمانہ میں حضرت عیسیٰ آئیں گے۔ ہندوؤں کا اعتقاد ہے کہ کرشن آئیں گے اور بدھوں کا عقیدہ ہے کہ موسیو در بھی آئے گا۔ اور جہاں تک ان پیشگوئیوں کے متعلق غور اور تحقیقات کی گئی ہے وہ تمام قومیں ان کے ظہور کا یہی وقت قرار دیتی ہیں۔ حضرت مسیح موعود کا یہ دعویٰ تھا کہ وہ ان وعدوں کے موافق ظاہر ہوئے ہیں۔ انہوں نے یہ دعویٰ خدا سے وحی پا کر کیا اور بتایا کہ یہ مختلف اشخاص آنے والے نہ تھے بلکہ دراصل ایک ہی شخص کے متعلق پیشگوئیاں ہیں۔ اس کے کام کے لحاظ سے اس کے یہ مختلف نام ہیں ان کا یہ دعویٰ تھا کہ وہ خدا کی طرف سے نبی ہو کر آئے ہیں۔

لیڈی لٹن:۔ انہوں نے ایسا دعویٰ کب کیا؟

حضرت:۔ الہام کا سلسلہ ۲۵ برس کی عمر میں شروع ہو گیا تھا مگر جب وہ ۴۰ سال کے ہوئے تو خدا تعالیٰ نے ان کو مامور کیا کہ وہ دنیا کی اصلاح کریں۔ انہوں نے ۱۸۹۰ء میں مسیح موعود ہونے کا

دعویٰ کیا اور ۱۹۰۸ء میں وفات پائی-
لیڈی لٹن کا ایک ہمراہی:۔ ان کی زندگی میں ماننے والوں کی تعداد کیا تھی ‘ اب کیا ہے؟
حضرت:۔ شروع میں جب انہوں نے دعویٰ کیا تو صرف چالیس آدمی تھے پھران کی وفات تک ۵ لاکھ کے قریب آدمی شامل ہوئے اور اب یہ جماعت ایک ملین کے قریب ہے-
لیڈی لٹن:۔ کیا ان کے دعویٰ کرنے پر لوگوں نے مخالفت نہیں کی؟
حضرت:۔ بہت سخت مخالفت ہوئی ہماری جماعت کی ہر مذہب کے لوگوں نے مخالفت کی- حکومت کو بھی بد ظن کیا گیا- جماعت کے لوگوں کو جو فرداً فرداً تکالیف دی گئیں وہ نہایت سخت اور دل ہلا دینے والی تھیں- گھروں سے نکال دیا گیا‘ جائدادیں چھین لی گئیں ‘ پانی بند کر دیا گیا- ہمارے ہاں عام طور پر نلوں کا سلسلہ نہیں ہے‘ کنوؤں سے پانی نکالا جاتا ہے- ان کو پانی سے روک دیا گیا اور چھوٹے چھوٹے بچے پیاسے تڑپتے رہے مگر پانی نہیں دیا- ان کے ہاتھ عام خوردنی اور روزمرہ کی ضرورت کی اشیاء فروخت کرنی بند کر دی گئیں- ہر طرح سے ان کا بائیکاٹ کر دیا- زندوں کے ساتھ ہی نہیں ‘ مُردوں کے ساتھ بھی دشمنی کی گئی- لاش نکال کر کُتوّں کے سامنے پھینک دی گئی اور لاش بھی ایک عورت کی- اور افغانستان میں خود حکومت نے تین آدمیوں کو مروا دیا- ایک کو گلا گھونٹ کر اور دو کو سنگسار کر کے- ایک ابھی ۳۱-اگست ۱۹۲۴ء کو سنگسار کر دیا گیا ہے- لوگوں نے بھی ایک درجن سے زیادہ آدمیوں کو ہلاک کر دیا ہے اور بعض کے مکانات کو جلا دیا- غرض ہر جگہ ہر قسم کی تکالیف دی گئی ہیں مگر باوجود ان تمام مخالفتوں اور اذیتوں کے یہ جماعت ترقی کر رہی ہے-
لیڈی لٹن:۔ کیا ان کا مذہب یونیورسل (Universal) تھا؟
حضرت:۔ وہ کوئی نیا مذہب لے کر نہ آئے تھے بلکہ وہ اسلام کی طرف دنیا کو دعوت دیتے تھے- جن معنوں میں یونیورسل مذہب کی اصطلاح آج کل بولی جاتی ہے وہ درست نہیں ہے- اسلام خود ایک یونیورسل مذہب ہے- اس لحاظ سے وہ دنیا کو یونیورسل مذہب کی طرف بلاتے تھے - پہلے جس قدر نبی آئے وہ خاص قوم کے لئے ‘خاص وقت کے لئے آتے تھے مگر اسلام تمام دنیا کے لئے اور ہمیشہ کے لئے ہے‘ اسی کی طرف وہ بلاتے تھے-
لیڈی لٹن:۔ اساسی اصول کیا ہیں؟
حضرت:۔ اساسی اصول وہی اسلام کے ہیں مگر حضرت مسیح موعود نے ان کی حقیقت کو ظاہر کیا- مثلاً پہلا اصل یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی ہستی اور اس کے ایک ہونے پر یقین ہو- یہ یقین ایسا ہونا

چاہئے کہ انسان کے اعمال و افعال میں اس کا پورا رنگ پایا جاوے۔ اور وہ خدا تعالیٰ کی صفات کا مظہر ہو جاوے۔ بہت سے لوگ یہ اقرار تو کرتے ہیں کہ وہ خدا پر اور اس کے ایک ہونے پر ایمان لاتے ہیں لیکن جب امتحان کا وقت آتا ہے تو فیل ہو جاتے ہیں ان کے افعال اس کی تائید نہیں کرتے اور نہ اس ایمان کے ثمرات ان میں پائے جاتے ہیں جس ایمان کے ثمرات نہ ہوں وہ ایک خشک درخت کی طرح ہے جو کاٹ کر جلانے کے قابل ہوتا ہے۔

خدا تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان انسان کے اندر ایک پاک تبدیلی کر دیتا ہے۔ اور جس جس قدر یہ یقین ترقی کرتا ہے انسان خدا کو گویا دیکھ لیتا ہے اور اس کی صفات کا مظہر ہو جاتا ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ یہی ایمان اور یقین پیدا کرتے تھے انہوں نے صرف یہ نہیں کہا کہ خدا دیکھتا ہے یا بولتا ہے بلکہ اپنے متبعین کو اپنے عمل سے دکھا دیا اور خود ان میں یہ قوت پیدا کر دی کہ وہ خدا کو بولتے ہوئے سن لیں۔

غرض پہلی تعلیم ان کی خدا کی ہستی اور اس کی وحدانیت کے متعلق یہ تھی کہ ایک غیر متزلزل اور خدا نما یقین پیدا کریں۔ اور کامل طور پر حقوق اللہ کی شناخت ہو۔

دوسری بات آپ نے یہ تعلیم کی کہ انسان بااخلاق انسان کیونکر بنتا ہے۔ اس کے لئے آپ نے اول اخلاق کی حقیقت بتائی کہ اخلاق محض اس کا نام نہیں ہے کہ انسان کسی سے نرمی سے پیش آتا ہے یا سختی کرنے سے خاموش ہو رہتا ہے۔ کیونکہ طبعی طور پر یہ باتیں جانوروں میں بھی پائی جاتی ہیں۔ ایک بکری کتنی نرم ہوتی ہے لیکن کوئی نہیں کہتا کہ بکری بڑی بااخلاق ہے۔ اخلاق حقیقت میں طبعی قوتوں کی تعدیل اور برمحل استعمال کا نام ہے۔ انہوں نے بتایا کہ جس قدر قویٰ انسان کو دیئے گئے ہیں یہ سب اخلاقی قوتیں اور اخلاق ہیں۔ انسان کے اندر اخلاقی روح پیدا کرنے کے لئے حضرت مسیح موعودؑ نے اولاً اخلاق کی حقیقت بتائی۔ پھر یہ سمجھایا کہ اخلاق میں انسان کی ترقی تدریجی ہوتی ہے۔ جس طرح پر وہ جسمانی طور پر ترقی کرتا ہے تو تدریجی ترقی ہوتی ہے۔ ایک دن کا بچہ ایک دن میں ہی ایک پختہ مغز انسان کی طرح نہیں ہو جاتا۔ اس لئے اخلاقی ترقی کے مدارج ہیں۔ اور اخلاق کے مختلف شعبے ہیں اور ہر شعبہ میں ترقی کے لئے خاص اصول اور قواعد ہیں۔ مثلاً پاک بازی اور عفّت کے لئے جب اسلام تعلیم دیتا ہے تو وہ ان امور کی اصلاح سے شروع کرے گا جو عفّت کے خلاف گناہوں کے مبادی ہوتے ہیں۔ اور پھر اخلاقی تعلیم میں قرآن مجید صرف یہی نہیں کہتا کہ یہ کرو اور یہ نہ کرو بلکہ وہ ہر حکم، ہر امر و نہی کے وجوہ و عِلل بتاتا ہے۔ اور دلائل کے

ساتھ اپنے حکم کو مؤکّد کرتا ہے۔یہ قرآن شریف کی اصطلاح میں حکمت ہے۔

اس طرح پر جب انسان اخلاقیات میں ترقی کرکے بااخلاق انسان بن جاتا ہے تو پھر اسے باخدا انسان بنانے کے لئے تعلیم دیتا ہے۔اور اسے ایسے مقام پر پہنچا دیتا ہے کہ وہ خدا سے قرب حاصل کرکے اس سے کلام کرتا ہے۔اور اس سے وہ باتیں سرزد ہوتی ہیں جو لوگوں کی نظروں میں عجیب ہوتی ہیں اور حقیقت میں خدا کی قدرتوں کا نمونہ۔

پھر آپ نے حیات بعد الموت کی حقیقت بیان کی اور بتایا کہ انسان کی روحانی ترقی کا سلسلہ مرنے کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔اس مسئلہ کے سمجھانے کے لئے آپ نے اول یہ سمجھایا کہ روح کہیں باہر سے نہیں آتی بلکہ وہ پیدا ہوتی ہے اور جسم ہی سے پیدا ہو جاتی ہے مگر باوجود اس کے وہ جسم نہیں ہوتی۔جیسے شراب اگرچہ انگور سے بنائی جاتی ہے مگر شراب کو انگور نہیں کہا جاتا۔روحانی ارتقاء ہوتا رہتا ہے اور جب انسان فوت ہو جاتا ہے تب بھی روح اپنی منازل کو طے کرتی رہتی ہے یہاں تک کہ وہ اس کامل درجہ کو پالیتی ہے۔حضرت مسیح موعودؑ نے یہ بھی آکر بتایا کہ یہ خیال جو غلطی سے مسلمانوں میں پھیلا ہوا ہے کہ مرنے کے بعد ارواح کسی ایک مقام پر رکھی جاتی ہیں صحیح نہیں ہے بلکہ جس طرح انسان ماں کے رحم میں ہوتا ہے اور وہاں مختلف مدارج طے کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ پھر ایک وقت آجاتا ہے کہ پھر وہ باہر آجاتا ہے۔اسی طرح قبر بھی ایک قسم کا رحم ہی ہے مرنے کے بعد ساتھ ہی روح کو ایک اور جسم جو اس جسم کے مقابلہ میں روحانی ہوتا ہے مل جاتا ہے۔گویا اس جسم کی روح اس روح کا جسم ہو جاتی ہے۔اور اس طرح پر وہ اپنے ارتقاء کی منازل کو طے کرتی ہے۔اور اگر اس میں کوئی نقص اور کمزوریاں ہوتی ہیں تو اس اعلیٰ مقام لقاء اللہ کے پانے کے لئے تیار کرنے کے واسطے دوزخ میں بطور علاج کے جاتی ہے۔دوزخ ایک ہسپتال کی طرح ہے۔حضرت مسیح موعودؑ نے بتایا کہ اسلام نے یہ تعلیم نہیں دی کہ ہمیشہ دوزخ ہی میں وہ لوگ رہیں گے جن کو دوزخ میں داخل کیا جائے گا بلکہ دوزخ محض ایک ہسپتال ہے۔لوگ اس میں سے شفاء پاکر نکل آئیں گے تاکہ وہ خدا کے فیوض کو حاصل کرنے کی قابلیت حاصل کرلیں۔

اس طرح پر حضرت مسیح موعودؑ نے اسلام ہی کو پیش کیا ہے اور اس کی حقیقت اور فلسفہ کو معقولی طور پر ہی نہیں بلکہ خدا کی تائیدات سے ثابت کر دیا ہے کہ اسلام جس خدا کی طرف دعوت دیتا ہے وہ مُردہ خدا نہیں بلکہ زندہ خدا ہے اور جس طرح وہ پہلے نبیوں سے بولتا تھا آج بھی یہ عزت

اور نعمت اسلام کے کامل اتباع سے ملتی ہے۔ اور میں کہتا ہوں کہ حضرت مسیح موعودؑ اسلام کی اس سچائی کا خود ایک ثبوت تھے۔ اور ان کی وفات کے ساتھ یہ ثبوت ختم نہیں ہو گیا بلکہ آج بھی زندہ ہے۔ اور آپ کے متبعین میں یہ نعمت اب تک موجود ہے اور ہمیشہ پائی جائے گی (اس مقام پر لیڈی لٹن کے ایک ہمراہی لڑکے نے سوال کیا)

لڑکا:۔ روح اور خدا کے متعلق ہم ہندو لوگ بھی مانتے ہیں۔ امتیازی بات کیا ہے؟ اگر ہندوازم اور اسلام میں ان مسائل کے متعلق خفیف فرق ہو تو قابلِ لحاظ نہیں ہوتا۔

حضرت:۔ یہ بات درست نہیں ہے کہ خفیف فرق قابل لحاظ نہیں ہوتا۔ اگرچہ میں تو یہ مانتا ہی نہیں کہ خفیف فرق ہے بلکہ اسلام اور موجودہ ہندوازم میں زمین آسمان کا فرق ہے لیکن آپ کی بات مان کر میں کہتا ہوں کہ خفیف فرق جس کو آپ کہتے ہیں قابلِ لحاظ نہیں ہوتا عموماً بڑے بڑے نتائج پیدا کرتا ہے۔ یہاں تک کہ زندگی اور موت کے نتائج پیدا ہو جاتے ہیں۔ ایک ہی چیز ہے اس کی مقدار ایک حد تک تریاق ہے اور اس میں ذرا سا اضافہ ہو جائے تو وہی تریاق سمّی کیفیت اپنے اندر پیدا کر لیتا ہے۔ میں ایک ڈاکٹر کے پاس طبی مشورہ کے لئے گیا اس نے مجھے نکس وامیکا ۷ بوند اور سوڈا بائی کارب ۶ گرین بتائے اور کہا کہ نہ اس سے کم ہو نہ زیادہ۔ اب بظاہر اس کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ اگر ۷ کی بجائے ۸ یا ۶ کی بجائے پانچ کردی جاویں تو کوئی بڑا فرق نہیں۔ مگر اس نے کہا کہ اگر اس سے کچھ بھی کم یا زیادہ ہو تو فائدہ نہیں ہوگا۔ اور یہ بات بالکل درست تھی۔ امتیازات اور فرق مقدار کے لحاظ سے بعض وقت نظر نہیں آتے مگر کیفیت اور اثر کے لحاظ سے بہت بڑے ہوتے ہیں۔ اسلام اور ہندوازم میں جو سب سے بڑا امتیازی نقطہ ہے وہ یہی ہے کہ اسلام اس خدا کی طرف بلاتا ہے جو ہمیشہ بولتا ہے اور کلام کرتا ہے۔ جس طرح پر وہ ہمیشہ سے دیکھتا اور سنتا ہے اور آج بھی اس میں ایسے لوگ ہیں جو خدا سے کلام کرتے ہیں مگر ہندوازم کوئی ایسا شخص پیش نہیں کر سکتا۔

ایک دوسرا لڑکا:۔ ہندوازم کی بابت آپ کا کیا خیال ہے؟

حضرت:۔ ہندوازم اپنی ابتدائی منزل میں اس زمانہ کی ضرورت کے موافق ایک خدائی تعلیم تھی مگر امتدادِ زمانہ سے اس کی شکل بدلتی گئی اور وہ حقیقت اس سے دور ہو گئی۔

وہی لڑکا:۔ پھر اب اس کے ماننے کی کیوں ضرورت نہیں؟

حضرت:۔ اول تو وہ حقیقت جاتی رہی' انسانی تصرّفات نے اس کو بگاڑ کر کچھ اور ہی بنا دیا۔

دوسرے وہ تعلیم اس زمانہ کے حسب حال تو ہو سکتی تھی۔ آج نہیں جُوں جُوں انسانی عقل و فہم ترقی کرتا گیا اور اس کی ضرورتیں بدلتی گئیں' خدا تعالیٰ کی تعلیم اس کے حسب حال ملتی گئی یہاں تک کہ انسان بلوغ کے درجہ تک پہنچ گیا اور خدا نے اسلام ایک کامل دین دنیا کو دے دیا۔

ایک اور لڑکا:۔ روح جو اس وقت تھی اور جو روح آج ہے' کیا اس میں فرق ہے؟

حضرت:۔ بہ حیثیت روح کے فرق نہیں۔

وہی لڑکا:۔ پھر وہ تعلیم کیوں اس کے حسب حال نہیں؟

حضرت:۔ ایک بچہ کی روح اور بالغ انسان کی روح میں کوئی فرق ہے؟

لڑکا:۔ نہیں۔

حضرت:۔ تو کیا تم اس بچہ کو وہی ہدایات دے سکتے ہو جو ایک بالغ کو دیتے ہو؟

لڑکا:۔ نہیں۔

حضرت:۔ کیوں جب کہ دونوں کی روح برابر ہیں؟

لڑکا:۔ یہ تو نئی انٹیلیکچول فیکلٹیز (Intellectual Faculties) کا فرق ہے۔

حضرت:۔ پھر جب آپ اس فرق سے یکساں ہدایات نہیں دے سکتے تو روحانی ارتقا کے ساتھ یہ کیونکر ممکن ہے کہ جو تعلیم اس کے ابتدائی درجہ میں موزوں تھی آج وہی دی جاوے۔ ایک بچہ کے کپڑے خواہ نئے ہی ہوں وہ جوان آدمی کے قابل نہیں ہوتے۔ لیکن جہاں یہ حالت ہو کہ وہ پھٹ کر بوسیدہ ہو گئے ہوں' وہ ایک جوان آدمی کے استعمال میں کس طرح آسکتے ہیں۔ یہی حال ہندو اِزم کی اس تعلیم کا ہے۔ (اس پر وہ لڑکا تو خاموش ہو گیا اور ایک دوسرا ہندو نوجوان بولا)

ہندو نوجوان: فیکلٹیز (FACULTIES) کا سوال نہیں صرف روح کا سوال ہے۔

حضرت:۔ فیکلٹیز کو روح سے الگ کس طرح کرو گے؟

وہی لڑکا: اس وقت تو زمانہ اور بھی ترقی کر گیا ہے' پھر اسلام کی تعلیم کس طرح کافی ہو سکتی ہے؟

حضرت:۔ یہ تو واقعات سے ثابت ہے۔ اسلام کی تعلیم اس زمانہ کے لئے کافی ہے۔ آپ کوئی بات پیش کریں' میں دکھادوں گا کہ اسلام کی تعلیم اس ضرورت کو پورا کرتی ہے۔ اسلام نے شراب کی حُرمت کا حکم دیا ہے۔ اب اس زمانہ کے لوگ اس کی ضرورت کو تسلیم کر رہے ہیں یا نہیں۔

وہی لڑکا:۔ ہندو مذہب نے بھی یہی تعلیم دی ہے۔

حضرت:۔ آپ کو معلوم نہیں رگ وید میں تو شُرتیوں کی شُرتیاں اس کی تائید میں ہیں؟
وہی لڑکا:۔ نہیں۔
حضرت:۔ میں نے رگ وید کا ترجمہ پڑھا ہے اور آپ بغیر پڑھنے کے کہتے ہیں کہ نہیں۔
لڑکا:۔ بدھ مذہب میں عہد لیتے ہیں کہ نشہ نہیں پیوں گا۔
حضرت:۔ صرف مونکس (Monks) سے، عوام سے نہیں۔
لیڈی لِٹن کا ہمراہی لڑکا:۔ کیا آپ رِی ان کارنیشن (Reincarnation) کے قائل ہیں؟
حضرت:۔ نہیں۔
اس پر لیڈی لِٹن نے کہا کہ قرآن شریف سنائیں۔
چنانچہ حضرت کے حکم سے حافظ صاحب نے تلاوت کی اور مثنوی کے کچھ شعر سنائے اور آج کی ملاقات ختم ہوگئی۔

(الفضل ۱۳ دسمبر ۱۹۲۴ء)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

سفر یورپ میں غیر معمولی کامیابی

(۲۴- نومبر ۱۹۲۴ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی خدمت میں اہل قادیان کی طرف سے عصر کی نماز کے بعد بیت اقصیٰ میں جو سپاس نامہ مولانا مولوی شیر علی صاحب نے پیش کیا اسے سننے کے بعد حضور نے حسب ذیل تقریر فرمائی۔)

جو مضمون ابھی ابھی مولوی شیر علی صاحب نے اہالیان قادیان جماعت احمدیہ کی طرف سے پڑھ کر سنایا ہے میں اس کے جواب میں سب احباب کو جَزَاکُمُ اللّٰہُ اَحْسَنَ الْجَزَاءِ اپنی طرف سے اور اپنے ہمراہیانِ سفر کی طرف سے کہتا ہوں- اللہ تعالیٰ میرے ان الفاظ کو قبول فرما کر حقیقی طور پر آپ لوگوں کو نیک جزاء دے-

اس سفر کے متعلق جو باتیں بیان کی گئی ہیں میرے نزدیک ان میں سے ایک نہایت ہی اہم بات جو ہمیں معلوم ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ ہم خود اپنے نفوس کو اس طرح نہیں سمجھتے تھے جس طرح اس سفر میں سمجھا- میں ہمیشہ سے یہ سمجھتا تھا اور اس بات کا میں نے کئی بار اظہار بھی کیا کہ میں اپنے دل میں جماعت احمدیہ کے متعلق ایسی محبت اور اُلفت پاتا ہوں کہ میں نہیں مان سکتا کہ کوئی باپ بھی اپنے بیٹوں سے اس طرح محبت رکھتا ہو مگر اس سفر میں مجھے یہ معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ نے میرے دل میں جماعت کی وہ محبت رکھی ہے کہ اسے باپ کی محبت سے نسبت بھی نہیں دی جا سکتی کیونکہ درحقیقت وہ محبت ظل ہے حضرت مسیح موعود کی محبت کا اور حضرت مسیح موعود کی محبت ظل ہے خدا تعالیٰ کی محبت کا اس وجہ سے یہ محبت کا سلسلہ ماں باپ کی محبت سے جداگانہ ہے- وہ عارضی تعلق کی وجہ سے پیدا ہوتا اور یہ دائمی تعلق کی وجہ سے۔ اور جو فرق عارضی اور دائمی چیزوں میں ہوتا ہے وہی فرق خدا تعالیٰ اور ماں باپ کی محبت میں ہے- اور جو فرق عارضی اور دائمی چیزوں کے اظلال میں ہوتا ہے وہی فرق انبیاء اور ان کے اظلال اور ماں باپ کی محبت کے

اظلال میں ہوتا ہے۔

دنیا میں بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کے اندازے نہیں لگائے جاسکتے۔ مثلاً بہت قیمتی چیز جان سمجھی جاتی ہے۔ یا بعض کے نزدیک مال ہے یا بعض کے نزدیک عزت۔ مگر کئی چیزیں ایسی ملیں گی جن پر جان' مال اور عزت قربان کردی جاتی ہے پھران چیزوں کے بھی آگے مدارج ہیں۔ دس' بیس' پچاس' سَو چیزیں ایسی ہوں گی جن کے لئے جان قربان کی جائے گی مگران سب کو برابر نہیں کہہ سکتے۔ بعض ایک درجہ پر ہوں گی' بعض دوسرے درجہ پر' بعض تیسرے درجہ پر' حتیٰ کہ بعض میں سینکڑوں' ہزاروں اور لاکھوں گُنا فرق ہوگا۔ اسی طرح باوجودیکہ ماں باپ کی محبت کامل ہوتی ہے لیکن پھر بھی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ نمونہ یا معیار ہے تمام تعلقات کی محبت کا۔ یہی وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ قرآن کریم میں اپنے اور رسولوں کے متعلق اور رسول کریم ﷺ اپنے کلام میں فرماتے ہیں کہ اس وقت تک کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک خدا اور رسول سے ماں باپ سے زیادہ محبت نہ کرے ادھر قرآن شریف میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ جیسا سلوک تم سے کوئی کرتا ہے ویسا یا اس سے زیادہ اچھا مومن کرے [۳۳] اور جب یہ ایک عام مومن کی شان ہے تو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ایک رسول امتی سے تو یہ امید رکھے کہ وہ اللہ اور رسول سے ماں باپ سے بڑھ کر محبت کرے مگر رسول امتیوں سے ماں باپ سے کم محبت کرے۔ رسول کی محبت بدرجہ اولیٰ ماں باپ کی محبت سے بڑھ کر ہوگی۔ اور اس کے یہ معنی ہوئے کہ ہر رسول اپنے امتیوں سے ایسی محبت رکھتا ہے کہ ماں باپ کی محبت اس کی محبت کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ ادھر خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ بہتر اور بڑھ کر بدلہ دو۔ اور ادھر کہتا ہے کہ رسول سے ماں باپ سے زیادہ محبت کرو۔ پس جب امتی کے لئے یہ حکم ہے تو رسول کی محبت کا اندازہ ہی نہیں ہوسکتا کیونکہ جب امتی سے ماں باپ سے زیادہ رسول سے محبت کرنے کے لئے کہا جاتا ہے تو رسول کی محبت اس سے بہت ہی زیادہ ہونی چاہئے۔ اور یہ اس قدر زیادہ ہے کہ اس کا کوئی معیار ہی نہیں ہے۔

یہ راز مجھ پر اس سفر میں کھلا ہے اور جس طرح مجھ پر یہ راز کھلا ہے اور یہ نکتہ معلوم ہوا ہے کہ انبیاء اور ان کے اظلال کی محبتیں اور قسم کی ہوتی ہیں ماں باپ کی محبت جیسی نہیں ہوتیں۔ اسی طرح جماعت کے بہت سے افراد پر یہ حقیقت کھلی ہے کہ خلیفہ سے جو محبت اور جو تعلق انہیں ہے وہ پہلے معلوم نہ تھا۔ اس سفر کے دوران میں سینکڑوں خطوط مجھے ایسے ملے ہیں جن میں لکھا تھا کہ ہمیں آپ سے بڑی محبت تھی مگر ہم اس محبت کو ایسا نہیں سمجھتے تھے جیسا اب معلوم ہوا ہے

آپ کے بغیر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز کھوکھلی ہو گئی ہے۔ پس اس سفر سے ایک عظیم الشان فائدہ یہ ہوا ہے کہ ہم نے اپنے قلوب کو پڑھا ہے اور اس طرح پڑھا ہے جیسا آج تک کبھی نہیں پڑھا تھا اور اس مطالعہ سے ہمارے ایمان میں بھی ترقی ہوئی ہے اور جماعت کے اتحاد میں بھی۔

اس میں شبہ نہیں کہ ہمارے دشمنوں کے لئے یہ محبت اور اُلفت حیرت اور حسد کا موجب ہو گی اور ہو رہی ہے مگر یہ ہمارے بس کی بات نہیں۔ بعض لوگ جن کی اولاد نہیں ہوتی جب ماں باپ کو بچہ سے پیار کرتے دیکھتے ہیں تو چِڑتے ہیں اور کہتے ہیں کون نہیں جانتا ماں باپ کو بچوں سے محبت ہوتی ہے پھر دوسروں کو دکھانے کی کیا ضرورت ہے۔ مگر یہ حسد ہوتا ہے جس کی وجہ سے ماں باپ کا بچوں سے پیار انہیں بُرا لگتا ہے۔ ان کا دل جلتا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ یہ کیا لاڈ ہے۔ پس کئی لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جن کی قسمت میں ہی یہ نہیں ہوتا کہ ان سے بھی کوئی محبت کرے یا وہ کسی سے محبت کریں۔ ان کے دل سخت اور محبت سے خالی ہوتے ہیں۔ ان کے اندر کوئی ایسی چیز نہیں ہوتی جو لوگوں کی کشش کا باعث ہو اور لوگ ان کی طرف جھکیں اور جب وہ کسی کی طرف لوگوں کو جھکتے اور محبت کرتے دیکھتے ہیں تو چِڑتے اور جلتے ہیں۔ اس موقع پر بھی ایسے لوگ تلملائیں گے اور جلن سے مجبور ہو کر کہیں گے کہ یہ تو شرک ہے حالانکہ شرک خدا تعالیٰ کی محبت میں کسی کو شریک کرنا ہوتا ہے نہ کہ خدا تعالیٰ کی محبت کے حصول کے لئے کسی سے محبت کرنا شرک ہے۔ خدا تعالیٰ کی بعض صفات ایسی ہیں جن میں کوئی شریک نہیں ہو سکتا اور بعض ایسی ہیں جن میں سب انسان شریک ہوتے ہیں۔ مثلاً پانی پلانا ہے خدا تعالیٰ بھی پانی پلاتا ہے اور بندہ بھی۔ اب اگر کوئی شخص کسی سے کہے کہ مجھے پانی پلاؤ اور اس پر دوسرا کہے کہ چونکہ اس نے ایک انسان کو کہا ہے کہ پانی پلاؤ اس لئے یہ مشرک ہو گیا ہے تو یہ کہنے والے کو پاگل ہی کہا جائے گا۔ لیکن جسمانی مُردہ کو زندہ کرنا خدا تعالیٰ کی ایسی صفت ہے جس میں کوئی انسان شریک نہیں ہو سکتا اس لئے کہ اگر یہ کہا جائے کہ فلاں انسان مُردہ کو زندہ کر سکتا ہے یا اس نے کیا ہے تو یہ شرک ہو گا۔ کیونکہ یہ بات خدا تعالیٰ نے خاص اپنے لئے رکھی ہے۔ اب دیکھو خدا تعالیٰ سے محبت کرنے کا بندوں کو حکم ہے۔ مگر خدا تعالیٰ یہی نہیں کہتا بلکہ یہ بھی کہتا ہے کہ خدا کی مخلوق سے بھی محبت کرو اور رسول کریم ﷺ فخر کرتے ہیں کہ تین چیزیں مجھے سب سے زیادہ پسند ہیں اور ان سے میں محبت کرتا ہوں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ حُبِّبَ اِلَیَّ مِنْ دُنْیَاکُمْ ثَلَاثٌ۔ اَلطِّیْبُ وَالنِّسَاءُ وَقُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ۔ ۲۷ کہ مجھے ایک تو خوشبو کی محبت ہے۔ ایک عورتوں کی اور ایک نماز کی۔ اب اگر

غور سے دیکھا جائے تو ان تین چیزوں کی کامل محبت رسول کریم ﷺ میں پائی جاتی ہے۔ اور اس قدر پائی جاتی ہے کہ اس کی نظیر اسلام کے سوا اور کسی مذہب میں نہیں ملتی۔ طِیب سے مراد خوشبو اور صفائی ہے۔ اور نبی کریم ﷺ سے پہلے کا کوئی مذہب ایسا نہیں جس میں صفائی پر اس قدر زور دیا گیا ہو جس قدر اسلام نے دیا ہے۔ پہلے مذاہب میں یہی کمال سمجھا جاتا تھا کہ انسان میلا اور گندا رہے۔ آج تک کئی پادری ناخن تک نہیں اُترواتے اور جتنی زیادہ غلاظت ان کے ناخنوں میں ہو اتنے ہی زیادہ خدا رسیدہ سمجھے جاتے ہیں وہ سالہا سال تک نہاتے نہیں۔ لیکن محمد ﷺ فرماتے ہیں۔ طِیب یعنی صفائی نہایت ضروری ہے اور اس بات کو آپ نے ہی قائم فرمایا اور اس سے محبت کرتے تھے۔ پھر فرماتے ہیں مجھے عورتوں کی محبت ہے یہاں نساء کا لفظ ہے۔ ازواج کا نہیں۔ یعنی بیویوں کا ذکر نہیں بلکہ عام عورتوں کا ذکر ہے۔ اور آپ فرماتے ہیں کہ کوئی مذہب نہیں آیا جس نے عورتوں کے حقوق اور فوائد کی اس طرح نگہداشت کی ہو جس طرح میں کرتا ہوں۔ پہلے مذاہب نے عورتوں کے حقوق دبائے ہوئے ہیں کوئی ان سے ہمدردی نہیں کرتا مگر میں ان کے حقوق قائم کروں گا اور میں ان کی ترقی کا بھی اسی طرح خیال رکھوں گا جس طرح مردوں کی ترقی کا۔ پھر فرمایا قُرَّةُ عَيْنِىْ فِى الصَّلٰوةِ کہ نماز میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک رکھی گئی ہے۔ یہ بھی خاص امتیاز ہے جو اسلام کو دیگر مذاہب کے مقابلہ میں حاصل ہے۔ دنیا میں کوئی قوم نہیں جس میں نماز کی طرح عبادت میں باقاعدگی رکھی گئی ہو۔ پچھلے تمام مذاہب ظاہری حرکات پر زور دیتے رہے یا ان میں عبادت کے اوقات اتنے فاصلہ پر رکھے گئے ہیں کہ روحانیت کمزور ہو جاتی ہے مگر صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے کہ جس کے ماننے والوں کو ایک دن میں پانچ وقت عبادت کے لئے بلایا جاتا ہے اور کوئی مذہب ایسا نہیں ہے۔ عیسائی اور ہندو ہفتہ میں ایک بار عبادت کے لئے جاتے ہیں۔ ممکن ہے ان میں سے بعض لوگ رات دن عبادت کرتے ہوں مگر یہ اجتماعی عبادت کا ذکر ہے۔ ایک دن میں کئی بار عبادت کرنے کا حکم رسول کریم ﷺ نے ہی دیا ہے۔ پھر صلوٰۃ کے معنی دعا کے بھی ہیں اور اس طرح رسول کریم ﷺ نے دعا پر زور دیا ہے۔ دوسرے مذاہب کی عبادتوں میں ظاہری باتوں پر زور دیا گیا ہے اور ان کے ذریعہ عبادت میں لذت پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مثلاً آریوں اور عیسائیوں میں گانا بجانا ہوتا ہے۔ مگر رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں مجھے ایسی عبادت عطا ہوئی ہے کہ اسی میں لذت ہے اور ایسی لذت ہے جس کا کوئی مذہب مقابلہ نہیں کر سکتا۔

پس یہ محبت ہے جو رسول کریم ﷺ کو دی گئی۔اب کیا رسول کریم ﷺ خوشبو، عورتوں اور صلوٰۃ محبت کرنے کی وجہ سے (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ) مشرک ہو گئے تھے ہرگز نہیں۔ بات یہ ہے کہ محبت ایسی چیز ہے جو مشترک رکھی گئی ہے اور نہ صرف یہ پسند کیا گیا ہے بلکہ حکم دیا گیا ہے کہ محبت کرو۔ حتیٰ کہ یہ مومن کے لئے نشان رکھا گیا ہے کہ جو چیز اپنے لئے پسند کرے وہی دوسروں کے لئے پسند کرے جس کے معنی یہ ہیں کہ سب سے محبت کرے۔ پھر رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو تاکہ محبت بڑھے۔[۵۲] تو محبت کا پیدا کرنا اسلام کی اغراض میں سے ہے۔ اور اس کے متعلق اعتراض حقیقت سے دور ہے۔ ایسا اعتراض کوئی سمجھدار اور تعلیم یافتہ انسان کس طرح کر سکتا ہے۔ اس کا جواب یہی ہے کہ حسد سب کچھ کرا لیتا ہے۔ وہ کچھ اور تو کر ہی نہیں سکتا اس لئے وہ اعتراض کر کے اپنا دل ٹھنڈا کرنا چاہتا ہے۔

خدا تعالیٰ نے اس سفر میں جو نشان دکھائے ہیں ان کی طرف بھی اس مضمون میں اشارہ کیا گیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں گو ہمارے دوستوں کو تفصیلی طور پر حالات سفر کی اطلاعات ملتی رہی ہیں اور گو بعض دوستوں نے عمدگی سے اطلاعات پہنچانے کی کوشش کی ہے اگرچہ ان سے غلطیاں بھی ہوئی ہیں اور افسوس ناک غلطیاں ہوئی ہیں مگر جو دیکھنے والوں نے نظارہ دیکھا ہے وہ سننے سے معلوم نہیں ہو سکتا۔ راستہ میں مَیں احباب کو کہتا تھا تم لوگ تو اپنے آپ کو بادشاہ سمجھ بیٹھے تھے۔ کیونکہ جو تمہارے متعلق کچھ کرتا اس سے مطالبہ کرتے تھے کہ اس نے یوں کیوں نہ کیا یوں ہونا چاہئے تھا۔ یہ نتیجہ تھا ان کامیابیوں کا جو خدا تعالیٰ نے دیں۔ مجھے ایک شخص نے جو انگلستان کے ایک اخبار سے تعلق رکھتا تھا کہا اور بعض اور نے بھی کہا کہ آپ لوگ اس کا اندازہ ہی نہیں کر سکتے جو کامیابی آپ لوگوں کو یہاں ہوئی ہے اور جس طریق سے پریس نے آپ کو مدد دی ہے۔ مگر ہمارے دوست جو بیان اخبارات میں دیکھتے ہیں خیال کرتے ہیں کہ اس سے زیادہ ہونا چاہئے تھا۔ حالانکہ جس طرح ہمارے متعلق اخبارات نے توجہ کی ہے کبھی کسی بادشاہ کے متعلق بھی نہیں کی۔ ہمیں بتایا گیا کہ یہاں کے اخبارات کسی بڑے سے بڑے بادشاہ کے لئے تین چار دفعہ سے زیادہ ذکر نہیں کرتے اور پھر نہیں پوچھتے کہ کون ہے۔ مگر آپ دو ماہ یہاں رہے اور ہر موقع پر آپ کے متعلق اخبارات نے مضامین شائع کئے ہیں۔ اور اس طرح آپ کے کام میں مدد دی یہ بالکل غیر معمولی بات ہے۔ انگلستان کے اخبارات کی جو طاقت ہے اس کا یہاں اندازہ بھی نہیں لگایا جا سکتا۔ ایک دکاندار نے بتایا کہ وہ چھوٹے سے اشتہار کا چار لاکھ روپیہ سالانہ دیتے ہیں۔ اور وہاں کے

اخبارات میں چار پانچ چھ سات صفحے اشتہارات کے ہوتے ہیں۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ کتنے لاکھ روپیہ ان کو اشتہاروں کا ملتا ہے اور وہ اپنے آپ کو کتنا طاقتور سمجھتے ہیں۔ مگر باوجود اس کے ہر موقع پر بڑے بڑے اخباروں کے نامہ نگار اور مضمون نویس آتے اور ایسے رنگ میں مضمون شائع کرتے کہ معلوم ہوتا انہیں ہم سے پوری ہمدردی ہے۔ ہمارے قیام انگلستان کے زمانہ کا پہلا حصہ بھی خراب تھا اور پچھلا بھی خراب ہو گیا تھا۔ پہلا تو اس لئے کہ اس وقت انگلستان میں تعطیلات کا موسم تھا اور لوگ باہر گئے ہوئے تھے۔ ایک بڑے آدمی نے بتایا کہ ان دنوں ۶۰ فیصدی لندن کی آبادی شہر سے باہر ہے۔ اِس وقت شہر میں غرباء رہ گئے ہیں۔ ورنہ وزراء، پارلیمنٹ کے ممبر اور امراء سب صحت افزا مقامات پر چلے گئے ہیں۔ ہم نے بھی دیکھا کہ جس محلہ میں ہم رہتے تھے سوائے ہمارے مکان کے آدھ آدھ میل تک اِدھر اُدھر کوئی مکان نہ کھلتا تھا۔ دوست کہتے کہ ایک آدمی ہمارے قریب ہی رہتا جسے میں نے پندرہ بیس دن کے بعد دیکھا اور وہ بھی ہماری طرح باہر ہی کا تھا۔ ایسے وقت میں لوگوں کو ہماری طرف توجہ کرنا بالکل غیر معمولی بات تھی۔ اس کے بعد جب لوگ لندن میں آنے لگے تو معاً خطرہ پیدا ہو گیا کہ پارلیمنٹ ٹوٹنے والی ہے چنانچہ یہی بات ہوئی۔ اور جس طرح ہمارے ملک میں کہتے ہیں کہ کٹائی کے دنوں میں زمینداروں کو کسی رشتہ دار کا جنازہ پڑھنے کی بھی فرصت نہیں ہوتی یہی حال وہاں الیکشن یا اس وقت جب پارلیمنٹ ٹوٹنے والی ہوئی ہوتا ہے۔ اس وقت اگر کسی کی ماں بھی مرجائے تو توجہ نہیں کرتے۔ ایک ایک دن میں بیس بیس پچیس پچیس تقریریں کرتے ہیں۔ اگرچہ تقریر دس بارہ منٹ کی ہوتی ہے۔ موٹر پر بیٹھ کر دوڑتے پھرتے ہیں اور جابجا تقریریں کرتے ہیں۔ ایسے وقت میں یہ ان کی حالت ہوتی ہے۔ مگر ایسے ایام میں بھی جب ہمارے آدمیوں نے بڑے بڑے آدمیوں سے ملنا چاہا تو باوجود اس کے کہ وزارت سخت خطرہ میں تھی انہوں نے آمادگی ظاہر کی۔ اور ایک بہت بڑے لارڈ نے جو بہت باا‌ثر ہیں ہمارے ایک ساتھی کو چِٹّھی لکھی کہ ان سے گفتگو کرے اسی طرح دوسری سیاسی پارٹیوں نے ہم سے ملنے کی خواہش کی۔ حتیٰ کہ وزیر اعظم نے بھی لکھا۔ گو پارلیمنٹ کے ٹوٹنے کی وجہ سے اسے وقت نہ مل سکا۔ غرض یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہاں جو یہ خیال کیا جاتا ہے کہ انگریز ہندوستانیوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں وہاں پر معلوم ہوتا تھا کہ ہمارے سوا وہ کسی کی عزت ہی نہیں کرتے۔ ہماری طرف ان لوگوں کے متوجہ ہونے کی مثال یہاں کے حالات کے رو سے اس قسم کی مثال ہو سکتی ہے کہ کسی جگہ کُشتیوں کا اکھاڑہ لگا ہو جہاں دیہاتوں

کے جاٹ اور سکھ گئے ہوئے ہوں' شراب کی بوتلیں لنڈھا رہے ہوں اس مجمع کے پاس وعظ ہو رہا ہو اور لوگ کھیل کو چھوڑ کر اور بوتلیں توڑ کر ادھر آ جائیں۔ یہ مثال کسی قدر اس حالت کے مشابہ ہو سکتی ہے جو ہمارے متعلق لندن میں ہوئی۔ جس قسم کی یہ عجیب حالت خیال کی جا سکتی ہے وہی اس وقت تھی جب وہ لوگ ہماری طرف متوجہ ہوتے تھے۔

اسی طرح جہاں جہاں سے ہم گزرے عجیب حالت پیدا ہو جاتی۔ بڑے بڑے ملکوں میں طویل عرصہ میں بھی نام پہنچانا مشکل ہوتا ہے مگر ہماری شہرت بجلی کی سی تیزی کے ساتھ ہو جاتی۔ اٹلی میں ہم تین دن ٹھہرے۔ وہاں کا سب سے بڑا اخبار جس کی آٹھ لاکھ اشاعت ہے اور جو دس مختلف شہروں سے نکلتا ہے۔ اس کے ایڈیٹر کو جب ہمارے آدمی ملنے کے لئے گئے تو اس نے کہا کہ سب سے پہلے مجھے ملاقات کا موقع دیا جائے خواہ رات کو ہی دیا جائے۔ چنانچہ وہ وقت مقرر کرا کے ۱۱ بجے رات کے آیا اور بارہ ۱۲ بجے تک گفتگو کر کے گیا۔ اور صبح ہی اس نے بہت زوردار مضمون لکھا۔ اٹلی میں مَیں نے پوپ سے ملنا چاہا تھا مگر جب انگریزی قائم مقام کے ذریعہ پوچھا تو اس نے کہا چونکہ میرا مکان بن رہا ہے اس لئے ان دنوں ملاقاتیں بند ہیں۔ اخبار مذکور کے ایڈیٹر نے پوچھا کیا آپ پوپ سے ملیں گے جب میں نے اسے پوپ کا جواب بتایا تو اس نے کہا آپ کیوں ملنا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا اس لئے کہ چونکہ وہ معزّز آدمی ہے اس لئے ہم اس کے سامنے تحفہ پیش کر کے اس کا احترام کرتے۔ اس نے پوچھا۔ کیا تحفہ؟ میں نے کہا ہمارے نزدیک سب سے بڑا تحفہ اسلام ہے وہی پیش کرتے۔ اس نے اپنے مضمون میں اس کا بھی ذکر کیا اور لکھا تعجب ہے ایک سردار آتا اور پوپ سے ملنا چاہتا ہے مگر پوپ کہتا ہے چونکہ مکان کی مرمت ہو رہی ہے اس لئے مل نہیں سکتا۔ اب ہمیشہ ہی اس کا مکان زیر مرمت رہے گا۔

یہ کتنا طاقتور فقرہ ہے جو ایک عیسائی اخبار اور اس قدر بارسوخ اخبار پوپ کے متعلق لکھتا ہے۔ گویا وہ ایک طرح سے بددعا کرتا ہے کہ پوپ کا مکان کبھی بھی مکمل نہ ہو گا بلکہ زیر مرمت ہی رہے گا۔ اسی طرح آتی دفعہ سٹیشن سے ایک اخبار کو ٹیلی فون کیا۔ جواب آیا ابھی وقت مقرر کریں ہمارا نامہ نگار آتا ہے۔ چنانچہ وہ آیا اور ایک گھنٹہ تک گفتگو کی اور حالات قلم بند کر کے لے گیا۔

پیرس میں اس سے بھی عجیب حالت ہوئی۔ ایک بڑا زبردست اخبار تھا جس کا ایڈیٹر دو دفعہ ملا اور کئی ایڈیٹروں کو موقع نہ دیا جا سکا کیونکہ وقت نہ تھا۔ انہیں صرف خبر ملنے کی دیر ہوتی تھی کہ ان میں خود ملاقات کی تڑپ پیدا ہو جاتی۔ پیرس میں ایک کپتان ہوٹل میں آیا اور پوچھنے لگا کہ خلافت

وفد کونسا ہے- عرفانی صاحب نے اسے بتایا کہ خلافت وفد تو کوئی نہیں- میں نے کہا اگر آپ کی مراد کسی ایسے وفد سے ہے جو ترکوں کی خلافت سے تعلق رکھتا ہو تو وہ کوئی نہیں اور اگر اس سے کوئی اور خلیفہ اور اس کا وفد مراد ہے تو میں ہوں- کہنے لگا اسی سے ملنا ہے اور حالات دریافت کرنے ہیں- چنانچہ وہ دیر تک پوچھتا رہا- پردہ اور تعدّد ازدواج اور دیگر ان مسائل کے متعلق جن پر یورپ میں اعتراض کئے جاتے ہیں- دلائل سن کر اُچھل پڑتا اور کہتا یہی تعلیم ہے جو دنیا کو درحقیقت پاک کر سکتی ہے-

میرا جس وقت یورپ کو جانے کا فیصلہ ہوا تو مجھے وہ خواب یاد آیا- جس میں مَیں نے اپنے آپ کو ولیم دی کنکرر دیکھا تھا- دوران سفر میں خطرہ تھا کہ کسی شامت اعمال کی وجہ سے لندن پہنچنا ناممکن نہ ہو جائے- دمشق میں جب میں سخت بیمار ہو گیا تو یہی خطرہ تھا لیکن جب میں نے انگلستان کے ساحل پر قدم رکھا تو سمجھ گیا کہ اب خدا کے فضل سے یہ فتح ہو گیا- چنانچہ میں نے اسی وقت مضمون لکھا- جو "الفضل" میں شائع ہو گیا- اس میں مَیں نے لکھ دیا تھا کہ انگلستان کی روحانی فتح شروع ہو گئی ہے- یہ میں نے پہنچتے وقت ہی لکھا تھا- کامیابیاں بعد میں شروع ہوئیں جب میں انگلستان پہنچ گیا تو اس وقت نہ پہنچنے کا ڈر نہ تھا اور خواب کے پورے ہونے کے آثار ایسے نظر آ رہے تھے اور خدا تعالیٰ نے اس قدر کامیابی دی کہ اب مخالفین بھی ہماری کامیابی کو اپنی طرف منسوب کر رہے ہیں- چنانچہ مجھے راستہ میں ہی خط ملا کہ کانفرنس مذاہب میں جو کامیابی خدا نے ہمیں دی اسے خواجہ کمال الدین صاحب اپنی طرف منسوب کر رہے ہیں- بعض کو ان کی یہ بات بُری معلوم ہوئی مگر حافظ روشن علی صاحب کا یہ فقرہ مجھے بہت پسند آیا- کہ کیا ہوا؟ شیر کا مارا گیدڑ کھایا ہی کرتے ہیں-

ہمیں سب سے پہلی عجیب کامیابی مصر میں حاصل ہوئی- میرا خیال تھا کہ یہ اسلامی ملک ہے سرسری نظر سے اس کو بھی دیکھتا جاؤں- وہاں پہنچتے ہی لوگوں کی ہماری طرف ایسی توجہ ہوئی کہ خلافت کی دونوں پارٹیاں آئیں- ایک پارٹی کے آدمی کہیں کہ ہمارے ساتھ شامل ہو جاؤ- اور دوسری کے کہیں ہمارے ساتھ- ان کو ہماری مخالفت یاد نہ رہی- اس سے ہم کو یہ اندازہ لگانے کا موقع مل گیا کہ ایسے ذرائع بھی ہیں کہ ان ملکوں میں انسان پہنچ سکتا ہے- وہاں کے لوگوں نے ہمیں بہت ڈرایا کہ یہاں تمہیں کامیابی نہیں ہو سکتی- ایک اخبار کے ایڈیٹر کو دوست ملنے گئے وہ چودھری فتح محمد صاحب سے کہنے لگا یہ ہندوستان نہیں ہے کہ تم لوگ کامیابی حاصل کر لو- اب ہم

تیرہ سو سال کے پرانے اسلام کی طرف واپس جانا نہیں چاہتے جس سے بڑی مشکل سے آزادی حاصل کی ہے۔ آپ مصر سے ہاتھ دھو بیٹھیں یہاں کوئی آپ کی بات سننے کے لئے تیار نہیں۔ چودھری صاحب نے کہا ہم ضرور کامیاب ہوں گے اور کوئی تکلیف اور روک ہمیں حراساں نہیں کر سکتی۔ اس پر اس نے کہا اگر یہ ارادے ہیں تو ضرور کامیابی ہو گی۔ وہاں دو ہی دن میں معلوم ہو گیا کہ قلوب میں ایک تحریک ہے اور دو معزز اور با اثر آدمیوں نے کہا کہ اگر آپ ٹھہریں تو بیعت کر لیں۔ ایک تو تُرک تھا جس نے کہا کہ میں یہاں دین کے لئے آیا تھا مگر معلوم ہوا کہ یہ لوگ دین کو چھوڑ چکے ہیں۔ میں آپ کے ساتھ مل کر کام کرنا چاہتا ہوں۔

فلسطین میں بھی خدا نے عجیب سامان پیدا کئے۔ ہم سٹیشن پر اترے تو ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ آپ نواب صاحب ہیں؟ میں نے کہا نہیں۔ وہ کسٹم کا افسر تھا۔ وہاں لے گیا۔ پھر اس نے پوچھا کہ آپ نواب صاحب ہیں؟ ہم نے کہا ہم نواب نہیں ہیں۔ اس نے کہا کہ ہمارے پاس گورنمنٹ کی طرف سے چٹھی آئی ہوئی ہے۔ ہم بار بار انکار کرتے۔ اور وہ کہتا کہ کچھ نہ پوچھو نواب صاحب ہی ہیں۔ اس طرح ہم کسٹم کی تکلیف سے بچ گئے اور جا کر گاڑی میں بیٹھ گئے۔ آخر معلوم ہوا کہ محمد اسماعیل صاحب بنگال کے ایک شخص تھے ان کے لئے کسی نے خط لکھا تھا۔ وہ تو نہ آئے اور اس تاریخ ہم پہنچ گئے اور اس طرح تکلیف سے بچ گئے باوجود نواب ہونے سے انکار کرنے کے۔ اس افسر نے ان کا نام بھی بتایا اور کہا کیا آپ کا نام محمد اسماعیل ہے۔ میں نے کہا نہیں۔ میرا نام تو محمود احمد ہے کہنے لگا مجھے بھول گیا ہو گا' بڑے افسر کے پاس چلیں۔ وہاں گئے تو اس نے بھی ہماری بات نہ مانی۔ پھر بیت المقدس میں جاتے ہی اس قسم کے سامان پیدا ہو گئے کہ ملکی کونسل کے پریذیڈنٹ نے چائے پر بلایا اور اس موقع پر اس نے کچھ ہوشیار ممبروں کو بھی بلایا ہوا تھا۔ اس طرح اعلیٰ لوگوں سے ملاقات اور تبلیغ کا موقع مل گیا۔ پھر گورنر سے ایک دن ملاقات ہوئی۔ اس نے دعوت کی اور بہت دلچسپی کا اظہار کیا اور اس نے اپنے ایک دوست کو چٹھی لکھی کہ یہ بہت اعلیٰ دماغ کے انسان ہیں ان سے مل کر فائدہ اٹھاؤ۔ ان لوگوں میں دستور ہے کہ عورت گھر کی مالک سمجھی جاتی ہے اور مجلس میں اعلیٰ جگہ پر بیٹھتی ہے۔ مگر اس نے خلاف عادت اس خیال سے کہ ہم نے کہلا بھیجا تھا کہ ہم عورتوں سے مصافحہ نہیں کریں گے دوسری طرف عورت کو بٹھایا۔ اس کے سیکرٹری نے کہا بھی کہ اِدھر بیٹھیے مگر گورنر نے کہا نہیں اُدھر جگہ ہے اور اس طرف بٹھایا۔ اس نے ہمارا بہت ہی ادب و احترام کیا اور کہا کہ میں گورنر حیفہ کو فون کروں گا کہ آپ کو کسی قسم کی

تکلیف نہ ہو- اس کے متعلق بہائیوں نے کہا ہے کہ ہم کسی مرزا بدیع سے مدد مانگنے گئے تھے حالانکہ یہ بالکل غلط ہے- گورنر نے ہمارے ان آدمیوں کی بہت مدد کی جو پیچھے رہ گئے تھے-

اسی طرح جب ہم دمشق میں گئے تو اول تو ٹھہرنے کی جگہ ہی نہ ملتی تھی مشکل سے انتظام ہوا مگر دو دن تک کسی نے کوئی توجہ نہ کی- میں بہت گھبرایا اور دعا کی کہ اے اللہ پیشگوئی جو دمشق کے متعلق ہے کس طرح پوری ہوگی- اس کا یہ مطلب تو ہو نہیں سکتا کہ ہم ہاتھ لگا کر واپس چلے جائیں تُو اپنے فضل سے کامیابی عطا فرما- جب میں یہ دعا کر کے سویا تو رات کو یہ الفاظ میری زبان پر جاری ہو گئے "عَبْدٌ مُّکَرَّمٌ-" یعنی ہمارا بندہ جس کو عزت دی گئی- اس سے میں نے سمجھا کہ تبلیغ کا سلسلہ یہاں کھلنے والا ہے- چنانچہ دوسرے ہی دن جب اٹھے تو لوگ آنے لگے یہاں تک کہ صبح سے رات کے بارہ بجے تک دو سو سے لے کر بارہ سَو تک لوگ ہوٹل کے سامنے کھڑے رہتے اس سے ہوٹل والا ڈر گیا کہ فساد نہ ہو جائے- پولیس بھی آ گئی اور پولیس افسر کہنے لگا فساد کا خطرہ ہے- میں یہ دکھانے کے لئے کہ لوگ فساد کی نیت سے نہیں آئے مجمع کے سامنے کھڑا ہو گیا- چند ایک نے گالیاں بھی دیں لیکن اکثر نہایت محبت کا اظہار کرتے اور "هٰذَا ابْنُ الْمَهْدِیْ" کہتے اور سلام کرتے- مگر باوجود اس کے پولیس والوں نے کہا کہ اندر بیٹھیں ہماری ذمہ داری ہے اور اس طرح ہمیں اندر بند کر دیا گیا- اس پر ہم نے برٹش کونسل کو فون کیا اور اس نے انتظام کیا- گورنر نے اپنے بھائی کو بھیجا جس نے مجمع کو دیکھ کر کہا کہ یہ لوگ فسادی نہیں ملنے کے شوق سے آئے ہیں- میں نے کہا کہ ہمیں ان کی طرف سے تکلیف نہیں بلکہ پولیس کی طرف سے ہے جس نے بند کر دیا ہے- اس پر ایسا انتظام کر دیا گیا کہ لوگ اجازت لے کر اندر آتے رہے اور عجیب حالت تھی- ایک بڈھا بہت بڑا رئیس آیا اور کہنے لگا کہ آج مجھے پتہ لگا ہے کہ آپ آئے ہیں آپ مجھے سمجھائیں- میں نے اسے ہنستے ہوئے کہا کہ آپ لوگ جگہ تو دیتے نہیں، رہیں کہاں- کہنے لگا ابھی میں آپ کی رہائش کا انتظام کرتا ہوں- ایک اور نے رقعہ لکھا کہ میں صبح سے ملاقات کے لئے بیٹھا ہوں مگر مجھے موقع نہیں ملا- اب یہ رقعہ لکھتا ہوں کہ میں حضرت مسیح موعود پر ایمان لایا- آپ مجھے جہاں تبلیغ کے لئے بھیجیں، جانے کے لئے تیار ہوں- میں عربی، ترکی اور فارسی جانتا ہوں- بیس سال تک پڑھاتا رہا ہوں- ایران، ترکی، عرب جہاں کہیں تبلیغ کے لئے جانے کو تیار ہوں- اب میری آخری عمر ہے اس لئے چاہتا ہوں کہ خدا کے لئے کام کروں-

غرض عجیب رنگ تھا کالجوں کے لڑکے اور پروفیسر آتے کاپیاں ساتھ لاتے اور جو میں بولتا

لکھتے جاتے- اگر کوئی لفظ رہ جاتا تو کہتے یا اُسْتَاذُ ذرا ٹھہریئے یہ لفظ رہ گیا ہے- گویا انجیل کا وہ نظارہ تھا جہاں اے استاذ کر کے حضرت مسیحؑ کو مخاطب کرنے کا ذکر ہے- اگر کسی مولوی نے خلاف بولنا چاہا تو وہی لوگ اسے ڈانٹ دیتے- ایک مولوی آیا جو بڑا باا ثر سمجھا جاتا تھا- اس نے ذرا ناواجب باتیں کیں تو تعلیم یافتہ لوگوں نے ڈانٹ دیا اور کہہ دیا کہ ایسی بیہودہ باتیں نہ کرو ہم تمہاری باتیں سننے کے لئے نہیں آئے- اس پر وہ چلا گیا اور روؤسا معذرت کرنے لگے کہ وہ بیوقوف تھا اس کی کسی بات پر ناراض نہ ہوں- یہ ایک غیر معمولی بات تھی- پھر منارةُ الْبَيْضَاء کا بھی عجیب معاملہ ہوا- ایک مولوی عبد القادر صاحب سید ولی اللہ شاہ صاحب کے دوست تھے ان سے میں نے پوچھا کہ وہ منارہ کہاں ہے جس پر تمہارے نزدیک حضرت عیسیٰ نے اترنا ہے- کہنے لگے- مسجد امویہ کا ہے- لیکن ایک اور مولوی صاحب نے کہا کہ عیسائیوں کے محلہ میں ہے- ایک اور نے کہا حضرت عیسیٰ آکر خود بتائیں گے- اب ہمیں حیرت تھی کہ وہ کونسا منارہ ہے دیکھ تو چلیں۔ صبح کو میں نے ہوٹل میں نماز پڑھائی- اس وقت میں اور ذوالفقار علی خان صاحب اور ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب تھے یعنی میرے پیچھے دو مقتدی تھے- جب میں نے سلام پھیرا- تو دیکھا سامنے منارہ ہے اور ہمارے اور اس کے درمیان صرف ایک سڑک کا فاصلہ ہے- میں نے کہا یہی وہ منارہ ہے اور ہم اس کے مشرق میں تھے- یہی وہاں سفید منارہ تھا اور کوئی نہ تھا- مسجد امویہ والے منار نیلے سے رنگ کے تھے- جب میں نے اس سفید منارہ کو دیکھا اور پیچھے دو ہی مقتدی تھے تو میں نے کہا کہ وہ حدیث بھی پوری ہو گئی-

کہتے ہیں "ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات-" خدا نے ابتداء سے ہی ایسے اسباب پیدا کئے کہ خاص اشارات ظاہر ہونے لگے جہاز میں دوست میرے آگے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے- جہاز کا ڈاکٹر آیا اور ہمیں دیکھتا رہا- پھر اس نے سب کو گنا- گننے کے بعد تھوڑی دیر سوچتا رہا- پھر میری طرف دیکھ کر کہنے لگا کہ مسیح اور اس کے بارہ حواری- ایسے فقرات خدا تعالیٰ کی طرف سے ہی زبان پر جاری ہوتے ہیں-

پھر میں سمجھتا ہوں کہ مساجد مذہبی ترقی سے بہت بڑا تعلق رکھتی ہیں وہ مساجد نہیں جو ضد کی وجہ سے دس بیس قدم کے فاصلہ پر بنائی جائیں بلکہ وہ جو محض خدا کی عبادت کے لئے بنائی جائیں وہ جماعت کی ترقی کا پیش خیمہ ہوتی ہیں- خدا تعالیٰ فرماتا ہے- اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ - ۱؎ کہ دنیا میں گھر پہلے بنا ہی مسجد کے ذریعہ شروع ہوا اور خدا

نے یہ بھی کامیابی کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ اس سفر میں خدا نے لندن میں مسجد بنانے کی بھی توفیق دی۔ اور یہ عجیب بات ہے کہ انگلستان میں پہلے ایک مسجد ہے مگر وہ ایک عیسائی نے بنائی ہے جو ووکنگ کی مسجد ہے اور غیر مبائعین کے ہاتھ میں ہے جو اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی ؎۲ نہیں ہے۔ پس پہلی مسجد انگلستان میں ہماری ہی ہے جس کی بنیاد مسلمان نے رکھی ہے۔ اس پر یہ کتبہ لگایا گیا ہے۔

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھُوَ النَّاصِرُ

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ ؎۳

میں میرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی امام جماعت احمدیہ جس کا مرکز قادیان پنجاب ہندوستان ہے خدا کی رضاء کے حصول کے لئے اور اس غرض سے کہ خدا تعالیٰ کا ذکر انگلستان میں بلند ہو اور انگلستان کے لوگ بھی اس برکت سے حصہ پاویں جو ہمیں ملی ہے آج ۲۰۔ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ کو اس مسجد کی بنیاد رکھتا ہوں۔ اور خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ تمام جماعت احمدیہ کے مردوں اور عورتوں کی اس مخلصانہ کوشش کو قبول فرمائے اور اس مسجد کی آبادی کے سامان پیدا کرے اور ہمیشہ کے لئے اس مسجد کو نیکی، تقویٰ، انصاف اور محبت کے خیالات پھیلانے کا مرکز بنائے۔ اور یہ جگہ حضرت محمد مصطفیٰ خاتم النّبیّن ﷺ اور حضرت احمد مسیح موعود نبی اللہ بروز و نائب محمد عَلَیْھِمَا الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ کی نورانی کرنوں کو اس ملک اور دوسرے ملکوں میں پھیلانے کے لئے روحانی سورج کا کام دے اے خدا تُو ایسا ہی کر۔ ۱۹۔ اکتوبر ۱۹۲۴ء"

اور ہم نے ساری جماعت کی خوشی کے لئے ایک طرف میری اصلی تحریر کا فوٹو اور دوسری طرف انگریزی ترجمہ گھروں میں رکھنے کے لئے تیار کرایا ہے۔ جو احباب چاہیں دفتر میں چھپے پڑے ہیں (قیمت ۱۲ آنہ ہے) خدا کی قدرت ہے۔ میری ایک نظم تھی جس میں مسجد بنانے کا ذکر "ہم ہم" کے ساتھ تھا۔ یعنی اس کا بنانا میری طرف منسوب تھا۔ آخر خدا تعالیٰ نے توفیق دی اور اس مسجد کی بنیاد رکھ دی گئی۔

اس سفر میں سلسلہ کی عظمت کا جو اثر ہوا اس کو الفاظ ادا نہیں کر سکتے۔ جس کسی علاقہ سے ہم

گذرے وہاں سے یہی آواز آئی کہ ہم آپ کو جانتے ہیں۔ ہالینڈ میں چودھری ظفر اللہ خان صاحب گئے ایک شخص کو تبلیغ کر رہے تھے۔ سلسلہ گفتگو میں میرا فوٹو نکال کر دکھایا۔ وہ کہنے لگا یہ تصویر میں نے دیکھی ہوئی ہے۔ برلن سے ماسٹر مبارک علی صاحب نے ایک اخبار بھیجا جس نے سارے صفحہ پر میری پورے قد کی تصویر شائع کی ہے۔ امریکہ میں بھی تصویر چھپ رہی ہے۔ اسی طرح اٹلی میں' بغداد میں اور دیگر ممالک میں تصویریں اور مضامین شائع ہوئے اور اس ذریعہ سے شُہرت ہوئی۔ آتے ہوئے جہاز میں سوئٹزرلینڈ کے قنصل کی بیوی بھی تھی۔ ہمارے دوستوں سے اس کی گفتگو ہوئی جب فوٹو دکھایا گیا تو کہنے لگی یہ تو دیکھا ہوا ہے۔ پوچھا کس طرح؟ تو اس نے کہا کہ سینما میں۔ غرض اس قدر شُہرت ہو گئی ہے کہ اب ہمارا بچہ بھی چلا جائے تو سمجھیں گے کہ اس کے پیچھے زبردست جماعت ہے۔ چنانچہ اس کا پتہ اس طرح معلوم ہوا کہ کابل کے خلاف پروٹسٹ کے جلسہ میں تین پادری شامل ہوئے جو بہت با اثر تھے۔ ایک نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ وہ وقت آتا ہے جبکہ حکومتیں احمدیوں کے قبضہ میں ہوں گی۔ اِس وقت یہ لوگ جو بنی نوع انسان کے لئے تکلیفیں اُٹھا رہے ہیں اِن کی نسلیں دیکھیں گی اور فخر کریں گی کہ ہمارے باپ دادے وہ تھے کہ لوگ انہیں بات بھی نہ کرنے دیتے تھے اور انہیں قتل کرتے اور ہر قسم کے دکھ دیتے تھے آج ہم ان کی قربانیوں کے نتیجہ میں بادشاہ ہیں۔ اسی طرح پروفیسر براؤن جو عربی اور فارسی کے عالم ہیں ان کے ملنے کے لئے شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری' حافظ روشن علی صاحب اور مولوی عبدالرحیم صاحب درد جنہیں اب بھی بعض لوگ رحیم بخش کہتے ہیں بھیجا تو وہ کہنے لگا میں نے سمجھا تھا کہ کانفرنس مذاہب چند پاگلوں کے خیال کا نتیجہ ہے مگر جب آپ لوگوں کے حالات اخبارات میں پڑھے تو افسوس ہوا کہ میں اس میں شامل ہونے سے محروم رہا۔ اس نے کہا کہ میں آپ کے سلسلہ کی کتابیں پڑھوں گا۔ اس نے بتایا کہ آج ۱۲ بجے سے آپ کا انتظار کر رہا ہوں حالانکہ ۴ بجے ملاقات کا وقت مقرر تھا۔ وہ آمد و رفت کا کرایہ دینے کے لئے اصرار کرتا رہا اور بڑی محبت سے اس نے رخصت کیا۔

پھر مسجد کے موقع پر ایسے ایسے لوگ آئے کہ جن کی امید نہ تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے شاہی کارروائی ہوتی ہے اور مختلف سلطنتوں کے وزراء آتے ہیں۔ بعض کی بعد میں چٹھیاں آئیں کہ افسوس ہم مجبوری کی وجہ سے شامل نہ ہو سکے۔ ایک اخبار نے مجمع کی تصویر شائع کی اور لکھا کہ افسوس ہمارا قائم مقام شامل نہ ہو سکا مگر کارروائی شائع کی جاتی ہے۔ ایک سلطنت کے نمائندہ

نے مبلغ مانگے۔ ایک اور نمائندہ نے یہ تحریر کا نمونہ مانگا۔ حالانکہ بڑے آدمیوں کے لئے مانگنا بہت مشکل کام ہوتا ہے۔ اس نے کہا کہ مجھے دو کاپیاں دی جائیں۔ ایک اپنے دوست کو دوں گا اور ایک اپنے ملک کی یونیورسٹی کو۔

زیکوسلوویکیا (CZECHOSLOVAKIA) کے قائم مقام پر حیرت ہی ہوگئی مجھے بتایا گیا تھا کہ بڑا مغرور ہے۔ مجھے دیکھ کر جب وہ ملا تو اس نے بتایا۔ فلاں ہوں۔ اور کہنے لگا کہ میں بہت بد قسمت ہوں کہ یہ عمر آگئی اور مذہب کے متعلق کچھ نہیں سنا اور آج پہلا دن ہے کہ یہ باتیں سنی ہیں۔ ایک پادری تھا کہنے لگا میں بہت خوش قسمت ہوں کہ آج اسلام کے متعلق یہ بیان سن لیا وہ آخر تک کھڑا ہی رہا۔ جب اسے موقع ملتا مجھ سے بات کرنے لگ جاتا۔ اس نے اپنے پتہ کا کارڈ دیا اور کہا کہ میری عزت افزائی ہوگی اگر قبول کیا جائے گا اور حالات سلسلہ معلوم کرنے کا اشتیاق ظاہر کیا۔ گویا جس طرح خدا قلوب کو کھول دیتا ہے اس طرح کی حالت تھی پھر جیسا کہ مولوی شیر علی صاحب نے اشارہ کیا ہے۔ پریذیڈنٹ جلسہ کانفرنس نے تین چار دفعہ کہا اور گھر میں بھی آکر کہا کہ اسلام زندہ مذہب ہے اور سلسلہ احمدیہ اس کا زندہ ثبوت ہے۔

میں نے اس سفر میں جو اصول تبلیغ تجویز کئے ہیں ان میں سے کچھ مولوی عبد الرحیم صاحب درد کو لکھ کر دے آیا ہوں اور کچھ لکھ رہا ہوں۔ فی الحال بیان کرنے مناسب نہیں کیونکہ بعض سے دشمن فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

وہاں کے لوگوں میں عجیب محبت کا جوش دیکھا۔ جب ہماری واپسی کی تیاری ہونے لگی۔ تو کئی لوگ سوال کرتے کہ یہاں ٹھہرتے کیوں نہیں اور جب میں کہتا کہ مرکز سلسلہ میں کام ہے تو جیسے سوکنوں کا رشک ہوتا ہے کہتے کیا آپ ہندوستان کو ہمارے ملک کی نسبت زیادہ پسند کرتے ہیں۔ اس کا میں یہی جواب دیتا کہ چونکہ خدا نے ہندوستان میں سلسلہ کا ہیڈ کوارٹر بنا دیا ہے اس لئے جانا ضروری ہے۔ واپس آتے ہوئے رستہ میں ایک امریکی کا خط ملا ہے جس میں لکھا ہے کیا انگلستان ہم سے زیادہ مستحق ہے کہ خدا کا پیغام سنے اور ہم نہ سنیں۔ کیا وہی اس بات کا مستحق تھا کہ وہاں سے ظلمت دور ہو اور ہم مستحق نہیں۔ کیا آسمانی پانی اسی کے لئے تھا ہمارے لئے نہیں۔ اسی طرح کے کئی فقرے اس نے لکھے ہیں۔

غرض ہر طرف عجیب قسم کا جوش پیدا ہو گیا ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ آج ہی کٹنگ آئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے بعد بھی تذکرہ ہو رہا ہے۔ پیرس پہنچنے کا بھی تار ولایت کے

اخباروں میں چھپا ہے۔

میرے نزدیک اس سفر سے بڑے بڑے فوائد کے علاوہ جن میں بعض کا ذکر مولوی شیر علی صاحب نے کیا ہے بعض چھوٹے فوائد بھی ہوئے ہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے کہ میرے سفر پر جانے پر کئی نئے شاعر پیدا ہو گئے ہیں۔ خصوصاً ہماری ہمشیرہ شاعرہ ہو گئی ہیں۔ یہ بھی علمی ترقی ہے۔ دوسرے یہ بھی علمی ترقی کی علامت ہے کہ الفضل کا خاص نمبر شائع ہوا ہے۔ پہلے ہمارے اخبارات کے جو خاص نمبر شائع ہوتے وہ تو ایسے خاص بلکہ اخص ہوتے کہ شاید ہی کوئی ان سے مزا حاصل کرتا ہو۔ مگر الفضل کے اس پرچہ میں اچھی اچھی نظمیں اور مضامین شائع ہوئے ہیں۔ یہ بھی پہلے کی نسبت ترقی ہے۔

میں نے اس سفر پر جاتے وقت کہا تھا کہ احباب نام لکھ دیں ان کے لئے دعا کی جائے گی چنانچہ دوستوں نے نام لکھ دیئے۔ اس تحریک میں سب سے زیادہ حصہ بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی کا ہے۔ جو روز سب کے نام لکھ کر دے دیتے اور یوں بھی یاد دلاتے رہتے۔ میں نے نیت یہ کی تھی کہ ۴۰ دفعہ کم از کم اس سفر میں احباب کے لئے دعا کروں گا۔ مگر خدا کے فضل سے پچاس بلکہ اس سے بھی زیادہ دفعہ دعا کرنے کا موقع ملا اور جنھوں نے نام نہیں لکھوائے تھے ان کو بھی چھوڑا نہیں بلکہ سب کے لئے دعا کرتا رہا ہوں۔

اس سفر سے دو بڑے اہم سوال بھی حل ہو گئے اور ان کی وجہ سے سب سے بڑی خوشی حاصل ہوئی۔ ایک تو یہ کہ کہا جاتا کہ مغرب میں مسیح موعود کا ذکر سمِّ قاتل ہے۔ مگر ہم پر اس سفر کی وجہ سے یہ کُھلا ہے کہ سوائے حضرت مسیح موعود کے ذکر کے مغرب کی مرضوں کا کوئی علاج ہی نہیں۔ وہ لوگ پرانی چیزوں کو لاش کی طرح سمجھ کر اسی طرح چیرتے پھاڑتے ہیں جس طرح مُردہ کو چِیرا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ تازہ چیز کو دیکھتے اور اسی کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت سمجھتے ہیں۔ جہاز کا ہی واقعہ ہے۔ ہمارا ہم سفر ایک بہت بڑا تاجر تھا جو میرے ساتھ کھانے کی میز پر بیٹھا کرتا تھا۔ میں نے اسے لیکچر مہو تسو دیا۔ کہ پڑھو۔ دوسرے دن کہنے لگا۔ میں نے پڑھا ہے مگر میرا ایک سوال ہے اور وہ یہ کہ کیا آپ جیسا سنجیدہ اور روشن دماغ انسان بھی یہ خیال کر سکتا ہے کہ الہام ہو سکتا ہے میں نے کہا کہ میرا سنجیدہ اور روشن دماغ ہونا ہی مجھے مجبور کرتا ہے کہ میں تسلیم کروں الہام ہوتا ہے۔ کہنے لگا کس طرح؟ میں نے کہا۔ دیکھو اگر سورج نکلا ہوا ہو اور ایک شخص دکھا دے تو یہی کہیں گے کہ نکلا ہوا ہے۔ اسی طرح اگر حضرت مرزا صاحب یہی کہتے کہ الہام ہوتا ہے اور ہمیں

نہ دکھاتے تو ہم کہہ سکتے تھے کہ ان کو غلطی لگ گئی ہے۔ مگر انہوں نے کہا کہ اگر اسلام کی تعلیم پر عمل کرو گے تو تمہیں بھی الہام ہو سکتا ہے۔ پھر ہم نے اس پر عمل کیا اور ہمیں الہام ہوا۔ اب ہم کیونکر اس کا انکار کر سکتے ہیں۔ یہ سن کر وہ کہنے لگا تو یہ بڑے غور کی بات ہے۔ گویا وہ حضرت مسیح موعود کی کتاب کو پڑھ کر متاثر ہوا کیونکہ اس نے آپ کی زندگی نہ دیکھی تھی۔ مگر میرے ساتھ کلام کر کے اس طرح نہیں کہہ سکتا تھا کیونکہ مجھے وہ دیکھ رہا تھا۔ پس مغرب کے لوگوں میں کوئی چیز اگر یقین پیدا کر سکتی ہے تو وہ نمونہ ہے اور اس شخص کے حالات جس کو دیکھا ہو۔ کچھ ہندوستانیوں سے گفتگو ہوئی کہنے لگے۔ کیوں نہ کہا جائے کہ مرزا صاحب کے دماغ میں نقص تھا۔ میں نے کہا کیا تم میرے دماغ میں نقص سمجھتے ہو؟ کہنے لگے نہیں۔ میں نے کہا کہ مجھے بھی الہام ہوئے ہیں۔ اس کا وہ کوئی جواب نہ دے سکے۔ تو لوگوں پر سب سے زیادہ اثر کرنے والی بات یہی ہے کہ حضرت مرزا صاحب نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مداری کی طرح نہیں آئے تھے کہ تماشہ کر کے چلے گئے بلکہ وہ فیوض جو انہیں حاصل تھے ہمارے لئے بھی چھوڑ گئے۔ اسی سفر پر جاتے وقت میں نے کہا تھا کہ بعض رنج دہ اور افسوس ناک باتیں مجھے بتائی گئی ہیں چنانچہ ان چار ماہ میں اس قدر افسوس ناک واقعات ہوئے ہیں کہ اگر گذشتہ دس سال کے ایسے واقعات کو جمع کیا جائے تو بھی اس قدر نہیں ہو سکتے۔ سفر شام کے متعلق بھی میں نے رؤیا دیکھی تھی کہ ساتھیوں کو کچھ مشکلات پیش آئی ہیں۔ چنانچہ جب حیفہ آئے تو عرفانی صاحب اور چودھری فتح محمد صاحب بھائیوں کو ملنے کے لئے چلے گئے حالانکہ آدھ گھنٹہ تک گاڑی آنے والی تھی اور وہ آخری گاڑی تھی جس کے ذریعہ جہاز پر پہنچ سکتے تھے مگر وہ چلے گئے اور پھر گاڑی سے رہ گئے۔ حیفہ کے گورنر نے سپیشل گاڑی کے ذریعہ انہیں بھجوایا اور ہر طرح مدد کی۔ مگر اس گاڑی کا انجن خراب ہو گیا اور وہ رہ گئے اور ثابت ہو گیا کہ باوجود کوشش اور سعی کے وہ بات پوری ہوئی جو مجھے بتائی گئی تھی اور ظاہری سامان بے کار ثابت ہوئے۔

یہ نظارے ہیں جنہوں نے اس سفر میں بھی یقین دلا دیا کہ حضرت مسیح موعود کے تعلق سے وہ باتیں حاصل ہو سکتی ہیں جن کے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام دعویدار تھے۔

دوسرا سوال یہ حل ہوا کہ میں اس خطرہ کو اپنے دل میں لے کر گیا تھا کہ یورپ اسلام کی ننگی تعلیم کو قبول نہیں کر سکتا اور آیا اس یقین کے ساتھ ہوں کہ یقیناً قبول کر سکتا ہے۔ ایسی باتیں جن پر اہل یورپ اعتراض کرتے ہیں جب حقیقی شکل میں معقولیت کے ساتھ ان کے سامنے بیان کی

گئیں تو وہ ان کی صداقت کا اعتراف کرتے گو ساتھ ہی یہ بھی کہتے کہ ابھی ہم ان کو قبول نہیں کر سکتے۔ سوسائٹی اور رسم و رواج کی وجہ سے انہیں قبول کرتے ہوئے ڈر آتا ہے۔

غرض اس سفر میں ایسی کامیابی حاصل ہوئی ہے کہ جو انسانی وہم و خیال سے بالاتر ہے اور جس بات کی طرف میں سرزمینِ ہند پر قدم رکھتے ہوئے جماعت کو توجہ دلاتا آیا ہوں اور آج بھی دلانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہی ساری کامیابیاں حاصل ہوئی ہیں اور وہی حقیقی شکریہ کا مستحق ہے۔ اور جماعت کو تیار ہو جانا چاہئے کہ خدا نے جو بیج بویا ہے اس کی آب پاشی کریں۔ یہ بیج میسّر نہ آسکتا تھا اگر اس سفر کے بغیر کوشش کرتے رہتے۔ لیکن خدا تعالیٰ نے ایسے سامان کر دیئے کہ بیج میسّر آگیا۔ اب جب کہ بیج اس نے بو دیا ہے اگر ہم اپنے اعمال اور قربانیوں کا پانی نہیں دیں گے تو بار آور نہیں ہو گا۔ کیا کوئی بیج بغیر پانی کے اُگ سکتا ہے' ہرگز نہیں۔ اسی طرح اس بیج کے متعلق سمجھنا چاہئے۔ میں نے اس مجلس شوریٰ میں جس میں سفر یورپ کا سوال پیش ہوا تھا کہا تھا کہ اگر سفر کیا گیا تو پھر ان ممالک کی طرف بہت توجہ کرنی پڑے گی اور بہت سا روپیہ خرچ کرنے کی ضرورت ہوگی۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ میں جاؤں' بیج بویا جائے اور پھر آب پاشی نہ کروں اور بیج کو بھی ضائع کر دوں۔ دیکھو جو زمیندار دانہ بو کر پانی نہیں دیتا اس کا بویا ہوا دانا بھی ضائع ہو جاتا ہے۔ مگر جو پانی دیتا ہے وہ وہی دانہ نہیں لاتا جو بوتا ہے بلکہ اس سے بیسیوں گُنے زیادہ لاتا ہے۔ پس بیج بونے کے بعد اس کی حفاظت اور آب پاشی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور یہ خود سمجھ لو کہ جو بیج ساری دنیا میں بکھیرا گیا اس کے لئے کتنے پانی اور کس قدر نگہداشت کی ضرورت ہے۔

پس اس سفر میں جو کامیابیاں حاصل ہوئی ہیں وہ آئندہ قربانیوں کا پیش خیمہ ہیں۔ یہی وہ پیغام ہے جس کی طرف میں نے آج صبح اشارہ کیا تھا اور یہی وہ پیغام ہے جس کی طرف میں اس وقت جماعت کو توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ جماعت کو اب پہلے کی نسبت بیسیوں گُنا زیادہ کام اور زیادہ قربانیاں کرنا چاہئیں۔ اب کام بہت زیادہ بڑھ گیا ہے۔ بیج اس قدر وسیع علاقہ میں پھیلایا گیا ہے کہ ہم اسے پانی نہیں دے سکتے اور انتہائی زور لگا کر بھی نہیں دے سکتے۔ مگر یہ خدا تعالیٰ کی سنت ہے کہ جب کوئی جماعت اس کے رستہ میں اپنا پورا زور اور ساری قوت صرف کر دیتی ہے تو پھر خدا تعالیٰ اپنی تائید اور نصرت بھیج کر وہ کام کر دیتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کسی کو کوئی کہے تمہارے پاس جتنے پیسے ہیں وہ دے دو باقی میں اپنے پاس سے ڈال کر تمہیں فلاں چیز لے

دوں گا۔ خدا تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ اسی طرح کرتا ہے۔ جو بندے اپنا سب کچھ دے ڈالتے ہیں ان کی کمی خدا پوری کر دیتا ہے۔ لیکن جو اپنے پاس رکھ لے اسے خاص مدد نہیں دیتا۔

حضرت خلیفۃ المسیح اول سناتے کہ ایک ہندوستانی ایک عرب کے پاس گیا اور جا کر کہا میں بہت بھوکا ہوں اور میرے پاس کچھ نہیں ہے مجھے کچھ کھانے کو دو۔ اس کا تربوز کا چھوٹا سا کھیت تھا جس میں سے اس نے سب اچھے اچھے تربوز اسے کھلا دیئے۔ جب وہ کھا چکا تو اسے کہا کھڑا ہو جا اور اس کی تلاشی لی۔ ہندوستانی کو اس پر بہت تعجب ہوا اور اس نے کہا۔ یہ تم نے کیا کیا۔ عرب نے کہا میں نے جو کچھ تمہیں کھلایا وہ تو مہمان نوازی کے فرض کو ادا کیا لیکن چونکہ یہ کھیت میرے بال بچوں کے لئے سال کی خوراک تھی۔ رؤوسا کے پاس میں تربوز لے جاتا اور گزارہ چلاتا۔ اب یہ فصل ماری گئی ہے اس لئے میں نے تلاشی لی کہ تا معلوم کروں تُو نے سچ کہا یا جھوٹ۔ اگر سچ ثابت ہو گیا تو خیال کر لیتا کہ اگر کھیت اُجڑ گیا ہے تو کیا ہوا ایک مہمان کی تو جان بچالی لیکن اگر ایک پیسہ بھی تمہارے پاس سے نکل آتا تو میں تجھے قتل کر دیتا کہ تُو نے اسے بچایا اور میرے بیوی بچوں کا قاتل بنا۔

خدا تعالیٰ بھی اپنے بندوں سے اسی رنگ میں سلوک کرتا ہے۔ جب وہ اس کی راہ میں اتنی قربانی اور اس قدر ایثار کریں کہ ان کے پاس کچھ نہ رہے تو پھر خواہ کروڑوں کروڑ روپیہ کی ضرورت ہو خود مہیا کر دیتا ہے۔ لیکن اگر قربانی میں کسر رہے تو خدا کی نصرت بھی نہیں آتی۔

پس میں آپ لوگوں سے درخواست کرتا ہوں کہ اس سفر میں جو کامیابیاں ہوئی ہیں ان کے شکریہ کو عملی جامہ پہنائیں۔ اس وقت جو مالی مشکلات درپیش ہیں' انہیں دور کرنے کی کوشش کریں۔ اب پہلے سے بھی زیادہ توجہ' اخلاص' محبت اور اتحاد کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے جماعت کو ابھی سے کوشش شروع کر دینی چاہئے۔

آخر میں مضمون ختم کرنے سے پہلے مَیں اس سفر کے ساتھیوں کے متعلق بھی یہ اظہار کرنا چاہتا ہوں کہ جہاں تک ان سے ہو سکا انہوں نے کام کیا۔ انسانوں سے غلطیاں ہوتی ہیں اور ان سے بھی ہوئی ہیں۔ میں ان پر بعض اوقات ناراض بھی ہوا ہوں مگر میری ناراضگی کی مثال ماں باپ کی ناراضگی کی سی ہے۔ جو ان کی اصلاح اور اس سے بھی زیادہ پُرجوش بنانے کے لئے ہوتی ہے۔ مگر انہوں نے اچھے کام کئے اور بڑے اخلاص کا نمونہ دکھایا ہے اور میرے نزدیک وہ جماعت کے شکریہ کے مستحق ہیں۔ خصوصاً اس لئے کہ میرے جیسے انسان کے ساتھ انہیں کام کرنا پڑا۔

جب کام کا زور ہو تو میں چاہتا ہوں کہ انسان مشین کی طرح کام کرے۔ نہ اپنے آرام کا اسے خیال آئے نہ وقت بے وقت دیکھے۔ جب اس طرح کام لیا جائے تو بعض اوقات اچھے سے اچھے کام کرنے والے کے ہاتھ پاؤں بھی پھول جاتے ہیں۔ مگر انہوں نے اخلاص سے کام کیا اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ حق رکھتے ہیں کہ ان کے لئے خصوصیت سے دعائیں کی جائیں۔ پھر میں سمجھتا ہوں ماسٹر عبد الرحیم صاحب نیر خصوصیت سے جماعت کی دعاؤں کے اور شکریہ کے مستحق ہیں۔ واقفیت کی وجہ سے انہوں نے اس سفر میں بہت کام کیا ہے۔ ان کے اندر بعض کمزوریاں ہیں۔ لیکن میرا تجربہ ہے کہ وہ اکیلے چار پانچ آدمیوں کا کام کرتے ہیں بشرطیکہ گھبرا نہ جائیں اور جب گھبرا جائیں تو پھر ایک آدمی کا کام بھی نہیں کر سکتے۔ ان کی وجہ سے بھی سلسلے کے کاموں میں بہت کچھ مدد ملی ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ برادرانہ حسن سلوک کے خلاف ہو گا اگر میں اس پہلے موقع پر جو مجھے اظہار خیالات کا اس سفر کے بعد ملا ہے' ان کی خدمات کا اظہار نہ کروں۔ ان کی غلطیاں میں بیان کرتا رہا ہوں اور اب بھی میں سمجھتا ہوں کہ ان میں بعض کمزوریاں ہیں۔ مگر اس سے کوئی یہ خیال نہ کرے کہ مجھے ان کی خدمات کا اعتراف نہیں ہے۔ ان کی غلطیاں تربیت کا نقص ہے مگر اخلاص میں کوئی کمی نہیں۔ اور اخلاص کے لحاظ سے تو جماعت کا کوئی فرد چُن لیا جائے۔ وہ ایسا اعلیٰ نمونہ پیش کرے گا جو قابل رشک ہو گا۔ مگر ابھی تربیت کی کمی ہے۔ گویا ہمارے پاس ہیرے موجود ہیں مگر انہیں تراشنے کی ضرورت ہے۔ اخلاص تو ہماری جماعت کے ہر فرد میں حضرت مسیح موعود کی قوت قدسیہ کی وجہ سے ایسا ہے کہ جو پہاڑ کی طرح ہے۔ اور کوئی چیز اسے جُنبش نہیں دے سکتی۔ مگر تربیت کی نہایت ہی ضرورت ہے تاکہ آئندہ نسلیں اس نقص سے محفوظ ہو جائیں۔ اور یہ کام وقت چاہتا ہے۔ مجھے اگر خدا تعالیٰ نے موقع دیا تو میں ورنہ جب خدا چاہے گا یہ کام ہو جائے گا۔ اور اُس وقت ایک ایک آدمی بیس بیس آدمیوں کا کام کر سکے گا۔

اس وقت میں نے اہم باتیں نہیں چھیڑیں کیونکہ یہ خوشی کا جلسہ ہے۔ اور سنجیدہ باتیں دوسرے موقع پر بیان کی جائیں گی اس وقت تو اوپر اوپر کی باتیں بیان کی ہیں۔

اب میں دعا کرتا ہوں کہ جو کوتاہیاں اس سفر میں ہم سے ہوئی ہیں' خدا انہیں معاف کرے اور جو کوتاہیاں تم سے پیچھے ہوئی ہیں انہیں بھی معاف کرے۔ دین و دنیا میں کامیاب فرمائے۔ اخلاق اور عادات میں تربیت حاصل کرنے کی توفیق بخشے۔ ہمیں مکمل انسان بنائے۔ اور ایسے مکمل جیسا کہ اس کی منشاء ہے کہ انسان ہوں اور جیسا کہ قرآن کریم کی تعلیم چاہتی ہے۔ اور اس

دنیا میں بھی اور آخرت میں اس کی رحمت کے سایہ کے نیچے رہیں وہ کبھی ہم سے ناراض نہ ہو۔ ہم اس کے ہوں اور وہ ہمارا ہو۔ ہمیں اس سے محبت ہو اور اسے ہم سے۔ ہمیں اس سے ایسا پیار ہو جس کی کوئی نظیر نہ ہو۔ اور اس کو بھی ہم سے ایسا پیار ہو کہ دنیا کی کسی قوم کو وہ ہم پر ترجیح نہ دے (آمین)

(الفضل ۴۔ دسمبر ۱۹۲۴ء)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ   نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

احمدی افغانانِ قادیان کے ایڈریس کا جواب

(فرمودہ ۲۶- نومبر ۱۹۲۴ء)

اس وقت جو ایڈریس ہماری جماعت کے افغان بھائیوں کی طرف سے پڑھا گیا ہے اس کے اس حصہ کے متعلق جس میں ہماری واپسی پر خوشی کا اظہار کیا گیا ہے اور آئندہ کے متعلق دعا کی گئی ہے میں اپنی طرف سے بھی اور اپنے ہمراہیان سفر کی طرف سے بھی جزاکم اللہ احسن الجزاء کہتے ہوئے اس حصہ کی طرف توجہ کرتا ہوں جو نہایت ہی اہم ہے اور نہایت ہی عظیم الشان امر کے متعلق ہے کیا بلحاظ واقعہ کی نوعیت کے اور کیا بلحاظ وقتی کیفیات کے- یعنی مولوی نعمت اللہ خاں صاحب شہید کا واقعہ- بعض واقعات دنیا میں اس رنگ کے ہوتے ہیں کہ وہ ایک وقت میں بہت بڑا اثر رکھتے ہیں مگر بعد میں ان کا اثر باقی نہیں رہتا- اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ جو اپنے زمانہ میں تو معمولی سمجھے جاتے ہیں لیکن بعد میں عظیم الشان تغیر پیدا کر دیتے ہیں- اور ایک واقعات وہ ہوتے ہیں کہ اپنے وقت میں بھی اور بعد میں بھی عظیم الشان اثر چھوڑتے ہیں-

پہلی قسم کے واقعات کی مثال یعنی ایسے واقعات جو اپنے زمانہ میں دنیا کو ہلا دیتے اور تہلکہ ڈال دیتے ہیں مگر بعد میں ان کا کچھ بھی اثر نہیں رہتا جھوٹے مدعیوں کی مثال ہے- ایسے لوگوں میں سے بعض اپنی ہوشیاری' اپنی ذکاوت اور اپنی منصوبہ بازیوں سے ایک شور برپا کر دیتے ہیں اور دنیا سمجھتی ہے کہ عالم کو ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک ہلا دیں گے- کچھ عرصہ کے بعد ان کا سارا زور شور مٹ جاتا ہے' حالات بالکل بدل جاتے ہیں' سمندر ساکن ہو کر چادر کی طرح ہو جاتا ہے گویا طوفان تھا جو آیا اور گذر گیا- اور دوسری قسم کے واقعات کی مثال یعنی جو اپنے زمانہ میں کچھ حقیقت نہیں رکھتے لیکن آہستہ آہستہ ان میں ترقی ہوتی جاتی ہے اور عظیم الشان اثر پیدا کر دیتے ہیں' سچے مدعیوں کی مثال ہے- یہ جب پیدا ہوتے ہیں تو ان کی حالت اور

آواز ایسی کمزور ہوتی ہے کہ اکثر لوگ خیال کرتے ہیں ایسے وعدے کرنا جنون ہے۔ لیکن وہ اس گولہ کی طرح یا اس پتھر کی طرح ہوتے ہیں جو برفانی پہاڑ کی چوٹی سے گرتا ہے۔ نئی نئی برف پڑی ہوتی ہے اس لئے نرم نرم برف اس کے ساتھ چمٹنی شروع ہو جاتی ہے جس سے وہ بڑا گولہ بن جاتا ہے۔ اور جوں جوں وہ نیچے آتا جاتا ہے اور برف اس کے ساتھ چمٹتی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ اس میں ایسی حرارت' ایسی بجلی' ایسی کشش اور ایسا جذب پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے ساتھ پتے' شاخیں بلکہ درخت بھی لپیٹتا جاتا ہے۔ اور پھر اس میں اس قدر قوت اور طاقت پیدا ہو جاتی ہے کہ گاؤں کے گاؤں اپنے ساتھ کھینچنے لگتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے آنے والے نبیوں کی یہی کیفیت ہوتی ہے۔ ابتداء میں دنیا ان کے دعویٰ کو سن کر حیران ہوتی اور خیال کرتی ہے کہ کیا یہ تغیر پیدا کر سکیں گے؟ مگر روز بروز ان کی طاقت بڑھتی جاتی اور دن بدن ان میں زیادہ سے زیادہ جذب پیدا ہوتا جاتا ہے۔ وہ ابتداء میں ایک بیج کی طرح ہوتے ہیں اور اس بیج کی طرح جسے ہوا بھی اُڑا کر لے جا سکتی ہے یا اس تنکا کی طرح جسے چھوٹا بچہ بھی اٹھا کر توڑ سکتا ہے۔ مگر کون جانتا ہے کہ جب وہ خدا کے الہام کے پانی کے نیچے آتے ہیں تو اس قدر قوت اور طاقت ان میں پیدا ہو جاتی ہے کہ ساری دنیا بھی ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ ان کی مثال سپنج کی سی ہوتی ہے۔ وہ اس طرح اپنے ارادوں اور خواہشوں کو اپنے اندر سے نکال دیتے ہیں جس طرح سپنج اپنے اندر کے مادہ کو نکال کر خالی ہو جاتا ہے۔ وہ اس وقت ایک خالی برتن کی طرح ہوتے ہیں۔ جب خدا تعالیٰ کے الہام کی بارش کے نیچے کھڑے ہوتے ہیں اور اس پانی سے بھرنے شروع ہو جاتے ہیں چونکہ ان کے جسم کا ہر ذرہ خالی برتن کی طرح ہوتا ہے اس لئے اس قدر بھرتے ہیں کہ ان کا اٹھانا مشکل ہو جاتا ہے اور آہستہ آہستہ ایسے عظیم الشان تغیر پیدا کرتے ہیں کہ دنیا حیران ہو جاتی ہے۔

تیسری قسم کے واقعات ایسے ہوتے ہیں کہ جو اپنے وقت میں بھی عظیم الشان اثر پیدا کرتے ہیں اور بعد میں بھی ان کی ایک مثال شہیدوں کی شہادت ہے۔ یہ اپنے وقت میں بھی دنیا میں شور پیدا کر دیتی ہے اور بعد میں بھی۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے فطرت انسانی میں یہ بات رکھی ہے اور جب تک انسان زندہ ہے اور اس کے جذبات اور احساسات زندہ ہیں' خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو' اس میں یہ بات پائی جائے گی کہ وہ ظلم اور تعدی کو ناپسند کرتا ہے اور فطرت جب تک مرتی نہیں کوئی مذہب اسے دبا نہیں سکتا۔ ہندو مذہب باوجود بت پرستی کی تعلیم کے' عیسائیت باوجود کفارہ کے مسئلہ کے' یہودیت باوجود انبیاء پرستی کے' زرتشتی مذہب باوجود نار اور

آب پرستی کے یا اور مذاہب باوجود قسم قسم کی بدعات اور حیا سوز تعلیمات کے انسانی فطرت کو دبا نہیں سکے - اور جب کہیں ظلم اور تعدی ہوگی ہر انسان کے دل سے یہ آواز نکلے گی کہ اس کو برداشت نہیں کرنا چاہئے - اور جب بھی ظلم و ستم کے واقعات دنیا میں رونما ہوں وہ ایک عالمگیر ہیجان اور جوش پیدا کر دیتے ہیں - ایسے اوقات میں ایک دوسرا فریق بھی نمایاں ہو جاتا ہے اور وہ وہ لوگ ہوتے ہیں جن کی فطرتیں مرجاتی ہیں اور فطرت اس وقت تک نہیں مرتی جب تک کوئی انسان اس سے بالکل دوسری طرف نہ نکل جائے - انسانی فطرت آگ کی طرح ہوتی ہے اور جو آگ کے پاس کھڑا ہو ضروری ہے کہ گرمی محسوس کرے اس لئے جو فطرت کے پاس کھڑا ہوتا ہے اسے بھی وہ کھینچ لیتی ہے لیکن جو دور نکل جاتے ہیں ان پر اثر نہیں ہوتا - ایسے لوگوں میں ظلم و جور کے واقعات سے ہیجان پیدا ہوتا ہے مگر وہ بالکل دوسری قسم کا ہوتا ہے - جب وہ انسانی خون گرا ہوا دیکھتے ہیں تو اور خون گرانا چاہتے ہیں - پس ایسے واقعات سے دونوں قسم کے لوگوں میں جوش اور ہیجان پیدا ہو جاتا ہے - جن کی فطرتیں مُردہ نہیں ہوتیں ان میں اس لئے جوش پیدا ہوتا ہے کہ ظلم و ستم ہوا - اور جن کی فطرتیں مُردہ ہوتی ہیں وہ زیادہ ظلم کے خواہشمند ہوتے ہیں کیونکہ ان کی مثال اس چیتے کی سی ہوتی ہے جس کے منہ میں ایک دفعہ انسانی خون لگ جائے تو وہ ہمیشہ اس کا منتظر رہتا ہے - اسی طرح وہ لوگ بھی چاہتے ہیں کہ اور ظلم کریں - مولوی نعمت اللہ خان صاحب کی شہادت اسی قسم کے واقعات میں سے ایک واقعہ ہے - جس نے اس وقت دنیا میں شور اور تہلکہ مچا دیا ہے - حتیٰ کہ وہ لوگ جو ہمارے مذہب کے مخالف ہیں' وہ بھی ایسے رنگ میں اپنے خیالات کا اظہار کر رہے ہیں کہ اس طرح کوئی احمدی بھی نہیں کر سکا - لندن میں جب اس ظلم کے خلاف اظہار نفرت کا جلسہ ہوا تو اس جلسہ میں یکے بعد دیگرے تین معزز اور با اثر پادریوں نے تقریریں کیں - ان میں سے ایک نے کہا انیس سو سال ہوئے جب حضرت مسیح آئے تھے - اس وقت ان کے حواریوں نے جو قربانیاں کیں ان کی مثال اگر کہیں نظر آتی ہے تو اس زمانہ کے احمدیوں میں - اسی طرح سب نے نہایت زوردار تقریریں کیں - اور انہوں نے کہا کہ یہ شہادت صرف احمدیت کے لئے نہیں بلکہ اس اصل کی خاطر ہے کہ انسان سچائی کو کسی دوسرے کے کہنے اور جبر کرنے پر نہیں چھوڑ سکتا - اس قسم کی تقریریں کرنے والے وہ لوگ تھے جو رسول کریم ﷺ سے بھی بڑھا کر حضرت مسیح کو مانتے ہیں - اور اگر حضرت مسیح کو خدا کا بیٹا نہیں مانتے تو بھی انہیں ایسی عظمت دیتے ہیں کہ کسی اور انسان کو ان کے مساوی نہیں سمجھتے - ان کا یہ تسلیم کرنا کہ

حضرت مسیح کے زمانہ کی قربانیوں کا نمونہ سوائے احمدیوں کے اور کہیں نہیں ملتا' اس امر کا اعتراف کرنا ہے کہ ویسا ہی انسان اس زمانہ میں پیدا ہوا ہے جس کی تربیت سے ویسے ہی شہید پیدا ہو رہے ہیں جیسے حضرت مسیح کی تعلیم سے پیدا ہوئے تھے۔ اور یہ انسان حضرت مسیح کے مشابہ ہے۔ گویا ان لوگوں نے زبان سے تو حضرت مسیح موعود کی صداقت کا اعتراف نہیں کیا مگر جب انہوں نے کہا کہ حضرت مسیح کے زمانہ کی قربانیوں کا نمونہ جماعت احمدیہ میں نظر آتا ہے تو حضرت مسیح موعود کے مثیل مسیح ہونے کا اقرار کر لیا۔

یہ تو اس واقعہ کا موجودہ اثر ہے۔ آئندہ کے لئے میرے نزدیک یہ واقعہ اور بھی زیادہ اثر اور اہمیت پیدا کرنے والا ہے اور اس کے متعلق حضرت مسیح موعود کی ایک پیشگوئی بھی ہے۔ جس کی طرف اب میرا خیال نہیں گیا بلکہ جب وہ شائع کی گئی تھی' اسی وقت میرا یہی خیال تھا جو اب ہے۔ وہ پیشگوئی یہ ہے

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۵۵ میں سید عبداللطیف صاحب شہید کے واقعہ شہادت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"میں نے ایک کشفی نظر میں دیکھا کہ ایک درخت سرو کی ایک بڑی لمبی شاخ جو نہایت خوبصورت اور سرسبز تھی ہمارے باغ میں سے کاٹی گئی ہے۔ اور وہ ایک شخص کے ہاتھ میں ہے۔ تو کسی نے کہا اس شاخ کو اس زمین میں جو میرے مکان کے قریب ہے' اس بیری کے پاس لگا دو جو اس سے پہلے کاٹی گئی تھی اور پھر دوبارہ اُگے گی۔ اور ساتھ ہی مجھے یہ وحی ہوئی کہ کابل سے کاٹا گیا۔ اور سیدھا ہماری طرف آیا"۔ [۹۷]

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ الہام صاحبزادہ سید عبداللطیف صاحب کی شہادت کے بعد ہوا اور اس میں ایک خبر دی گئی ہے۔ جب یہ الہام لکھا گیا اس وقت بھی اور بعد میں بھی جتنی دفعہ میں نے اسے پڑھا یہی سمجھا کہ یہ اور واقعہ کے متعلق ہے صاحبزادہ صاحب مرحوم کے متعلق نہیں ہے کیونکہ وہ تو شہید ہو چکے تھے۔ اور جب شہید ہوئے ہماری طرف ہی تھے اس وجہ سے میرا خیال تھا کہ کوئی اور واقعہ ہو گا۔ چنانچہ اب جب کہ مولوی نعمت اللہ خان صاحب کی شہادت کا واقعہ ہوا تو خدا تعالیٰ نے سامان بھی ایسے پیدا کئے کہ وہ مقبرہ بہشتی جس کے بنانے کی یہ غرض ہے کہ جماعت کے صلحاء اس جگہ جمع ہوں' اس میں شہید کا کتبہ لگا دیا گیا۔ اور اس طرح ثابت ہو گیا کہ موجودہ زمانہ میں صلحاء جہاں جمع ہیں' وہاں اسے لایا گیا۔ پھر حضرت مسیح

موعود کو جو رؤیا دکھائی گئی وہ بھی عجیب ہے اس میں آپ کو سرو کی شاخ دکھائی گئی اور کہا گیا کہ اسے اس بیری کے پاس لگادو جو اس سے پہلے کاٹی گئی تھی۔ اس سے بھی ظاہر ہے کہ سرو کی شاخ اور تھی اور اس سے پہلے ایک بیری کاٹی گئی تھی۔ سرو کی شاخ اور بیری کا درخت بھی اپنے اندر عجیب حکمت رکھتے ہیں۔ بیری جو پہلے کاٹی گئی تھی اس سے مراد سید عبداللطیف صاحب تھے۔ انہیں بیری قرار دے کر اس طرف اشارہ کیا گیا کہ وہ پھل دار یعنی صاحب اولاد تھے اور سرو کی شاخ سے یہ مراد تھی کہ بیری کے بعد جو شاخ کاٹی جائے گی وہ پھل دار نہیں ہوگی۔ چنانچہ مولوی نعمت اللہ خاں صاحب کی ابھی تک شادی بھی نہ ہوئی تھی کہ شہید کر دیئے گئے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سرو کی شاخ جو کاٹی گئی' اس سے مراد وہی تھے۔

پھر الہام کے یہ الفاظ کہ "کابل سے کاٹا گیا اور سید ھا ہماری طرف آیا" یہ بھی عجیب ہیں۔ بائبل میں آتا ہے کہ جب حضرت لوط کی قوم کے متعلق حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ تباہ ہونے والی ہے تو انہوں نے خدا تعالیٰ کے حضور عرض کی۔

"کیا تُو نیک کو بد کے ساتھ ہلاک کرے گا۔ شاید پچاس صادق اس شہر میں ہوں۔ کیا تُو اسے ہلاک کرے گا۔ اور ان پچاس صادقوں کی خاطر جو اس کے درمیان ہیں' اس مقام کو نہ چھوڑے گا۔ ایسا کرنا تجھ سے بعید ہے کہ نیک کو بد کے ساتھ مار ڈالے اور نیک بد کے برابر ہو جائیں۔ یہ تجھ سے بعید ہے کہ تمام دنیا کا انصاف کرنے والا انصاف نہ کرے گا۔ اور خداوند نے کہا۔ کہ اگر میں سدوم میں شہر کے درمیان پچاس صادق پاؤں تو میں ان کے واسطے تمام مکان کو چھوڑوں گا تب ابرہام نے جواب دیا اور کہا۔ کہ اب دیکھ میں نے خداوند سے بولنے میں جرأت کی۔ اگرچہ میں خاک اور راکھ ہوں۔ شاید پچاس صادقوں سے پانچ کم ہوں کیا ان پانچ کے واسطے تُو تمام شہر کو نیست کرے گا۔ اور اس نے کہا اگر میں وہاں پینتالیس پاؤں تو نیست نہ کروں گا۔ پھر اس نے اس سے کہا کہ شاید وہاں چالیس پائے جائیں۔ تب اس نے کہا کہ میں ان چالیس کے واسطے بھی نہ کروں گا۔ پھر اس نے کہا میں منت کرتا ہوں کہ اگر خداوند خفا نہ ہوں۔ میں پھر کہوں شاید وہاں تیس پائے جائیں۔ وہ بولا کہ اگر میں وہاں تیس پاؤں تو میں یہ نہ کروں گا۔ پھر اس نے کہا۔ دیکھ میں نے خداوند سے بات کرنے میں جرأت کی۔ شاید وہاں بیس پائے جائیں۔ وہ بولا میں بیس کے واسطے بھی اسے نیست نہ کروں گا۔ تب اس نے کہا میں منت

کرتا ہوں کہ خداوند خفانہ ہوں- تب میں فقط اب کی بار پھر کہوں- شاید وہاں دس پائے جائیں- وہ بولا- میں اس کے واسطے بھی اسے نیست نہ کروں گا-"[۸۰]

اس سے معلوم ہوتا ہے- کہ نیک بندوں کے اپنی قوم سے تعلقات قائم رہتے ہیں- اور ان کی وجہ سے قوم عذاب الٰہی سے بچ سکتی ہے حضرت مسیح موعود کے الہام میں "جو کاٹا گیا" کے الفاظ ہیں- ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ افغانستان کے لئے ایک وقفہ ہے جس کے بعد اس کے لئے عذاب مقدر ہے ورنہ شہید اپنی قوم سے کاٹے نہیں جاتے بلکہ ان کا تعلق قائم رہتا ہے- یہ قطع تعلق وقفہ پر دلالت کرتا ہے اور اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کچھ وقفہ ہو جس میں آب پاشی ہو- اور اور شاخیں پیدا ہوں- پھر اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ شاخیں یہاں تیار ہوں کیونکہ یہ کہا گیا ہے کہ اس شاخ کو یہاں لگادو- اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بارے میں سکیم یہاں سے تیار کرکے بھیجنی پڑے گی-

پس یہ رؤیا نہ صرف ایک عظیم الشان واقعہ کی طرف اشارہ کرتا ہے اور یہ الہام نہ صرف ایک اور واقعہ شہادت کی طرف اشارہ کرتا ہے بلکہ اس سے یہ بھی ظاہر ہے کہ ایک وقفہ ہوگا اور اس بارے میں یہاں سکیم تیار کرنی چاہئے- اب موجودہ زمانہ میں ایسا ہی ہے- گو مولوی نعمت اللہ خان صاحب شہید کا واقعہ ایسا دردناک واقعہ ہے کہ جب بھی اس کی طرف خیال کیا جائے طبیعت بے چین ہو جاتی ہے- لیکن اگر کام کرنے والا انسان ہو تو اس کا فرض ہے کہ اپنے جذبات کو سنبھالے اور انہیں قابو میں رکھے- اسی طرح اگر کسی قوم نے کام کرنا ہو تو اس کے لئے بھی ضروری ہے کہ اپنے جذبات اور احساسات کو روک کر رکھے-

آنکھوں کے آنسو خدا تعالیٰ نے ایسا پانی پیدا کیا ہے کہ جو دل کی آگ کو بجھائے مگر جب انسان کا منشاء یہ ہو کہ دل کی آگ کو بجھانا نہیں بلکہ اور زیادہ بھڑکانا ہے تو ضروری ہے کہ آنسوؤں کو روکے- بے شک بچہ کی موت پر انسان رو سکتا ہے کیونکہ بچہ کی یاد کو قائم رکھنے والی کوئی چیز نہیں اور اس وجہ سے اس کی موت نے جو آگ پیدا کی ہے' اسے بجھنے دینا چاہئے- اسی طرح میاں بیوی کے مرنے پر اور بیوی میاں کے مرنے پر رو سکتے ہیں اور اپنی آنکھ کے آنسوؤں سے جدائی کی آگ کو کم کر سکتے ہیں- مگر وہ شخص جس نے خدا کو جان دی اور جو خدا کے رستہ میں مارا گیا' اس کے نام اور کام کو کبھی نہیں بُھلایا جا سکتا اس کا یاد رکھنا ہمارا فرض اور بہت بڑا فرض ہے- اور جن لوگوں نے نہیں' میں اس بات کا قائل نہیں' جن خیالات اور احساسات نے' جس گندی تربیت

نے، جن غلط عقائد نے اس کے قتل کی تحریک کی اگر ان خیالات، اس تربیت اور ان عقائد کو مٹانا ہمارا فرض ہے تو ضروری ہے کہ ہم اس واقعہ کو ہر وقت یاد رکھیں۔ اور اس کا بہترین ذریعہ یہی ہے کہ اس کے ذریعہ اپنے اندر جوش پیدا کریں اور پھر اس جوش کو دبائیں نہ کہ آنسوؤں کے ذریعہ نکل جانے دیں۔ اس واقعہ کے متعلق ہماری مثال اس ہنڈیا کی سی ہو جس کے نیچے آگ جل رہی ہو۔ اوپر سے ڈھکنا بند ہو اور سارا جوش اس کے اندر محفوظ ہو نہ یہ کہ ڈھکنا اٹھا دیا جائے اور جوش نکل جائے۔

پس چونکہ نعمت اللہ خاں صاحب شہید کی شہادت دین کی خدمت کے لئے ہوئی ہے اس لئے باوجود طبائع میں جوش اور طبیعت کے رقت کی طرف فطرتاً مائل ہو جانے کے جہاں ایسا موقع ہو، وہاں اس جوش اور رقت کو دبانا چاہئے۔ ورنہ اس کے یہ معنی ہوں گے کہ ہم اس جوش کو مٹانا چاہتے ہیں جو اس واقعہ نے پیدا کیا ہے۔ دیکھو دوران لڑائی میں کوئی شخص نہیں روتا۔ خواہ اس کی آنکھوں کے سامنے اس کا بیٹا ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا ہو۔ یا اس کا بھائی ریزہ ریزہ ہو رہا ہو۔ یا اس کے باپ کی گردن دشمن اتار رہا ہو۔ ہاں لڑائی کے بعد اس کے آنسو نکلیں گے کیونکہ آنسو اس بات کی علامت ہیں کہ کام ہو چکا، اب آرام کا وقت ہے۔ پس ہمیں اپنے آنسوؤں کو اس وقت تک روکنا چاہئے جب تک ہم اس واقعہ کے حقیقی انتقام سے فارغ نہ ہو لیں جس کا لینا ہر ایک مؤمن کا فرض ہے۔ دیکھو خدا تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ [81] کہ شہید مرتا نہیں۔ جہاں خدا تعالیٰ کے اس کلام میں ایک نہایت لطیف امر کی طرف اشارہ ہے وہاں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جن کے کام کی شراکت کرتے ہوئے شہید جان دیتا ہے وہ چونکہ اس کے کام کو جاری رکھتے ہیں اس لئے وہ زندہ ہوتا ہے۔ وہ آنسوؤں سے اس کی یاد بھلانا اور اس کے کام کے نقش کو مٹانا نہیں چاہتے۔ اس آگ کو جو اس کی شہادت نے پیدا کی، اس جلن کو جو اس کی جدائی نے پیدا کی اور اس سوزش کو جو اس کے فراق نے پیدا کی مٹانا نہیں چاہتے کیونکہ جہاں وہ آگ، وہ جلن اور وہ سوزش تکلیف دہ ہے وہاں وہ ہمتوں کو بلند کرنے والی، حوصلوں کو بڑھانے والی اور کام میں مدد دینے والی ہے۔ وہ اس کی شہادت کے ساتھ زندگی میں ہی خود شہادت قبول کرتے ہیں۔ وہ اپنے نفس کے جذبات کو مارتے اور آنسو بہا کر اپنے نفس کو آرام نہیں دینا چاہتے تب ان میں وہ جوش، وہ ارادہ اور وہ قوت پیدا ہو جاتی ہے جس کے ساتھ تمام بڑے بڑے کام دنیا میں کئے جاتے ہیں۔ ان کی مثال انجن کی سی ہوتی ہے جس میں سٹیم

جمع ہو کر بڑے بڑے کام آتی ہے لیکن اگر سٹیم کو نکل جانے دیا جائے تو وہ انجن جو بہت سی گاڑیوں کو کھینچتا ہے' خود بھی نہیں ہل سکتا- پس ہمیں اپنے جوشوں اور جذبات کا مفید استعمال کرنا چاہیئے نہ کہ آنسو بہا کر آرام حاصل کرنا چاہیئے- یاد رکھو کہ وہ پانی جو بہہ گیا وہ بہہ گیا لیکن جسے روک لیا جائے وہ بڑے بڑے عظیم الشان کام کرتا ہے- پس یہ جذبات جو واقعہ شہادت سے ہمارے اندر پیدا ہوئے ہیں' ان سے فائدہ اٹھانا چاہیئے- اور وہ خیالاتِ ناپاک' وہ عقائدِ باطلہ اور وہ تربیتِ خراب جس کی وجہ سے اس قسم کے واقعات ظہور پذیر ہو رہے ہیں ان کے مقابلہ کے لئے تیار ہو جانا چاہیئے-

میرے نزدیک کابل کے علماء یا امیر امان اللہ خاں صاحب یا امیر حبیب اللہ خان صاحب' یا امیر عبد الرحمٰن خان صاحب' مولوی نعمت اللہ خان صاحب' صاحبزادہ سید عبد اللطیف صاحب اور ملّا عبد الرحمٰن صاحب کے قتل کرنے والے نہیں ہیں بلکہ ان کے اصل قاتل وہ گندے خیالات اور وہ غلط عقیدے اور وہ خراب تربیت ہے جو ان لوگوں کی ہوئی- اگر ان باتوں کو بدل دو تو کیا اس کے ساتھ ہی یہ لوگ بھی بدل نہ جائیں گے- یہی مولوی جو بڑے زور شور سے اس قتل کی حمایت کر رہے ہیں اگر آج عیسائی ہوتے اور انہیں سکھایا جاتا کہ نیک نامی ایک اچھی چیز ہے اسے ضائع نہیں کرنا چاہیئے تو کیا یہی کابل کے علماء اس قتل کے خلاف آواز نہ اٹھاتے- اسی طرح اگر یہی امیر امان اللہ خان صاحب ان وحشیانہ خیالات سے جُدا ہو جائیں یا امیر حبیب اللہ خان صاحب ان سے جُدا ہو جاتے تو کبھی مولوی نعمت اللہ خان صاحب اور سید عبد اللطیف صاحب کے قتل کی اجازت نہ دیتے- پس ان شہیدوں کے قاتل امیر امان اللہ خان صاحب اور امیر حبیب اللہ خاں صاحب یا علماء کابل نہیں ہیں بلکہ ان کے قاتل وہ جہالت اور وہ غلط خیالات ہیں جو اس ملک میں پھیلے ہوئے ہیں- مگر باوجود اس کے ہمارے اندر انتقام کی خواہش پھر بھی موجود ہے اور ہونی چاہیئے اور ہمارا جوش پھر بھی بڑھتا ہے اور بڑھنا چاہیئے- کیونکہ وہ چیز جو ہمارے بھائیوں کو مارنے والی ہے وہ موجود ہے اور اس کو مٹانا ہمارے لئے ضروری ہے انتقام ایک ایسا جذبہ ہے جو خدا تعالیٰ نے انسان میں اس کے فائدہ کے لئے پیدا کیا ہے مگر اس کے لئے نہایت ضروری امر یہ ہے کہ معلوم کیا جائے انتقام کس سے لینا ہے- اس بات کا پتہ لگائے بغیر اگر غلط طور پر اس جذبہ کا استعمال کیا جائے تو انسان خود مجرم بن جاتا ہے-

دیکھو اگر ایک شخص جس کے باپ کو کسی نے مار دیا ہو بغیر اپنے باپ کے قاتل کا پتہ لگائے کسی

اور کو قتل کردے تو اسے اس لئے بُرا نہیں سمجھا جائے گا کہ اس لے بدلہ کیوں لیا بلکہ اس لئے برا سمجھا جائے گا کہ اس نے غیر سے بدلہ لیا- اسی طرح ان مظالم میں جو ہمارے بھائیوں پر کابل میں ہوئے' ہمارے مد نظر کوئی انسان نہیں جس سے ہمیں انتقام لینا ہے کیونکہ وہ تو بندہ ہے چند ناپاک اور غلط خیالات کا- وہ تو ہتھیار ہے غلط اور نادرست عقائد کا- اور کیا کبھی کسی نے تلوار سے بھی بدلہ لیا ہے- نہیں بلکہ تلوار چلانے والے سے بدلہ لیا جاتا ہے- پس ہمارا مجرم وہ جہالت ہے جس میں ہمارے بھائیوں کے قاتل مبتلاء ہیں ہمارا مجرم وہ غلط عقائد ہیں جن کی وجہ سے وہ ایسے فعل کر رہے ہیں پس انتقام ایک نہایت اعلیٰ درجہ کا جذبہ ہے اور ہم اس جذبہ کو مٹانے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہیں خواہ ساری دنیا ہی اسے بُرا کیوں نہ کہے اور ہمارے جو بھائی کابل میں شہید کئے گئے ہیں ان کا انتقام لینا ہم پر فرض ہے- مگر آدمیوں سے نہیں بلکہ وہ انتقام ان بد خیالات اور ان جہالتوں سے لینا ہے جو کابل میں پھیلی ہوئی ہیں- اور وہ انتقام یہی ہے کہ ان غلط خیالات اور بد عقائد کو مٹائیں جن کی وجہ سے ایسے واقعات رونما ہوتے ہیں- اور جب تک ہم ایسا نہ کریں اس وقت تک ہم یہ کہنے کے مستحق نہیں ہیں کہ ہمیں ان شہیدوں سے تعلق ہے اور ان کے مرنے پر افسوس کرتے ہیں- کیونکہ وہ چیز جو ان کے قتل کی وجہ ہے اسے سامنے دیکھ کر خاموش رہنے کے یہ معنی ہوں گے کہ ہمیں اپنے شہیدوں سے اُنس اور محبت نہیں ہے- پس یہ ہمارا فرض ہے اور ہماری غیرت کا تقاضا ہے کہ اس وقت تک آرام نہ کریں جب تک ان چیزوں کو مٹا نہ لیں جو ہمارے بھائیوں کے قتل کا باعث ہیں- اس کی طرف میں اس وقت توجہ دلانا چاہتا ہوں- مگر یہ وہ انتقام ہے جس کے لئے کابل یا خوست جانے کی ضرورت نہیں- ہندوستان سے باہر نکلنے کی حاجت نہیں بلکہ اس کے لئے اپنے گاؤں' اپنے محلّہ اپنے گھر بلکہ اپنے نفس سے بھی باہر جانے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ مقصد اس کے دل' اس کے گھر' اس کے محلّہ اور اس کے ملک میں بھی موجود ہیں- یا زیادہ واضح الفاظ میں یوں کہہ دوں کہ صاحبزادہ سید عبداللطیف صاحب اور مولوی نعمت اللہ خان صاحب شہید کے قاتل کابل میں ہی نہیں ہیں' بلکہ انسان کے اپنے نفس میں اپنے رشتہ داروں میں' اپنے محلّہ میں اپنے شہر میں موجود ہیں- پس یہ کسی افغان کا ہی فرض نہیں کہ ان شہیدوں کا انتقام لے- وہ شخص ہمارے ساتھ افغان ہونے کی حیثیت سے تعلق نہ رکھتے تھے بلکہ احمدی ہونے کی حیثیت سے تعلق رکھتے تھے- اس وجہ سے وہ افغان نہ تھے بلکہ احمدی تھے- اس لئے جو بھی احمدی ہے وہ ان کا رشتہ دار ہے- پس انتقام لینے کے لئے ہماری جماعت کا کوئی فرد یہ

نہیں کہہ سکتا کہ میں پٹھان نہیں، میں پشتو نہیں جانتا۔ اس امر کی ضرورت اس وقت ہوتی جب ہمارے شہیدوں کے پٹھان قاتل ہوتے۔ امیر امان اللہ خان صاحب قاتل ہوتے۔ ان کے قاتل تو روحانیت کی کمی، اسلام سے بُعد اور جہالت کی فراوانی ہے اور یہ ہر جگہ موجود ہے، اسے قتل کرنا چاہئے۔ پس ہر ایک احمدی کا فرض ہے کہ ان خونوں کا انتقام لے۔ اور ہر ایک احمدی کے سامنے یہ قاتل موجود ہیں۔ اگر وہ انہیں قتل نہیں کرتا تو اسے اپنے شہیدوں سے کوئی ہمدردی نہیں۔ اور اگر قتل کرتا ہے تو گھر بیٹھے بدلہ لے لیتا ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جہاں کوئی واقعہ رونما ہوتا ہے وہاں سے اس کا خاص تعلق ہوتا ہے دعا ہر جگہ ہی ہو سکتی ہے لیکن جہاں کوئی مدفون ہو وہاں دعا کرتے وقت خاص جوش پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح مولوی نعمت اللہ خان صاحب کی شہادت کا واقعہ جہاں ہوا ہے وہاں کے ساتھ اسے ایسا تعلق ہے کہ جو کبھی جدا نہیں ہو سکتا۔ اور جب بھی کابل کا نام، مولوی نعمت اللہ خان صاحب کا نام اور امیر امان اللہ خان صاحب کا نام ہمارے کانوں میں پڑے گا ہمارے جذبات کے باریک تاروں کو ہلا کر ایسی آواز پیدا کرے گا جو نہایت ہی رقّت آمیز اور درد انگیز ہوگی اس لئے اس علاقہ کی طرف خاص توجہ کرنی چاہئے۔ مگر جو لوگ اس طرف نہیں جا سکتے ان کی میں ادھر توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ ان کے گھروں میں ان کے محلوں میں، ان کے شہروں میں قاتل موجود ہیں ان کی طرف توجہ کریں۔

میں نہیں سمجھ سکتا کوئی شخص اپنے آپ کو انسان کہلاتے ہوئے آدم کی اولاد میں اپنے آپ کو شامل کرنے کا مستحق ہو سکتا ہے جب تک اس کے جذبات اور احساسات ایسے نہ ہوں کہ وہ ان کے ذکر کو تازہ رکھے جنہوں نے اس کی خاطر اپنے خون کو پانی کی طرح بہایا اور اپنے سر کو کٹایا۔ اپنے سارے وقت اور سارے آرام و آسائش کو کُلّی طور پر اس دنیا سے منقطع کر لیا ہو۔ ایسے انسانوں کی یاد کو اگر کوئی شخص تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد تازہ نہیں کرتا تو یقیناً وہ دنیا کی ادنیٰ ترین مخلوقات سے بھی بدتر ہے کیونکہ کُتّے میں بھی وفا پائی جاتی ہے۔ اور بہت سے ایسے واقعات سنے جاتے ہیں کہ کوئی شخص مارا گیا تو اس کا کتا بھوکا پیاسا اس کی لاش کے پاس پڑا پڑا مر گیا۔ جب کتے میں بھی اس قدر وفا پائی جاتی ہے تو انسان میں وفا کیوں نہ ہو۔ پس اگر ہم اپنے آپ کو انسان ثابت کرنا چاہتے ہیں تو وہ جنہوں نے ظاہر طور پر جان دے دی یا اپنے قلوب پر موت وارد کی۔ یعنی خواہ انہوں نے جسمانی قربانی کی، خواہ اپنے ہر قسم کے آرام اور خواہش کو قربان کر کے شہیدوں

میں داخل ہو گئے ان کی یاد کو تازہ رکھیں۔

پس میں اپنی جماعت کے لوگوں کو اس طرف توجہ دلاتا ہوں۔ خصوصاً ان لوگوں کو جن سے ہمارے شہداء کو جسمانی اور وطنی تعلق تھا یعنی افغانستان کے باشندوں کو۔ میں نے بتایا ہے ہم ان ملکوں کو چھوڑ نہیں سکتے جہاں ہمارے شہیدوں کا خون یا پسینہ بھی گرا ہے۔ اور احساسات کو کوئی چیز کاٹ نہیں سکتی۔ جب بھی یہ چار حرف ک-ا-ب-ل مل کر ہماری آنکھوں کے سامنے آئیں گے ہمارا دل خواہ کتنا ہی غفلت میں کیوں نہ ہو اس میں ایک ہیجان پیدا ہو جائے گا اس لئے اس ملک کی طرف بھی توجہ کرنی چاہئے اور اسے بھی مدنظر رکھنا چاہئے۔ مگر جو لوگ وہاں نہیں جا سکتے وہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ کچھ لوگوں نے جو زندگیاں وقف کر دی ہیں ہمیں کچھ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ اپنے گھروں میں رہ کر بدلہ لے سکتے ہیں۔ جیسا کہ میں نے بتایا ہے اس وقت میں ان دوسرے امور کے متعلق جو ایڈریس میں بیان کئے گئے ہیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں سمجھتا اور اسی پر اپنی تقریر ختم کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں کے انتقام کی سچی توفیق عطا فرمائے جنہوں نے دین کی خدمت میں جانیں دی ہیں خواہ جسمانی طور پر خواہ ذہنی اور فکری طور پر۔ اور ہمارا یہ انتقام انہی چیزوں سے ہو جو اصل قاتل ہیں نہ ان لوگوں سے جو ہتھیار کے طور پر ہیں جن سے مجھے کم از کم کسی قسم کا بغض نہیں ہے۔

(الفضل ۱۱- دسمبر ۱۹۲۴ء)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

کارکنانِ نظارت اور صدر انجمن احمدیہ

کے ایڈریس کا جواب

(فرمودہ ۲۶- نومبر ۱۹۲۴ء)

اس وقت جو ایڈریس کارکنانِ نظارت اور صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے پڑھا گیا ہے اس کے جواب میں میں اپنی طرف سے اور ہمراہیانِ سفر کی طرف سے وہی فقرہ کہتا ہوں جو رسول کریم ﷺ ایسے موقع پر فرمایا کرتے تھے کہ جَزَاکُمُ اللّٰہُ اَحْسَنَ الْجَزَاءِ-

چونکہ آج اس سے قبل مجھے دو موقعوں پر بولنا پڑا ہے اور کھانسی کی شدت کی وجہ سے میں زیادہ نہیں بول سکتا اس لئے مجھے یہ تو نہیں کہنا چاہئے کہ میں اس وقت کچھ زیادہ کہنا نہیں چاہتا بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ زیادہ کہہ نہیں سکتا مگر اتنا ضرور کہتا ہوں کہ وہ کامیابی جو سلسلہ احمدیہ کو اس سفر میں حاصل ہوئی ہے اگر اس میں انسانی کوششوں کا کچھ دخل ہے اگرچہ اتنے تھوڑے وقت میں اتنے بڑے کام اور ایسے عظیم الشان نتائج جو رونما ہوئے ہیں انہیں مدنظر رکھتے ہوئے نہیں کہہ سکتے کہ انسانی کوششوں کا اس میں دخل ہے لیکن چونکہ خدا تعالیٰ نے بعض فضل بھی انسانی تدابیر کے جواب میں رکھے ہیں اس لئے اگر اس تھوڑی بہت حرکت اور کوشش کو مدنظر رکھا جائے جو جماعت کی طرف سے کی گئی ہے تو یہ کہنا سچائی پر پردہ ڈالنا ہوگا کہ وہ سعی اور محنت جو خدا تعالیٰ کے اس فضل کا جاذب ہوئی ہے وہ صرف میرے اور میرے ہمراہیاں سفر کے کاموں تک محدود ہے۔

اگر ہم غور سے دیکھیں تو ہمیں بوضاحت یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ دنیا میں بہت سے کام،

بہت سی کامیابیاں' بہت سی فتوحات ایسی ہوتی ہیں کہ ان کا سہرا تو بعض کے سر بندھتا ہے مگران کے جذب کرنے اور حاصل کرنے کے لئے سینکڑوں ہزاروں آدمیوں کی کوششیں ملی ہوتی ہیں۔ اور قوانین قدرت کے ماتحت نیچی چیزیں اوپر کی چیزوں کے نیچے چھپی رہتی ہیں۔ پس ہمیں اس کامیابی میں جو ہمیں سفر یورپ میں حاصل ہوئی اگر کچھ انسانی کوشش کا دخل ہے تو اس میں آج ایڈریس پیش کرنے والے بھی شامل ہیں۔ مجھے ہمیشہ کورل ریف (CORAL REEF) کا خیال کرکے تعجب آیا کرتا ہے۔ بعض جزائر کی نسبت دریافت ہوا ہے کہ وہ حقیقی مٹی سے نہیں بنے بلکہ کورل ریف سے بنے ہیں۔ یعنی چھوٹے چھوٹے کیڑوں کے مجموعہ سے وہ جزائر بنے ہیں۔ جن میں اب آدمی بستے ہیں۔ وہ کیا ہیں وہ خشکی جو سمندر کا مقابلہ کر رہی ہے' جو بنی نوع انسان کو اپنی پیٹھ پر سوار کئے ہوئے ہے وہ چھوٹے چھوٹے کیڑوں کے کام کا نتیجہ ہے گویا وہ جزیرہ جسے ان میں بسنے والے لوگ اپنا وطن کہتے ہیں نہایت چھوٹے چھوٹے اور حقیر کیڑوں کے ایک دوسرے پر جانیں دے دینے کا نتیجہ ہے۔ ایک پر ایک کیڑا گرتا ہے اور اس طرح کروڑوں کروڑ مرتے جاتے ہیں تاکہ وہ زمین بنائیں جس پر وہ انسان جسے خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت اور اپنے جلال کے اظہار کے لئے پیدا کیا ہے بسے۔ اس جلال کے اظہار کے متعلق کوئی کہہ سکتا ہے کہ کیڑوں کا بھی حصہ ہے؟ مگر اس میں اس کیڑے کا بھی دخل ہے جو سب سے پہلے مر کر سمندر کی تہہ میں گیا جزیرہ میں بسنے والے عام لوگ اس کا دخل نہیں جانتے مگر اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ اس کا دخل ہے۔ اگر وہ جان نہ دیتا اور اس کے اوپر دوسرے کیڑے اس طرح نہ مرتے جاتے تو کوئی انسان اس جگہ نہیں رہ سکتا تھا جہاں جزیرہ بنا اور وہاں اپنے پیدا کرنے والے کے جلال کا اظہار نہیں کر سکتا تھا۔

اسی طرح تمام سلسلوں میں ہوتا ہے۔ ہر طبقہ کے لوگ اپنے اپنے رنگ میں کام میں لگے ہوتے ہیں اور ہر شخص ان کامیابیوں کا حصہ دار ہوتا ہے جو حاصل ہوتی ہیں۔ مگر ان میں سے بہت سے ہوتے ہیں جو اپنے قائم مقاموں کے پردہ میں یا اپنے سے زیادہ حیثیت رکھنے والوں کی چادر میں چھپے رہتے ہیں مگر اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ ان کا کام باطل ہو جاتا ہے اور ان کا حق جاتا رہتا ہے۔ دیکھو اگر سورج کی موجودگی میں ستارے چمکتے نہیں تو اس کے یہ معنے نہیں کہ وہ موجود ہی نہیں۔ اگر لیمپ کے مقابلہ میں جگنو روشن نہیں ہوتا تو اس کے یہ معنے نہیں کہ اس میں روشنی ہی نہیں بلکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ اس سے زیادہ روشن چیز سامنے آگئی اور اس روشنی میں جگنو کی روشنی بھی شامل ہو گئی۔ ہزار روپیہ میں اگر کوئی ایک پیسہ ڈالے تو لوگ اس پر ہنسیں گے مگر

اس میں کیا شک ہے کہ اس ایک پیسہ سے ہزار روپیہ کی قیمت بڑھ گئی- اور کوئی فلسفی اور کوئی حساب دان یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ قیمت نہیں بڑھی- اسی طرح سورج کے سامنے دوسرے اجرام فلکی کی روشنیاں مدھم ہو جاتی ہیں اور اور سورج ہماری دنیا کو روشن نہیں کر سکتے بوجہ بہت زیادہ دور ہونے کے مگر اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ سورج کی روشنی میں ان کا بھی حصہ ہے-

پس ہر ایک فتح جو ہمارے سلسلہ کو حاصل ہوتی ہے اور ہر ایک کامیابی جو ہماری جماعت کو ملتی ہے خواہ اس کے متعلق اس بات کا اظہار ہو یا نہ ہو یا اس کی قدر ہو یا نہ ہو- خواہ اس کا احساس ہو یا نہ ہو مگر ہر فرد جو سلسلہ کے لئے اپنی انگلی بھی ہلاتا ہے خواہ وہ کسی مقام پر کھڑا ہو- پانی بھرنے والا سقّہ ہو یا صفائی کرنے والا چوہڑا وہ بھی اس کامیابی اور فتح میں شریک ہے اور ایسا ہی شریک ہے جیسے اعلیٰ کام کرنے والا- گو درجہ اور مقدار کے لحاظ سے فرق ہو گا- ایک شخص جو کسی گاؤں کی زمین میں سے ۹۹۹۹- ایکڑ کا مالک ہے مقدار کے لحاظ سے اس شخص سے فرق رکھے گا جو ایک گز زمین کا مالک ہے مگر مالک دونوں کو کہا جائے گا-

پس میں اس وقت اس صداقت کے اظہار سے باز نہیں رہ سکتا جو اکثر اوقات یا ہمیشہ اکثر لوگوں کی نظر سے یا بہتوں کی نظر سے پوشیدہ ہوتی ہے- کسی شاعر نے کسی اور موقع کے لئے کہا ہے مگر میں اس موقع پر بھی اسے چسپاں کرتا ہوں کہ بہت سے پھول ایسے ہوتے ہیں جو اپنی خوبصورتی اور خوشبو کے لحاظ سے ان پھولوں سے بڑھ کر ہوتے ہیں جو کسی حسین کے سینہ یا سر پر جگہ پاتے ہیں مگر وہ اس لئے بغیر قدر کئے مُرجھا جاتے ہیں کہ قدر کرنے والے کی نگاہ ان پر نہیں پڑتی- اسی طرح بہت سی خدمتیں ایسی ہوتی ہیں کہ جو زیادہ اخلاص سے کی جاتی ہیں اور اپنے اپنے اندر زیادہ قربانی اور زیادہ ایثار کا رنگ رکھتی ہیں مگر ایسے حالات میں کی جاتی ہیں کہ طبعی طور پر لوگوں کی توجہ نہیں کھینچ سکتیں حالانکہ وہ بھی ایسی ہی قیمتی ہیں جیسی کہ وہ کوشش جو مینار پر چڑھ کر ایسے رنگ میں کی جاتی ہے کہ ہر ایک کی نظر اس پر پڑتی ہے-

اس وقت میری منشاء یہ نہیں ہے کہ اس ایڈریس کے جواب میں کوئی لمبی تقریر کروں بلکہ یہ ہے کہ ایک اہم مقصد کی طرف آپ لوگوں کو توجہ دلاؤں اور وہ یہ ہے کہ دنیا کی نظروں میں اور انسان کی نظر سے بہت سی باتیں پوشیدہ رہ سکتی ہیں اور رہتی ہیں مگر ایک اور ہستی ہے جس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہ سکتی اس کے لئے ہر راز کُھلی ہوئی کتاب ہے- وہ دل کے بھیدوں اور دماغ

کے اندر پوشیدہ نیتوں سے واقف ہے وہ کونوں میں چھپ کر اندھیرے میں کئے جانے والے کاموں سے آگاہ ہے اس کی نگاہ جس طرح اس شخص کے کاموں پر پڑتی ہے جو کروڑوں آدمیوں کے سامنے کوئی کام کرتا ہے اسی طرح اس کے کاموں پر بھی پڑتی ہے جو خلوص دل اور پاک نیت سے گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر کرتا ہے اور وہ ہستی موازنہ کرنا جانتی ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ فرمایا کرتے تھے خدا تعالیٰ کی نظر مقدار پر نہیں بلکہ اخلاص پر ہوتی ہے۔ ایک امیر جس کے پاس کروڑ روپیہ ہے اگر دس ہزار روپیہ خدا کی راہ میں دیتا ہے اور ایک غریب جس کے پاس دس روپے ہیں پانچ خدا کے لئے دے دیتا ہے تو گو انسانوں کی نظر میں دس ہزار روپے زیادہ ہیں مگر خدا کی نظر میں پانچ روپے زیادہ ہوں گے کیونکہ پانچ روپے دینے والے نے اپنا آدھا مال دے دیا۔

آپ لوگوں کو میں جو کچھ اس وقت کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اس بات کو دیکھ کر کہ ہم لوگ جو کام کرتے ہیں وہ پوشیدہ اور مخفی رہنے والے کام ہیں اور لوگوں کی نظروں کے سامنے نہیں آتے کسی قسم کی کوتاہی اور سستی سے کام نہیں لینا چاہئے۔ کیونکہ جس ذات سے ہمارا تعلق ہے اس پر جس طرح بڑے لوگوں کا اور مختلف صیغوں کے ناظروں کا کام ظاہر ہے اسی طرح تمہارا بھی ظاہر ہے اور وہ موازنہ جانتا ہے۔ پھر بہت چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو کھری سمجھی جاتی ہیں مگر کھوٹی ہوتی ہیں۔ اور بہت ایسی ہوتی ہیں جو کھوٹی کہی جاتی ہیں مگر کھری ہوتی ہیں۔ پس تم اپنے کاموں میں خلوص اور نیتوں میں پاکیزگی پیدا کرو۔ ممکن ہے تم میں سے کسی کے کام کے نتیجہ میں جسے وہ گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر کرے اور جسے کسی نے نہ دیکھا ہو اسلام کی آخری فتح حاصل ہو۔ فرض کرو اسلام کی کامیابی کے لئے دس کروڑ اور ایک نمبر کی ضرورت ہے۔ دس کروڑ تو باقی جماعت نے حاصل کر لئے اور ایک شخص نے ایک نمبر حاصل کیا۔ اب کیا یہ ایک نمبر حقارت کی نظر سے دیکھا جائے گا۔ ہرگز نہیں کیونکہ کامیابی کے لئے ایک کروڑ نمبر کافی نہ تھے بلکہ ایک کروڑ ایک نمبر کی ضرورت تھی اور اس وجہ سے کامیابی کا سہرا اس ایک نمبر حاصل کرنے والے کے سر ہوگا کیونکہ اگر وہ نہ ہوتا تو کامیابی نہ ہوتی۔ پس تم لوگ اپنے کاموں میں اخلاص اور نیتوں میں پاکیزگی اختیار کرو اور یہ کبھی خیال نہ کرو کہ لوگ تمہارے کاموں کو دیکھتے ہیں یا نہیں سب کا معاملہ خدا تعالیٰ سے ہے اور کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں ہوگی۔ جس نیت اور جس اخلاص سے کوئی کام کیا ہوگا اس کا بدلہ ویسا ہی ملے گا اور کسی کی محنت ضائع نہ جائے گی اس لئے افسردگی کی کوئی وجہ نہیں اور لوگوں کی بے توجہگی کا کوئی اثر نہیں ہونا چاہئے۔ میں سمجھتا ہوں اس سے زیادہ کہنے کی اس وقت مجھ میں

طاقت نہیں ہے۔ اور میں اس دعا پر تقریر ختم کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ ہماری جماعت کے ہر ایک شخص کو اس بات کی توفیق دے کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو اخلاص اور پاکیزہ نیت سے پورا کرے تاکہ جب وہ خدا کے حضور پیش ہو تو کہہ سکے کہ جو کام میرے سپرد کیا گیا تھا اسے میں نے کیا جہاں تک میری طاقت تھی۔

(الفضل ۱۹۔ مارچ ۱۹۲۵ء)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

ساکنانِ محلّہ دارالرحمت کے

سپاسنامہ کا جواب

(فرمودہ ۲۷-نومبر ۱۹۲۴ء)

میں اس ایڈریس کے جواب میں جو محلہ داران ساکنان دارالرحمت کی طرف سے پڑھا گیا ہے اپنی اور اپنے ہمراہیان سفر کی طرف سے ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں- اور جَزَاکُمُ اللّٰہُ کہتے ہوئے اس بات کا اظہار کرنا چاہتا ہوں کہ مجھے ان محلوں کی آبادی سے بہت محبت ہے- کیونکہ ان علاقوں میں آبادی کے لئے زمین کی تقسیم کا سوال سب سے پہلے میرے ہی دل میں آیا تھا جب میں نے یہ ارادہ کیا اس وقت بہت سے دوست جن سے میں نے اس کا ذکر کیا خیال کرتے تھے کہ یہ کام نہایت مشکل ہے- لیکن اس وقت کے حالات کے ماتحت میرے دل میں دو خیال تھے- ایک یہ کہ قرآن کریم کا پہلا مترجم پارہ صرف ہمارے ہی خاندان کے خرچ سے چھپے جس کی آمد سے دوسرا پارہ شائع ہو اور اس طرح سارا قرآن چھپ جائے اس کے لئے میں نے چاہا کہ اپنی زمین فروخت کر کے روپیہ بہم پہنچاؤں- دوسرا خیال یہ تھا کہ حضرت مسیح موعود کی پیشگوئی وسعتِ قادیان کے متعلق پوری نہیں ہو سکتی جب تک قادیان کی پرانی آبادی کی چار دیواری سے باہر نہ نکلا جائے- چونکہ عام لوگ نمونہ کو دیکھ کر کام کیا کرتے ہیں اس لئے اگر باہر مکان نہ بنائے جائیں گے تو اوروں کو بھی مکان بنانے کی تحریک نہ ہوگی- ان دو خیالات کے ماتحت میں نے یہ کام شروع کیا تھا لیکن پہلے ہی دن مجھے معلوم ہو گیا کہ اس میں کامیابی حاصل ہوگی- پہلی دفعہ تین ایکڑ زمین فروخت کرنے کے لئے منتخب کی گئی- لوگوں کا خیال تھا اور میرا بھی یہی خیال تھا کہ کچھ عرصہ میں یہ زمین فروخت ہوگی مگر اس تین ایکڑ کے لئے دو تین دن میں ہی درخواستیں آ گئیں اور ابھی اور

لوگ خواہش رکھتے تھے اس لئے اور ٹکڑے دیئے گئے۔

لیکن باہر آبادی کا سلسلہ شروع کرنے میں ایک اور روک بھی تھی اور وہ یہ کہ اگر باہر آبادی ہوئی تو چونکہ ہم ہی یہاں کے مالک نہیں ہیں بلکہ اور بھی ہیں اس لئے دو نقص پیدا ہوں گے ایک یہ کہ ہندو جو ابھی تک باہر نہیں نکلے ہمارے مکان دیکھ کر باہر نکلیں گے۔ اس طرح غیروں کی آبادی بھی بڑھ جائے گی۔ اور دوسرا یہ کہ جب کہ آبادی کے قابل اکثر زمین غیروں کے پاس ہے (اس وقت ہمارے پاس آبادی کے قابل زمین صرف چھ سات ایکڑ تھی) اور لوگوں کو جب باہر آبادی کی خواہش ہوگی تو وہ دوسروں سے قیمتاً زمین خریدیں گے جو مہنگی دیں گے اور اس طرح ہماری جماعت کا نقصان ہوگا کیونکہ وہ جنہیں ہماری آبادی بڑھانے سے تعلق نہیں ان کی یہ خواہش ہوگی کہ زیادہ سے زیادہ روپیہ وصول کریں۔ میرے ان خیالات کی تصدیق اس طرح ہو گئی کہ یہی زمین جہاں یہ محلہ آباد ہے مرزا اکرم بیگ صاحب سے ایک سکھ نے خریدلی اس لئے کہ وہ جانتا تھا کہ اس سے بہت فائدہ ہوگا۔ اسے بہت سمجھایا گیا کہ تم سے ہمارے پرانے تعلقات چلے آتے ہیں اور تم سے کوئی زمین نہیں خریدے گا مگر وہ یہی کہتا تھا مجھے یقین ہے کہ قادیان کی آبادی بڑھے گی اور یقیناً مجھ سے یہ زمین خریدی جائے گی۔ اس بناء پر میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے زمین خریدی ہے بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں نے سونا خریدا ہے۔ اس وقت یہ سوال پیدا ہوا کہ خواہ کچھ ہو اس زمین کو خرید لیا جاوے۔ چنانچہ جس طرح بھی ہوا کوشش کرکے اور جیسا کہ ایڈریس میں بھی اشارہ کیا گیا ہے ہم نے گھر کے زیورات تک فروخت کرکے یہ زمین خریدلی اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کوشش کا یہ نتیجہ ہوا کہ دو محلے آباد ہو گئے۔ ایک طرف دارالفضل اور دوسری طرف دارالرحمت۔ پھر بقیہ زمین کے متعلق بھی خدا نے روک دور کردی اور وہ ہمیں دلادی۔ اب قادیان کی زمین ہمارے پاس ہے یا دیگر احمدیوں کے پاس۔ اس لئے وہ خطرہ نہیں رہا جو پہلے تھا کیونکہ احمدی غیروں کو زمین نہیں دیں گے۔ اور مجھے یقین ہے کہ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ان پیشگوئیوں پر جو قادیان کی ترقی کے متعلق ہیں یقین رکھتے ہیں وہ کبھی ایسی قیمت نہیں رکھیں گے جو ان پیشگوئیوں کے پورا ہونے میں روک ہو۔

چونکہ اس وقت میری توجہ ایک اور معاملہ کی طرف پھری ہوئی ہے جس کا مجھ پر سخت بوجھ ہے اس لئے میں اس ایڈریس کی طرف متوجہ ہونے کی بجائے اس کی طرف توجہ کرتا ہوں۔

مجھے یہاں آتے ہوئے معلوم ہوا ہے کہ بجائے کم ہونے کے طاعون بڑھ رہی ہے اور احمدی

محلوں میں بھی اس کے آثار پائے جاتے ہیں- موت ہمیشہ آتی ہے لوگ مرتے ہیں بعض دفعہ اچانک موتیں بھی ہوتی ہیں لیکن طاعون کی موت کے ساتھ چونکہ ایسی بات لگی ہوئی ہے کہ یہ عذاب کی خبر کے طور پر آئی ہے اس لئے گو بعض احمدیوں کا فوت ہو جانا حضرت مسیح موعود کی پیشگوئی کے منافی نہیں مگر چونکہ شماتتِ اعداء کا باعث ہو سکتا ہے اس لئے طاعون کے خیال سے ہر ایک احمدی کے دل پر بوجھ ہوتا ہے اور قدرتاً گھبراہٹ ہوتی ہے کہ وہ شامت اعمال یا کسی اور حکمت الٰہی سے دوسروں کی شماتت کا نشانہ نہ بنے- میں اس اجتماع سے جو اس خبر کے سننے کے بعد جلد سے جلد مجھے میسّر آیا ہے فائدہ اٹھاتے ہوئے جماعت کو تاکید کرتا ہوں کہ علاوہ اس کے کہ بہت دعاؤں سے کام لیں اور میں بھی دعا کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ ہماری جماعت کے مردوں' عورتوں' چھوٹوں' بڑوں سب کو بچا کر اپنے فضل کے نیچے رکھے ظاہری صفائی کی طرف بھی خیال رکھیں کیونکہ وبائی امراض کا غلاظت سے بہت بڑا تعلق ہے خصوصاً طاعون کا- پس میں دوستوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ ہر محلہ کے لوگ فوراً خواہ اسی وقت' خواہ صبح کو اپنے اپنے محلہ کی صفائی کا انتظام کریں- مجھے افسوس ہے کہ قادیان میں آئے ہوئے تین دن گزر گئے اور کسی نے خبر نہ دی- اگر پہلے خبر ملتی تو اسی وقت اس طرف توجہ کی جاتی- اب جس قدر جلدی ہو سکے اس طرف توجہ کی جائے- تمام گھروں میں ہدایات دے دی جائیں کہ گھروں میں یا گھروں کے پاس کوڑا کرکٹ نہ پھینکا جائے- ایک دوائی منگوائی گئی ہے جو گھروں میں تقسیم کی جائے گی- اس کے متعلق ڈاکٹر صاحبان جو ہدایات دیں ان پر لفظاً عمل کیا جائے- ایسے ایام میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کونین' کافور اور جدوار کی گولیاں کھلاتے تھے ان کا استعمال کیا جائے- اپنے جسم کو زخم لگنے یا سخت تھکان سے بچایا جائے- سردی سے حفاظت کی جائے پاؤں کے ننگے ہونے سے بہت احتیاط کی جائے- پاؤں کو گرم رکھا جائے- ایسی جگہوں یا ایسے گھروں میں جہاں کسی کو بخار وغیرہ ہو چُھپایا نہ جائے- اور ڈاکٹر جو ہدایات دیں ان پر عمل کیا جائے- بالآخر پھر میں یہ کہتا ہوں کہ دعائیں کرو خدا تعالیٰ سب کو اس سے محفوظ رکھے- یہ دعائیں اپنی جماعت کے لئے ہی نہ ہوں بلکہ دوسروں کے لئے بھی ہوں- خدا تعالیٰ ان پر بھی رحم کرے-

(الفضل ۳۱- مارچ ۱۹۲۵ء)

۱ الانعام : ۱۲۴

۲ لائیڈ جارج LLOYD GEORGE (۱۸۶۳ء-۱۹۴۵ء) انگریز مدبّر۔ ۱۸۹۰ء کے بعد ۵۴ سال تک پارلیمنٹ کا آزاد خیال ' استعمار دشمن رکن رہا۔ جنوبی افریقہ میں جنگ کی مخالفت کی۔ ۱۹۱۹ء میں پیرس کی صلح کانفرنس میں شریک ہونے والے چار بڑوں میں سے ایک تھا۔ دوسری عالمی جنگ سے قبل دشمنوں کو رعایت دینے کی پالیسی کی مخالفت کی۔ ۱۹۲۲ء میں انگریزو ترکوں کے مخدوش حالات میں وزیر اعظم کے عہدہ سے مستعفی ہوا۔

(The New Encyclopaedia Britannica (Micropaedia) vol. VI-P.284 15th Edition)

۳ کرزن GEORGE NATHANIEL CURZON (۱۸۵۹ء-۱۹۲۵ء)
1st MARQUIS OF KEDLESTON

کرزن جارج نیتھنیل ' مارکوس اول کرزن آف کیڈلسٹن۔ برطانوی مدبّر ' ہندوستان کے وائسرائے (۱۸۹۹ء-۱۹۰۵ء) کی حیثیت سے اصلاحات نافذ کیں۔ شمال مغربی سرحد میں امن قائم کیا۔ دہلی میں ایڈورڈ ہفتم کی تخت نشینی کا شاندار دربار منعقد کیا۔ کمانڈر انچیف لارڈ کچنر سے اختلاف کی بناء پر وائسرائے کے عہدے سے استعفیٰ دے دیا۔

(THE ENCYCLOPAEIDA BRITANNICA Vol-VII P.665 ELEVENTH EDITION: CAMBRIDGE 1911)

۴ ملاکی باب ۴ آیت ۵ نارتھ انڈیا بائبل سوسائٹی مرزا پور مطبوعہ ۱۸۷۰ء

۵ متی باب ۱۱ آیت ۱۳ ' ۱۴ نارتھ انڈیا بائبل سوسائٹی مرزا پور مطبوعہ ۱۸۷۰ء

۶ متی باب ۲۳ آیت ۳۹ نارتھ انڈیا بائبل سوسائٹی مرزا پور مطبوعہ ۱۸۷۰ء

۷ فاطر : ۲۵

۸ لَآاِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ......(البقرۃ : ۲۵۷)

۹ نے باید مرا یک ذرہ عز تہائے ایں دنیا۔ منہ از بہرما کرسی کہ ماموریم خدمت را (درثمین فارسی صفحہ ۱۳۵ طبع بار اول ضیاء الاسلام پریس ربوہ)

۱۰ "سید القوم خادمھم" کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۷۱۰ روایت نمبر ۱۷۵۱۷ مطبوعہ حلب ۱۹۷۹ء

۱۱ یوحنا باب ۸ آیت ۴۶ نارتھ انڈیا بائبل سوسائٹی مرزا پور مطبوعہ ۱۸۷۰ء

۱۲ "ینظرون الیک وھم لایبصرون" تذکرہ صفحہ ۸۷- ایڈیشن چہارم

۱۳ اشاعۃ السنہ نمبر ۶ جلد ۷ صفحہ ۱۶۹ '۱۷۶ (مفہوماً)

۱۴ استثناء باب ۱۸' آیت ۲۰۔ نارتھ انڈیا بائبل سوسائٹی مرزاپور مطبوعہ ۱۸۷۰ء میں آیت کے الفاظ یہ ہیں۔ "لیکن وہ نبی جو ایسی گستاخی کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا میں نے اسے حکم نہیں دیا۔ یا اور معبودوں کے نام سے کہے تو وہ نبی قتل کیا جاوے"۔

۱۵ الحاقۃ : ۴۵ تا ۴۷

۱۶ ازالہ اوہام حصہ دوئم صفحہ ۷۷۲ روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۳۷۷ (مفہوماً)

۱۷.

۱۸ تحفہ غزنویہ صفحہ ۲۹ روحانی خزائن جلد ۱۵ صفحہ ۵۵۹ (مفہوماً)

۱۹ الکہف : ۸۶ تا ۸۹

۲۰ سعید زغلول پاشا۔ پیدائش ۱۸۵۷ء وفات ۱۹۲۷ء

۲۱ متی باب ۱۲ آیت ۳۱' ۳۲ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور مطبوعہ ۱۹۹۴ء

۲۲ فاطر : ۲۵

۲۳ رسالہ الوصیت صفحہ ۱۱۔ روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۳۰۹

۲۴ رسالہ الوصیت صفحہ ۹' ۱۰۔ روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۳۰۷' ۳۰۸

۲۵

۲۶ کشتی نوح صفحہ ۲۶' ۲۷۔ روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۲۴-۲۵

۲۷ کشتی نوح صفحہ ۲۲- روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۲۰

۲۸ کشتی نوح صفحہ ۲۰- روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۱۸

۲۹ کشتی نوح صفحہ ۱۲- روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۱۲ (مفہوماً)

۳۰ کشتی نوح صفحہ ۱۳' ۱۴- روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۱۱' ۱۲

۳۱ رسالہ الوصیت صفحہ ۱۰- روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۳۰۸

۳۲ "کس نے اس راستباز کو یورپ کی طرف سے برپا کیا" یسعیاہ باب ۴۱ آیت ۲ نارتھ انڈیا بائبل سوسائٹی مرزاپور مطبوعہ ۱۸۷۰ء

۳۳ العنکبوت : ۷۰   ۳۴ الصف : ۱۰

۳۵ امیر امان اللہ خان (۱۸۹۲ء-۱۹۶۰ء) شاہِ افغانستان امیر حبیب اللہ خان کا تیسرا بیٹا جو ۱۹۱۹ء میں اپنے باپ کے قتل کے بعد افغانستان کا حکمران بنا۔ ۱۹۲۶ء میں امان اللہ خان نے امیر کی بجائے "شاہ" کا لقب اختیار کیا۔ اس کے خلاف جب شورش ہوئی تو یہ کابل سے قندھار چلا گیا۔ ۱۹۲۹ء میں اٹلی روما چلا گیا اور وہیں وفات پائی۔ نادر شاہ کے قتل کے بعد ان کا بیٹا محمد ظاہر شاہ بادشاہ بنا تو اس کی میت روم سے کابل منگوائی گئی۔ (اردو انسائیکلوپیڈیا جلد اول صفحہ ۲۱۷ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۷ء)

۳۶ جمال پاشا۔ احمد جمال ۱۸۷۲ء میں استنبول میں پیدا ہوا۔ فوج میں بطور کپتان متعیّن ہوا۔ ۱۹۱۱ء میں بغداد کا والی مقرر کر دیا گیا بعدہٗ لیفٹیننٹ جنرل کا عہدہ دیا گیا ۔ ۱۹۱۴ء میں وزارت بحریہ اسکے سپرد کر دی گئی اس نے بحریہ کو مؤثر و مضبوط بنایا۔ ۱۹۱۸ء میں فرار ہو کر برلن اور وہاں سے سوئٹزرلینڈ چلا گیا۔ قیام یورپ کے دوران میں اس نے افغانستان کے امیر امان اللہ خان کی ملازمت قبول کر لی۔ ۱۹۲۲ء میں کرکن لالیان (KEREKIN LALAYAN) اور سرگورتیان (SERGO VARTAYAN) نامی دو اَرمنوں نے اسے گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ پہلے "تفلس" اور پھر کچھ دن بعد "ارز" روم میں دفن کیا گیا (اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۷ صفحہ ۳۶۹ مطبوعہ لاہور ۱۹۷۱ء)

۳۷ مولوی عبدالرحمٰن صاحب ۔ شہادت وسط ۱۹۰۱ء (تاریخ احمدیت جلد ۳ صفحہ ۱۸۵ طبع بار دوئم)

۳۸ امیر عبدالرحمٰن (۱۸۴۴ء- یکم اکتوبر ۱۹۰۱ء) امیر محمد افضل خان کا بیٹا اور امیر دوست محمد خان کا پوتا۔ ۱۸۸۰ء میں برسرِ اقتدار آیا۔ اسی کے عہد میں ۱۸۹۳ء میں چترال سے بلوچستان تک ایک سرحدی خط متعیّن کیا گیا جسے ڈیورنڈ (Durand Line) کہتے ہیں۔ یہ ایک سخت گیر حکمران تھا۔ (اردو جامع انسائیکلوپیڈیا جلد ۲ صفحہ ۹۵۸، ۹۵۹ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۸ء)

۳۹ حضرت صاحبزادہ عبداللطیف صاحب۔ تاریخ شہادت ۱۴- جولائی ۱۹۰۳ء (تاریخ احمدیت جلد ۳ صفحہ ۳۲۷ طبع بار دوئم)

۴۰ امیر حبیب اللہ خان (عہد حکومت ۱۸۷۲ء-۱۹۱۹ء) والیٔ افغانستان۔ اپنے والد امیر عبدالرحمٰن کی وفات کے بعد یکم اکتوبر ۱۹۰۱ء میں مسند نشین ہوا۔ ۲۰ فروری ۱۹۱۹ء کو اس

نے وادی النگار (Alingar) میں قلعہ السراج (نعمان) کے قریب "گوش" میں پڑاؤ ڈال رکھا تھا کہ اسے قتل کر دیا گیا۔ (اردو جامع انسائیکلوپیڈیا جلد ۱ صفحہ ۷۵۳ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۷ء' اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۷ صفحہ ۸۸۶' ۸۸۷ مطبوعہ دانش گاہ پنجاب لاہور)

۴۱ UNDER THE ABSOLUTE AMIR BY FRANK A. MARTIN P-203 Published in 1907.

۴۲ الاعراف : ۳۶ ۴۳ البقرة : ۲۵۴

۴۴ رولٹ ایکٹ۔ ۱۹۱۹ء میں جنگِ عظیم کے بعد ہندوستان میں تحریک آزادی کی ایک لہر پیدا ہوئی۔ جسے روکنے کیلئے جسٹس رولٹ کی صدارت میں ایک کمیٹی قائم ہوئی۔ کمیٹی کی رپورٹ پر ایسا قانون بنایا گیا جسکی رو سے حکومت کو تخریبی کارروائیاں روکنے کیلئے وسیع اختیارات مل گئے۔ اس قانون کو رولٹ ایکٹ کا نام دیا گیا۔

۴۵ سَوَراج : حکومتِ خود اختیاری

۴۶ مانٹیگو چیمسفورڈ ریفارم سکیم۔ جنگ عظیم اول میں حکومت برطانیہ نے ہندوستانیوں سے وعدہ کیا تھا کہ اگر انہوں نے حکومت کو امداد پہنچائی تو انہیں زیادہ سے زیادہ مراعات کا مستحق سمجھا جائے گا۔ جب جنگ ختم ہوئی تو ہندوستانیوں کی طرف سے مطالبات شروع ہوئے جو ایجیٹیشن کا رنگ اختیار کر گئے۔ لارڈ چیمسفورڈ جو لارڈ ہارڈنگ کے بعد ۱۹۱۶ء میں ہندوستان آئے تھے اور اب وائسرائے تھے نے مسٹر مانٹیگو (MONTEGUE) کی معیّت سے ہندوستان کے سیاستدانوں اور مدبّروں سے تبادلہ خیالات کرکے ایک "مانٹیگو چیمسفورڈ سکیم" بنائی جو پارلیمنٹ سے منظوری کے بعد "گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۱۹ء" کے نام سے شائع ہوئی۔ اِسکا نفاذ ۱۹۲۱ء میں ہوا جس کے تحت ہندوستانیوں کو حکومت کے انتظام میں حصہ دیا گیا اور بعض وزارتوں پر ہندوستانیوں کو مقرر کیا گیا۔

۴۷ الاصابة فی تمییز الصحابة جلد ۴ صفحہ ۲۸۱' ۲۸۲ مطبوعہ بیروت لبنان ۱۳۲۸ھ

۴۸' ۴۹ بخاری باب کیف کان بدء الوحی الی رسول الله صلی الله علیه وسلم

۵۰ تاریخ الخلفاء للسیوطی صفحہ ۳۵' نور محمد اصح المطابع کارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی

۵۱ الاصابة فی تمییز الصحابة جلد ا صفحہ ۵۴۵ مطبوعہ بیروت لبنان ۱۳۲۸ھ

۵۲ بخاری کتاب بنیان الکعبة باب ما لقی النبی صلی الله علیه وسلم واصحابه من المشرکین
۵۳ سیرت ابن ہشام (اردو) جلد ۱ حصہ اول صفحہ ۱۷۲
۵۴ بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ احد
۵۵ اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ جلد ۲ صفحہ ۳۷۶
۵۶ سیرت ابن ہشام (اردو) جلد ۱ حصہ دوئم صفحہ ۸۴
۵۷ سیرت ابن ہشام (عربی) جلد ۳ صفحہ ۹ ذکر غزوۃ حنین
۵۸ مسند احمد بن حنبل جلد ۵ صفحہ ۳۵۸
۵۹ کنز العمال جلد ۱۰ صفحہ ۴۹۸ حدیث نمبر ۳۰۱۵۸
۶۰ البینۃ : ۴
۶۱ جوزف رُڈیارڈ کپلنگ KIPLING JOSEPH RUDYARD (برطانوی شہری)
۳۰۔ دسمبر ۱۸۶۵ء کو برطانوی والدین کے ہاں بمبئی میں پیدا ہوا اور ۱۸۔ جنوری ۱۹۳۶ء کو لندن میں وفات پائی۔ ناولسٹ، شاعر اور کہانی نویس بالخصوص بچوں کے لئے چھوٹی چھوٹی کہانیاں لکھنے اور برطانوی سپاہیوں کے متعلق اِس کی کہانیوں اور نظموں کو بہت شہرت حاصل ہوئی۔ اسے ۱۹۰۷ء میں ادب کے نوبل انعام کا حقدار قرار دیا گیا۔
(The New Encyclopaedia Britannica Vol. 5 Edition 15th P.828
۶۲ النساء : ۶۶ ۶۳ التوبۃ : ۶۱
۶۴ اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ لابن الاثیر جلد ۳ صفحہ ۳۵۲ باب السین والمیم مطبوعہ داراحیاء بیروت
۶۵ الذّٰریٰت : ۵۰
۶۶ ملاکی باب ۴ آیت ۵، ۶ بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور مطبوعہ ۱۹۹۴ء
۶۷ متی باب ۱۱، آیت ۱۱ تا ۱۶، بائبل سوسائٹی انارکلی مطبوعہ لاہور ۱۹۹۴ء
۶۸ متی باب ۲۳ آیت ۳۹ بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور مطبوعہ ۱۹۹۴ء
۶۹ متی باب ۱۷ آیت ۲۰ بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور مطبوعہ ۱۹۹۴ء
۷۰ البقرۃ : ۲۸۶

۷۱ متی باب ۵ آیت ۳۹ بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور مطبوعہ ۱۹۹۴ء
۷۲، ۷۳ الشّوریٰ : ۴۱
۷۴ نسائی کتاب عشرۃ النساء باب حب النساء میں حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں
"حبب الی من الدنیا' النساء والطیب وجعلت قرۃ عینی فی الصلوٰۃ"
۷۵ مؤطا امام مالک کتاب الجامع باب ماجاء فی المهاجرۃ مطبوعہ کتب خانہ دارالاشاعت
بندر روڈ کراچی۔
۷۶ اٰل عمران: ۹۷ ۷۷ التوبۃ : ۱۰۸ ۷۸ الانعام : ۱۶۳
۷۹ تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۷۵ روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۷۵
۸۰ پیدائش باب ۱۸ آیت ۲۳ تا ۳۲۔ نارتھ انڈیا بائبل سوسائٹی مرزاپور مطبوعہ ۱۸۷۰ء
۸۱ اٰل عمران : ۱۷۰